₹ 200/-

November - 2018

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

صفر المظفر ۱۴۴۰ ہجری مطابق نومبر ۲۰۱۸ عیسوی

امام احمد رضا نمبر

چیف ایڈیٹر
مولانا محمد عسجد رضا خاں قادری

ایڈیٹر
مولانا محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہم قدم، ہم قلم

باب اوّل: انتسابات و پیغامات

باب دوم: ابتدائیات

باب سوم: خصوصیات

www.muftiakhtarrazakhan.com

باب چہارم: شعریات

باب پنجم: منظومات

www.muftiakhtarrazakhan.com

بابِ اوّل

پیغامات وانتسابات

www.muftiakhtarrazakhan.com

جانشین تاج الشریعہ کا پیغام! برادران اہل سنت کے نام

از: مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری
(سجادہ نشین خانقاہ حضور تاج الشریعہ)

یہ حقیقت ہے کہ "دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا" ہمارے پاس دینی روایات کا جو اثاثہ ہے کل کا کل اپنے اسلاف واکابر ہی سے روایتاً و درایتاً ہمیں ملا ہے، ہم اس اثاثے کے وارث، امین اور محافظ بنائے گئے ہیں، جد کریم مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ العزیز کی ولادت باسعادت اسی اسلامی اثاثے کی پاسداری، اس کے فروغ اور اس کی ترویج و تشہیر کے لئے ہوئی تھی، انھوں نے اسلاف واکابر کی امانتوں اور عشق حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرارتوں کو اس انداز میں دنیا کے سامنے پیش فرمایا کہ ان کے عہد کے علما و مشائخ اور اہل فقہ و فتاویٰ جھوم جھوم اٹھے، انھیں چودھویں صدی کا مجدد برحق، عاشق مصطفےٰ جان رحمت، ان کی ذات کو حق کی علامت اور ان کے افکار و نظریات کو مسلک اعلیٰ حضرت کے نام سے یاد کیا اور اس کی تبلیغ و ترویج میں قائدانہ، سرفروشانہ اور عاشقانہ رول ادا کیا، ان کے عہد کے علما و مشائخ کی بے پناہ قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ آج اکناف عالم میں مسلک اعلیٰ حضرت کی شعاعیں پھیلی ہوئی ہیں اور اس سے مومنین کے اذہان و قلوب روشن و منور ہو رہے ہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں زندگی گزارنے میں ہی دارین کی صلاح و فلاح ہے، ماضی قریب کے اسلاف واکابر نے اس پہ عمل کر کے اور کامیاب ہو کے دکھایا ہے، والد ماجد حضور تاج الشریعہ قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی اس کی زندہ مثال ہے، جن افراد، اداروں، تنظیموں اور خانقاہوں کے قول و عمل سے مسلک اعلیٰ حضرت کی شبیہ خراب ہو رہی تھی، ان سے انھوں نے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا، والد ماجد کے نقوش قدم ہمارے لئے یقیناً لائق تقلید و عمل ہیں بالخصوص ان کے لئے جن کے ہاتھوں میں ان کا دامن ہے، جب تک ان کے نقوش حیات پہ مکمل عمل نہ ہوگا ان کی ارادت اور غلامی کا دعویٰ بے معنیٰ سمجھا جائے گا۔

آج مسلم معاشرہ جس بے راہ روی کا شکار ہے اس کے بنیادی اسباب یہی ہیں کہ ہم اسلامی تعلیمات سے کوسوں دور ہو چکے ہیں، نہ ہمیں شرم نبی ہے نہ خوف خدا، برائیوں کی کوئی ایسی شکل نہیں جو ہمارے اندر موجود نہیں، پھر بھی ہم دنیا جہان کی نعمتوں کے طلب گار ہیں، ہمیں خود فریبی کے اس حصار سے باہر نکلنا ہوگا اور حقیقت کا سامنا کرتے ہوئے مسلک اعلیٰ حضرت کو عملی طور پر اپنی زیست کا لازمی حصہ بنانا ہوگا تب تو ہم مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگانے میں حق بجانب ہیں، ورنہ ؏

دعویٰ بے اصل ہے جھوٹی ہے محبت تیری

جد کریم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کے وصال کو آج پورے ۱۰۰ر سال ہو گئے، پوری دنیائے سنیت اس وقت جشن صد سالہ امام احمد رضا منا رہی ہے، امام اہل سنت کا جشن صد سالہ منانا ہمارے زندہ دل ہونے کی علامت ہے، ہمارے اس عمل سے اس بات کی توثیق و تائید ہوتی ہے کہ ہمارے دلوں میں ان کی عقیدت و محبت کا چراغ روشن

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہے اور ہمیں ان کی تحریک عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گہری وابستگی ہے، مولائے کریم اس وابستگی کو ہمیشہ سلامت رہے، امام اہل سنت کے افکار ونظریات کو بڑے پیمانے پر اجاگر کرنا حالات کا جبری تقاضہ ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہماری یہ تحریک اس وقت مؤثر ہوگی جب ہماری زندگی ہمارے قول وعمل اور ہماری طرز حیات سے ان کے مشن کا عملی اظہار ہو۔

والد ماجد حضور تاج الشریعہ ہر جہت سے امام اہل سنت کے وارث وامین تھے، ان کی زندگی میں امام اہل سنت کی طرز حیات کا خوبصورت عکس دور سے نظر آتا ہے، جب تک ہم اصول اسلام اور احکام اسلام پر کما حقہ عامل نہیں ہوں گے ہماری زندگی غیر مکمل رہے گی، اسلامی اقدار وروایات پر عمل کرنے میں دارین کی سعادتیں ہیں، حضور اعلیٰ حضرت، حضور حجۃ الاسلام، حضور مفتی اعظم، حضور مفسر اعظم اور حضور تاج الشریعہ کا ہم سے یہی مطالبہ ہے، جب تک ہم اپنے اسلاف واکابر کی طرز حیات اور ان کے مطالبات پورا نہیں کرتے، مسلک اعلیٰ حضرت پہ عمل کا دعویٰ ناقص رہے گا۔

آیئے عرس صد سالہ کے اس مبارک ومسعود موقع پر ہم یہ عہد کریں کہ ہم اپنی پیشانی کو سجدوں کے نور سے منور ومجلّٰی کریں گے، روزے، زکاۃ، حج اور دیگر احکام شرعیہ کی پابندی کریں گے، ایک دوسرے سے بغض وحسد، جھوٹ، بدی، غیبت جیسی برائیوں سے دور ونفور رہیں گے، اپنی شادیوں کو فضول خرچی اور جہیز کی لعنت سے محفوظ رکھیں گے، سبھی سلاسل طریقت کے بزرگوں اور مشائخ کا ادب واحترام کریں گے، صلح کلیت کے زہر ہلاہل سے اپنے ایمان واسلام کو محفوظ ومامون رکھیں گے، بدمذہبوں اور مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخ فرقوں سے کسی بھی طرح کا میل جول، شادی بیاہ نہیں کریں گے، آپسی تنازعات کو باہم حل کرنے کی سعی بلیغ کریں گے اور حتی المقدور ملک وملت کی فلاح وبہبود کی کوشش کریں گے۔

ماہنامہ سنی دنیا افکار اسلامی یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کا سچا ترجمان ہے، والد ماجد حضور تاج الشریعہ نے اسی مقصد کی تکمیل کے لئے اس کا اجرا فرمایا تھا اور جب سے یہ رسالہ جاری ہے اپنے مقصد سے کبھی عدول نہیں کیا، اس رسالہ کو فروغ دینا مسلک اعلیٰ حضرت کو فروغ دینا ہے، جو لوگ اس کے فروغ میں حصہ لیں گے یقیناً ان کے قلوب حضور تاج الشریعہ کے روحانی فیضان سے منور ومجلّٰی ہوں گے۔

زیر نظر شمارہ "امام احمد رضا نمبر" کی شکل میں آپ کے پیش نگاہ ہے، جد کریم امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں یہ ہمارا حقیر سا نذرانۂ عقیدت ہے، کوئی بھی نمبر محنت، مشقت اور وقت کا تقاضہ کرتا ہے، یہ نمبر بہت ہی تھوڑے وقت میں تیار ہوا ہے، چونکہ والد ماجد کے وصال کے صدمے سے ہم ابھی تک باہر نہیں نکل سکے ہیں، اس لئے یہ نمبر جس توجہ کا طالب تھا ہم وہ توجہ اسے نہیں دے سکے، پھر بھی مدیر رسالہ مولانا عبد الرحیم نشتر فاروقی اور ان کے رفقائے کار اس کے لئے قابل مبارکباد ہیں، مولائے کریم انھیں جزائے خیر عطا فرمائے اور رسالہ کو ہر گھر کی زینت بنائے۔

امام اہل سنت کے اس جشن صد سالہ میں شرکت کی غرض سے آئے ہوئے زائرین اور دنیا کے دوسرے حصوں میں اپنے اپنے طور پر جشن منا رہے لوگوں کو ہم صمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتے ہیں، ہماری نیک خواہشات ان سب کے ساتھ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو دارین کی نعمتوں سے بہرور فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

فقیر محمد عسجد رضا قادری غفرلہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

شرف انتساب

ترتیب وتذہیب کی میں اپنی اس کاوش کو اپنے مرشد ومربی، استاذی وملاذی، افقہ الفقہا، تاج الشریعہ وبدر الطریقہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری بریلوی قدس سرہ العزیز کی نابغۂ روزگار ہستی سے منسوب کرتا ہوں

جن کی نگاہ کیمیا اثر نے مجھ جیسے بے بضاعت کو بھی قلم وقرطاس کا خادم بنا دیا

آج مجھ میں جو کچھ بھی لکھنے پڑھنے کا شعور ہے، سب مرے مرشد گرامی کا مجھ پر فیضان کرم ہے

گر قبول افتد زہے عز وشرف

محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

www.muftiakhtarrazakhan.com

باب دوم

ابتدائیات

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور ان کے اصلاحی نقوش

از: محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی

سیدنا اعلیٰ حضرت، رفیع الدرجت، عظیم المرتبت، غریق رحمت، مجدد دین وملت علی الاطلاق، امام اہل سنت فی الآفاق، شیخ الاسلام والمسلمین حجۃ اللہ علی الارضین، امام المفسرین، سید المحققین، علامہ ابن علامہ ابن علامہ، محقق بن محقق بن محقق، عارف بن عارف بن عارف، حضرت علامہ الحاج الشاہ المفتی عبد المصطفیٰ احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہمہ آیات آج دنیا میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

امام احمد رضا کی انفرادیت کے تعلق سے علامہ سید ریاست علی قادری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"امام احمد رضا کی شخصیت میں بیک وقت کئی سائنس داں گم تھے، ایک طرف ان میں ابن الہیثم جیسی فکری بصارت اور علمی روشنی تھی تو دوسری طرف جابر بن حیان جیسی صلاحیت، الخوارزمی اور یعقوب الکندی جیسی کہنہ مشقی تھی، تو دوسری طرف الطبری، رازی اور بوعلی سینا جیسی دانشمندی، فارابی، البیرونی، عمر بن خیام، امام غزالی اور ابن ارشد جیسی خداداد ذہانت تھی دوسری طرف امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے فیض سے فقیہانہ وسیع النظری اور غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ سے روحانی وابستگی اور لگاؤ کے تحت عالی ظرف امام احمد رضا کا ہر رخ ایک مستقل علم وفن کا منبع تھا ان کی ذہانت میں کتنے ہی علم وعالم، گم تھے۔"

[معارف رضا جلد ششم صفحہ ۱۲۴]

صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی رقم طراز ہیں:

"ایک آدمی اگر کوہِ ہمالیہ کی چوٹی پر کھڑا ہوا اور وہ نیچے کی طرف دیکھے تو اسے ہر چیز بہت چھوٹی نظر آئے گی، خواہ وہ چیزیں اپنے طور پر بہت بڑی ہوں۔ اس لئے کہ وہ خود بہت بلندی پر کھڑا ہوتا ہے لیکن وہی شخص اگر اپنے اوپر آسمان کی طرف دیکھے تو وہ خود کو آسمان کی وسعت کے مقابلے میں بہت سکڑا ہوا، اس کی بلندی کے سامنے اپنے آپ کو بہت پست اور اس کے حجم کے تناظر میں اپنی ذات کو رائی کے دانے برابر سمجھے گا۔ کچھ اسی طرح کی صورتِ حال کا سامنا اس شخص کو کرنا پڑتا ہے جو عالم اسلام کی عبقری شخصیت اور برصغیر کی انتہائی عظیم المرتبت ہستی اعلیٰ حضرت فاضل فریلوی علیہ الرحمہ کے بارے میں کچھ کہنا اور ان پر کچھ لکھنا چاہتا ہو۔ اس دور کا کوئی بڑے سے بڑا عالم فاضل، مفتی، محدث، مفسر، متکلم، مصنف اور شاعر علوم وفنون کے کوہِ ہمالیہ پر کیوں نہ کھڑا ہوا اور ہر ایک اس کے سامنے بونا اور ٹھگنا کیوں نہ نظر آ رہا ہو مگر جب وہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ جیسے علم وفضل اور تحقیق وتصنیف کے آسمان پر نظر ڈالتا ہے تو دوسروں کا کیا مذکور وہ خود اپنے آپ کو کوتاہ قامت اور پست شخصیت نظر آنے لگتا ہے۔ ان پر بات کرتے ہوئے بڑے سے بڑے خطیب کی زبان لڑکھڑانے لگتی اور بڑے سے

www.muftiakhtarrazakhan.com

بڑے ادیب کی نوک قلم سے الفاظ ٹوٹ کر گرنے لگتے ہیں۔ نہ زبان کی باگ ہاتھ میں رہتی ہے نہ قلم کی رکاب پاؤں میں۔ یک رخا بھلا کہاں تک ہمہ جہت شخصیت کو اپنے فکر وخیال کے دائرے میں قابو رکھ سکتا ہے۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی شخصیت ایک ہشت پہلو ہیرے جیسی ہے۔ جس طرح اسے سورج کی روشنی کے رخ پر رکھا جائے تو ہر کونے سے ایک نیا رنگ نظر پڑتا ہے اعلیٰ حضرت کو آفتاب علم کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان کی شخصیت کے کئی رنگ اپنے اندر دل ونگاہ کی جاذبیت کا سامان لیے ہوئے ہیں۔ ان کے بارے میں سن کر یا پڑھ کر زبان پر بے اختیار آجاتا ہے۔''

آپ چودھویں صدی ہجری کے یگانۂ روزگار اور علم وفضل کے وہ پیکر ہیں جس نے ملت اسلامیہ کے دور انحطاط وانتشار میں تقریباً ۵۵ رعلوم وفنون پر مشتمل ہزار سے زائد رشد وہدایت کے لعل وگوہر اور سیف وسنان کے ساتھ رزم گاہ حق وباطل میں مشرکین وکفار، مرتدین اشرار، گمراہان فجار سے برسر پیکار رہے اور اپنے جہاد بالقلم کے ذریعہ باطل قوتوں کی دھجیاں بکھیر کر ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کا فریضہ انجام دیا۔

آپ کے زرنگار قرطاس وقلم، تحقیقات نادرہ کی بوقلمونیوں اور تصنیفات وتالیفات کی مقناطسی فصاحت وبلاغت میں ارباب فکر ونظر کا ایک عالم گم نظر آتا ہے، آپ علم وقلم کے دھنی اور فکر ونظر کے شہنشاہ تھے، آپ کا قلم جس موجوع پر بھی اٹھا رشد وہدایت کا ایک دفتر وجود میں آیا۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

آپ کے تجدیدی اور اصلاحی عمل کا مرکزی نقطۂ نظر اور بنیادی نصب العین عظمت ''وحدۃ الوجود'' اور تحفظ ناموس رسالت'' تھا بلاشبہ آپ ایک جید عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحب نظر مفکر، بلند پایہ مترجم، عظیم الشان محدث، سحر البیان خطیب، ماہر فن ادیب اور روشن ضمیر طبیب تھے، ان تمام تر درجات رفیعہ سے بالاتر ایک اور آپ کی حیثیت اور ایک اور منصب عظیمہ پر فائز تھے، وہ منصب تھا ''عاشق صادق'' رسول صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا! قسام ازل نے آپ کو سرچشمہ فیوض وبرکات اور عشق رسول سے اس قدر سرشار کر دیا تھا کہ آپ کی رگ وپے سے بھی عشق ومحبت کی خوشبو آتی تھی، عشق رسول کی سرمست مئے الفت کا خمار آپ کی نعتوں کے ہر ہر شعر میں جلوہ گر اور موجزن ہے۔

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں

عقائد وافکار میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ العزیز متقدمین، صالحین اور اولیائے کاملین کے پیروکار تھے، انہوں نے مذہب وملت کے صحیح افکار ونظریات کو اپنے تجدیدی عمل سے نکھار کر مسلمانوں کے سامنے پیش فرمایا اور تجدید واحیاء کے اہم فرائض سرانجام دیئے، یہی وجہ ہے کہ علمائے عرب وعجم نے بیک زبان آپ کو ''مجدد مأۃ حاضرہ'' کہہ کر پکارا، چنانچہ حافظ کتب الحرم حضرت علامہ الشیخ سید اسمٰعیل خلیل مکی فرماتے ہیں ''لو قیل فی حقہ انہ مجدد ھذا القرن لکان حقاً وصدقاً۔ یعنی اگر اعلیٰ حضرت کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کے مجدد ہیں تو یہ بات صحیح اور سچی ہوگی۔

چودھویں صدی ہجری میں ملت اسلامیہ کی اصلاح کے لئے جن علمی گوشوں اور شعبہ ہائے حیات میں قولاً وعملاً کام کی ضرورت تھی وہ تمام تقاضے امام احمد رضا نے پورے کئے، ایک ایک علم پر اور ایک ایک فن پر لکھا، بے شمار مردہ علوم کو کئی صدیوں

www.muftiakhtarrazakhan.com

بعد زندہ کیا، بعض علوم وفنون خود ایجاد فرمائے، اسلامیان عالم نے آپ کی تحریرات کے آئینے میں اپنے تابناک ماضی کو جیتا جاگتا محسوس کیا۔

اندرونی و بیرونی فرقہ پرست تحریکوں، دور جدید کی گمراہیوں، معاشرے کو زہر آلود کرتی ہوئی برائیوں اور سماج میں جنم لینے والے غلط رسم ورواج کے خلاف آپ نے فقیہانہ مجددانہ شان سے جہاد بالقلم کیا اور ملحدانہ افکار ونظریات اور اسلام دشمن طاقتوں کی دھجیاں بکھیر دیں اور مسلمانوں کو گناہوں کے اس قعر عمیق میں گرنے سے بچالیا، آپ نے اپنی مسلسل جدوجہد سے اسلامی قوانین وضوابط اور شعائر مذہب وملّت کی پاسبانی کا گرانقدر فریضہ انجام دیا اور تجدید واصلاح کے سلسلہ میں آپ نے کسی کے منصب ومرتبہ کی قطعی پرواہ کئے بغیر حکم شرع نافذ کیا، یہی وجہ ہے کہ آپ کے فتوؤں کی زد میں بڑے بڑے پیرمغاں بھی آئے لیکن نہ آپ نے ان کی جاہ حشمت کی پرواہ کی نہ ہی ان کے زہد وتقویٰ اور علم وفضل کے خول کی فکر کی بلکہ ایک مرد حق شناس کی طرح ان کا گریبان پکڑا اور حق سے متعارف کرایا جس کی وجہ سے آپ کو متشدد اور بے جاسخت گیر جیسے الزامات بھی سننا پڑے مگر آپ ایک صف شکن مرد مجاہد کی طرح آگے بڑھ کر دشمنان اسلام اور گستاخ ومعاند کو کیفر کردار تک پہنچاتے رہے۔

ملت اسلامیہ کے لئے انیسویں صدی اور بیسویں صدی عیسوی کا نصف اوّل جس قدر پرآشوب گزرا ہے، شاید ہی کوئی دور گزرا ہو، ایک سے بڑھ کر ایک فتنوں نے اس دور میں جنم لیا، ایسے پرفتن ماحول میں امام احمد رضا نے فتنوں کی بیخ کنی اور فساد امت کے ذمہ دار مفسدین کو بے نقاب کیا اور جس فقیہانہ بصیرت اور مدبرانہ فراست سے مذہب وملت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا، وہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے، امام احمد رضا نے معاشرے میں پھیلی ہر برائی کے خلاف آواز بلند کی۔

امام احمد رضا خانقاہوں اور اعراس کو سلف صالحین کی اسی روش پر گامزن دیکھنا چاہتے تھے، سجادگان کو مشائخ کے اسی طریقہ پر عامل دیکھنا چاہتے تھے، وہ ان خرافاتوں کو جماعت صوفیا اور خانقاہوں کی مسحور کن روایت سے یکسر خارج کردینا چاہتے تھے، اس کے لئے انھوں نے جملہ سلاسل طریقت سے صوفی کے لبادے میں چھپے بھیانک اور خونخوار بھیڑیوں کو نکال کر سرعام کھڑا کردیا تاکہ ان کے حقیقی چہرے سے عوام الناس باخبر ہوسکیں اور ان گندم نما جوفروشوں سے اپنے دین وایمان اور شریعت وطریقت کو بچاسکیں۔

تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے نفس کے تزکیہ، اخلاق کی صفائی اور ظاہر دباطن کی معرفت حاصل ہوتی ہے تاکہ ہمیشہ کی سعادت حاصل ہو، نیز اس سے نفس کی اصلاح، معرفت ورضائے خداوندی کا حصول ہوتا ہے، تصوف ایک مقدس علم ہے جو سالک کو وصول الی اللہ جیسی عظیم نعمت سے نوازتا ہے، اس علم کے بنیادی اصول قرآن وحدیث سے مستنبط ہیں مگر چند مفاد پرستوں نے اس میں غیر اسلامی اور غیر شرعی نظریات کی آمیزش کردی، بعض علم وعمل سے نابلد اور شریعت سے ناواقف جاہل ومکار لوگوں نے عوام کو اپنے دام تزویر میں گرفتار کرنے کے لئے یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہم طریقت والے ہیں ہمیں شریعت کی کیا ضرورت؟

ایسے گمراہ اور گمراہ گر صوفیوں کو آئینہ دکھاتے ہوئے امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ فرماتے ہیں:

”صوفی وہ ہے کہ اپنی خواہشوں، اپنی مرادوں کو شریعت کے تابع کرے، بے اتباع شرع کسی خواہش پر نہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

لگے نہ کہ وہ ہوس اور نفسانی خواہشوں کی خاطر شرع سے دست بردار ہو اور اتباع شریعت سے آزاد، شریعت غذا ہے اور طریقت قوت، جب غذا ترک کی جائے گی قوت آپ زوال پائے گی، شریعت آنکھ ہے اور طریقت نظر، اور آنکھ پھوٹ کر نظر کا باقی رہنا غیر متصور، عقل سلیم قبول نہیں کرتی تو شریعت مطہرہ میں کب مقبول ومعتبر، منزل تک پہنچنے کے بعد اگر اتباع شریعت سے بے پراوئی ہوتی اور احکام شرع کا اتباع لازم وضرور نہ رہتا یا بندہ اس میں مختار ہوتا تو سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امام الواصلین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اس کے ساتھ احق ہوتے اور ترک بندگی اور اتباع شرع کے باب میں سب سے مقدم، نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ جس قدر قرب حق زیادہ ہوتا ہے شرع کی باگیں اور زیادہ سخت ہوتی ہیں۔" [اعتقاد الاحباب، ص ۲۷]

مکار صوفیوں کی حقیقت آشکار کرتے ہوئے ایک مقام پر حضرت شیخ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

قول ۱۰: حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی: کچھ لوگ زعم کرتے ہیں کہ: إن التكاليف كانت وسيلة إلى الوصول وقد وصلنا۔ یعنی احکام شریعت کی تکلیفیں تو وصول کا وسیلہ ہیں اور ہم واصل ہو چکے، اب ہمیں شریعت کی کیا حاجت؟ فرمایا: صدقوا في الوصول ولكن إلى سقر والذي يسرق ويزني خير ممن يعتقد ذلك ولو أني بقيت ألف عام ما نقصت من أورادي شيئا إلا بعذر شرعي۔ سچ کہتے ہیں، واصل ضرور ہوئے لیکن کہاں؟ جہنم تک، چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہیں، میں اگر ہزار برس جیوں تو فرائض وواجبات تو بڑی چیزیں ہیں جو نوافل ومستحبات مقرر کر لئے ہیں بے عذر شرعی ان میں سے بھی کچھ کم نہ کروں۔" [مقال عرفا، مشمولہ فتاوی رضویہ جدید، ج ۱۷ ص ۳۴ ۱]

بغیر علم تصوف کی راہ میں جادہ پیمائی کرنا اپنے آپ کو شدید ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں امام احمد رضا حضرت شیخ سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں جو انھوں نے حضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بطور دعا ارشاد فرمایا:

"قول ۸: ضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پیر حضرت شیخ سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے دعا دی: جعلك الله صاحب حديث صوفيا ولا جعلك صوفيا صاحب حديث۔ اللہ تمہیں حدیث داں کر کے صوفی بنائے اور حدیث داں ہونے سے پہلے تمہیں صوفی نہ کرے۔

قول ۹: امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی اس دعائے حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرح فرماتے ہیں: أشار إلى أن من حصل الحديث والعلم ثم تصوف أفلح ومن تصوف قبل العلم خاطر بنفسه۔ حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جس نے پہلے حدیث وعلم حاصل کر کے تصوف میں قدم رکھا وہ فلاح کو پہنچا اور جس نے علم حاصل کرنے سے پہلے

www.muftiakhtarrazakhan.com

صوفی بننا چاہا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا۔" [مقال عرفا، مشمولہ فتاویٰ رضویہ جدید، ج ۱۷ اص ۱۳۴]

خیر القرون کے بعد لوگوں کے اعتقاد و عمل میں بگاڑ اور بے اعتدالیاں پیدا ہوئیں، علم و عمل، تقویٰ و طہارت، خوف و خشیت الٰہی سے خالی افراد نے از راہ فریب صوفیہ اور مشائخ کا لبادہ اوڑھ لیا اور سادہ لوح عوام کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے طرح طرح کے حربے استعمال کرنے لگے، کچھ نام نہاد صوفیوں نے عورتوں کی طرح بال بڑھائے اور نصف درجن انگوٹھیاں پہن لیں، چنانچہ امام احمد رضا سے سوال ہوا کہ بال بڑھانے والے مکار صوفیا حضرت شیخ گیسودراز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زلف دراز کو اپنے لئے دلیل بناتے ہیں، آپ نے ایسے بدعات وخرافات کے دلدادہ صوفیوں کا رد بلیغ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"جہالت ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بکثرت احادیث صحیحہ میں ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں سے مشابہت پیدا کریں اور ان مردوں پر جو عورتوں سے، اور تشبہ کے لئے ہر بات میں پوری وضع بنانا ضروری نہیں، ایک ہی بات میں مشابہت کافی ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک عورت کو ملاحظہ فرمایا کہ مردوں کی طرح کندھے پر کمان لٹکائے جارہی تھی، اس پر بھی یہی فرمایا کہ ان عورتوں پر لعنت جو مردوں سے تشبہ کریں، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک عورت کو مردانہ جوتا پہنے دیکھا، اس پر بھی یہی حدیث روایت فرمائی کہ مردوں سے تشبہ کرنے والیاں ملعون ہیں، جب صرف جوتے یا کمان لٹکانے میں مشابہت موجب لعنت ہے تو عورتوں کے سے بال بڑھانا اس سے سخت تر موجب لعنت ہوگا کہ وہ ایک خارجی چیز یں ہے اور یہ خاص جز و بدن، تو شانوں سے نیچے گیسو رکھنا بحکم احادیث صحیحہ ضرور موجب لعنت ہے اور چوٹی گندھوانا اور زیادہ اور اس میں مباف ڈالنا اور اس سے سخت تر۔

حضرت سیدی محمد گیسودراز قدس سرہ نے تشبہ نہ کیا تھا، ایک گیسو محفوظ رکھا تھا اور اس کے لئے ایک وجہ خاص تھی کہ اکابر علما و اجلہ سادات سے تھے، جوانی کی عمر تھی، سادات کی طرح شانوں پر دو گیسو رکھتے تھے کہ اس قدر شرعاً جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے، ایک بار سر راہ بیٹھے حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سواری نکلی، انھوں نے اٹھ کر زانوے مبارک پر بوسہ دیا، حضرت خواجہ نے فرمایا: سید فروتر، سید اور نیچے بوسہ دو، انھوں نے پائے مبارک پر بوسہ لیا، فرمایا: سید فروتر، انھوں نے گھوڑے کے سُم پر بوسہ دیا، ایک گیسو کہ رکاب مبارک میں الجھ گیا تھا وہیں الجھا رہا اور رکاب سے سُم تک بڑھ گیا، حضرت نے فرمایا: سید فروتر، انھوں نے ہٹ کر زمین پر بوسہ دیا، گیسو رکاب مبارک سے جدا کر کے حضرت تشریف لے گئے، لوگوں کو تعجب ہوا کہ ایسے جلیل سید، اتنے بڑے عالم نے زانو پر بوسہ دیا اور حضرت راضی نہ ہوئے اور نیچے بوسہ دینے کو حکم فرمایا، انھوں نے پائے مبارک ہو بوسہ دیا اور نیچے کو حکم فرمایا، گھوڑے کے سُم پر بوسہ دیا اور نیچے کو حکم فرمایا، یہاں تک کہ زمین پر بوسہ دیا۔

یہ اعتراض حضرت سید گیسودراز نے سنا، فرمایا: لوگوں نہیں جانتے کہ میرے شیخ نے ان چار بوسوں میں کیا عطا فرمادیا، جب میں نے زانوئے مبارک پر بوسہ دیا، عالم ناسوت منکشف ہوگیا، جب

www.muftiakhtarrazakhan.com

پائے اقدس پر بوسہ دیا عالم ملکوت منکشف ہوا، جب گھوڑے کے سم پر بوسہ دیا عالم جبروت منکشف تھا، جب زمین پر بوسہ دیا لاہوت کا انکشاف ہوگیا، اس ایک گیسو کو کہ جلیل نعمت کا یادگار تھا اور اسے ایسی تجلی رحمت نے بڑھایا تھا نہ ترشوایا، اسے تشبہ سے کیا علاقہ؟ عورتوں کا ایک گیسو بڑا نہیں ہوتا، نہ اتنا دراز اور اس کے محفوظ رکھنے میں یہ راز، اس کی سند ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل ہے، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طائف شریف فتح فرمایا، اذان ہوئی، بچوں نے اس کی نقل کی، ان میں ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، ان کی آواز بہت بلند تھی، حضور نے آپ کو بلایا اور سر پر دست مبارک رکھا اور ان کو مؤذن مقرر فرمایا، ماں نے برکت کے لئے پیشانی کے ان بالوں کو جن پر دست اقدس رکھا گیا تھا، محفوظ رکھا، جس وقت بال کھولے جاتے تو زمین پر آجاتے تھے، اسے تشبہ سے کچھ علاقہ نہیں، عورتیں فقط پیشانی کے بال نہیں بڑھاتیں اور ان کا محفوظ رکھنا اس کی برکت کے لئے تھا۔ [الملفوظ، حصہ دوم، ص ۱۰۴۔۱۰۵]

کچھ ڈھونگی صوفی عورتوں کے وضع قطع میں رہتے ہیں، طرح طرح کی گندی گالیوں، خلاف شرع افعال واقوال کا ارتکاب اور کہتے ہیں کہ ہم مجذوب ہیں جیسے حضرت موسیٰ سہاگ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جب ان کے لئے جائز ہے تو ہمارے لئے کیوں نہیں؟ امام احمد رضا حضرت موسیٰ سہاگ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ایسے گمراہ گر صوفیوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’سچے مجذوب کی یہ پہچان ہے کہ شریعت مطہرہ کا کبھی مقابلہ نہ کرے گا، حضرت سیدی موسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مشہور مجاذیب سے تھے، احمد آباد میں مزار شریف ہے، میں زیارت سے مشرف ہوا ہوں، زنانہ وضع رکھتے تھے، ایک بار قحط شدید پڑا، بادشاہ، قاضی واکابر جمع ہوکر حضرت کے پاس دعا کے لئے گئے، انکار فرماتے رہے کہ میں کیا دعا کے قابل ہوں، جب لوگوں کی التجاوزاری حد سے گزری، ایک پتھر اٹھایا اور دوسرے ہاتھ کی چوڑیوں کی طرف لائے اور آسمان کی جانب منہ اٹھا کر فرمایا: مینہ بھیجئے یا اپنا سہاگ لیجئے، یہ کہنا تھا کہ گھٹائیں پہاڑ کی طرح امڈیں اور جل تھل بھر دیئے۔

ایک دن جمعہ کے وقت بازار میں جارہے تھے، ادھر سے قاضی شہر کہ جامع مسجد کو جاتے تھے، آئے، انھیں دیکھ کر امر بالمعروف کیا کہ یہ وضع مردوں کو حرام ہے، مردانہ لباس پہنئے اور نماز کو چلئے، اس پر انکار ومقابلہ نہ کیا، چوڑیاں اور زیور اور زنانہ لباس اتارا اور مسجد کو ساتھ ہولئے، خطبہ سنا جب جماعت قائم ہوئی اور امام نے تکبیر تحریمہ کہی، اللہ اکبر سنتے ہی ان کی حالت بدلی، فرمایا: اللہ اکبر میرا خاوند حی لا یموت ہے کہ کبھی نہ مرے گا اور یہ مجھے بیوہ کئے دیتے ہیں، اتنا کہنا تھا کہ سر سے پاؤں تک وہی سرخ لباس تھا اور وہی چوڑیاں۔

اندھی تقلید کے طور پر ان کے مزار کے بعض مجاوروں کو دیکھا کہ اب تک بالیاں، کڑے، جوشن پہنتے ہیں، یہ گمراہی ہے، صوفی صاحب تحقیق اور ان کا مقلد زندیق۔‘‘ [الملفوظ، حصہ دوم، ص ۸۹]

امام احمد رضا کئی کئی انگوٹھیاں پہننے والے ڈھونگیوں کی قلعی کھولتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’چاندی کی ایک انگوٹھی ایک نگ کی ساڑھے چار ماشہ سے کم وزن کی مرد کو پہننا جائز ہے اور دو انگوٹھیاں یا

www.muftiakhtarrazakhan.com

کئی نگ کی انگوٹھی یا ساڑھے چار ماشہ خواہ زائد چاندی کی اور سونے ،کانسے ،پیتل ،لوہے ،تانبے کی مطلقاً ناجائز ہے ،گھڑی کی زنجیر سونے ،چاندی کی مرد کو حرام اور دھاتوں کی ممنوع ہے اور جو چیزیں منع کی گئی ہیں ان کو پہن کر نماز اور امامت مکروہ تحریمی ہے۔[احکام شریعت، حصہ دوم، ص۳۰]

بعض جہلا اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لئے پیر اور صوفی بن گئے اور اپنے اردگرد بے پردہ عورتوں کا ہجوم اکٹھا کرلیا، ان سے ہاتھ پاؤں دبوانا، خلوت میں ان سے راز و نیاز کی باتیں کرنا، ان کے سر اور جسم پر ہاتھ پھیرنا ان کا معمول بن گیا، ان کا یہ کہنا کہ پیر سے کیسا پردہ؟ اور سادہ لوح عوام کو یہ باور کرانا کہ پیر صاحب جب یہاں نہیں دیکھیں گے تو وہاں کیسے پہچانیں گے؟

ایسے ہی بدخصال پیروں اور صوفیوں سے متعلق امام احمد رضا سے سوال ہوا کہ ایک بزرگ عورتوں سے بغیر حجاب کے حلقہ کراتے ہیں اور حلقہ کے بیچ میں بزرگ صاحب خود بیٹھتے ہیں، توجہ ایسی دیتے ہیں کہ عورتیں بے ہوش ہو جاتی ہیں، اچھلتی کودتی ہیں اور ان کی آواز مکان سے دور سنائی دیتی ہے، ایسی بیعت ہونا کیسا ہے؟

امام احمد رضا ارشاد فرماتے ہیں:

''پیر سے پردہ واجب ہے جبکہ محرم نہ ہو، یہ صورت محض خلاف شرع و خلاف حیا ہے، ایسے پیر سے بیعت نہ چاہئے۔''[احکام شریعت، حصہ دوم، ص۱۸۱]

کچھ جاہل و مکار صوفیوں کی پھیلائی گمراہیوں کے سبب لوگ مزارات اولیا کا طواف اور سجدۂ تعظیمی کرتے ہیں، اس کے تعلق سے امام احمد رضا ارشاد فرماتے ہیں:

''بلاشبہ غیر کعبہ معظمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے اور بوسۂ قبر میں علما کو اختلاف ہے اور احوط منع ہے خصوصاً مزارات طیبہ اولیائے کرام کہ ہمارے علما نے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے سے کھڑا ہو، یہی ادب ہے پھر تقبیل (چومنا) کیوں کر متصور ہے؟''[فتاویٰ رضویہ قدیم، ج۱۰رص۷۷]

ایک دوسرے مقام پر مزامیر اور سجدۂ تحیت کے تعلق سے یوں ارشاد فرتے ہیں:

''مزامیر ناجائز ہیں اور سجدہ غیر خدا کو حرام قطعی ہے اور قرآن عظیم کی طرف اس کے جواز کی نسبت کرنا افترا ہے، قرآن عظیم نے اگلی شریعت والوں کا واقعہ ذکر فرمایا ہے اور ان کی شریعت میں سجدۂ تحیت حلال تھا، ہماری شریعت نے حرام فرما دیا تو اب اس سے سند لانا ایسا ہے جیسے کوئی شراب کو حلال بتائے کہ اگلی شریعتوں میں جہاں تک نشہ نہ دے حلال تھی بلکہ شریعت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سگی بہن سے نکاح جائز تھا، اب اس کی سند لاکر جو حلال بتائے کافر ہو جائے گا، ایسے پیر اور ایسے مریدوں کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔''[فتاویٰ رضویہ قدیم، ج۱۰رص۸۹]

امام احمد رضا نے سجدۂ تحیت کی حرمت پر باقاعدہ ''الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ'' کے نام سے ایک تفصیلی رسالہ بھی تحریر فرمایا۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

بعض مفاد پرست طمع دنیا میں فرضی قبر یا مزار بنا کر فرضی صاحب مزار کی کرامتیں بیان کرتے ہیں، لوگوں سے ہار، پھول، چادر چڑھواتے ہیں اور عرس و فاتحہ کر کے عوام الناس کو ٹھگنے کا کام کرتے ہیں، ایسے عاقبت نا اندیش لوگوں کے لئے امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''قبر بلا مقبور کی زیارت کی طرف بلانا اور اس کے لئے وہ افعال کرانا گناہ ہے اور جب کہ وہ اس پر مصر ہے اور باعلان اسے کر رہا ہے تو فاسق معلن ہے۔۔۔۔۔ اس جلسۂ زیارت قبر بے مقبور میں شرکت جائز نہیں، زید کے اس معاملہ سے جو لوگ خوش ہیں خصوصاً وہ جو ممد و معاون ہیں سب گنہگار و فاسق ہیں۔'' [عرفان شریعت، حصہ دوم، ص ۲]

کچھ جعلی پیر اور صوفی اپنے مریدوں کو اپنی تصویر گھروں میں رکھنے اور اسے سامنے رکھ کر تصور شیخ کرنے کا حکم دیتے ہیں جبکہ شریعت مطہرہ میں جعلی پیروں کی تصویریں تو دور اصلی اور سچے پیروں کی تصویریں بلکہ عام مسلمین کی بھی تصویریں کھینچا، کھنچوانا اور انھیں گھروں میں رکھنا رکھوانا سب حرام ہے، رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں کسی بھی جاندار کی تصویر یا کتا موجود ہو، اس سلسلے میں امام احمد رضا یوں رقم طراز ہیں:

''اللہ عزوجل ابلیس کے مکر سے پناہ دے، دنیا میں بت پرستی کی ابتدا یونہی ہوئی کہ صالحین کی محبت میں ان کی تصویریں بنا کر گھروں اور مسجدوں میں تبرکا رکھیں اور ان سے لذت عبادت کی تائید سمجھی، شدہ شدہ وہی معبود ہو گئیں۔''

اس کے بعد کئی طرق سے بخاری و مسلم کی کئی احادیث پیش کر کے فرماتے ہیں:

''اور اس میں کسی معظم دینی کی تصویر ہونا نہ عذر ہو سکتا ہے نہ اس وبال عظیم سے بچایا جا سکتا ہے بلکہ معظم دینی کی تصویر زیادہ موجب وبال و نکال ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے گی اور تصویر خاص بت پرستی کی صورت اور گویا ملت اسلامی سے صریح مخالفت ہے، ابھی حدیث سن چکے کہ وہ اولیا ہی کی تصویریں رکھتے تھے، جس پر ان کو بدترین خلق اللہ فرمایا، انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر کون معظم دینی ہوگا اور نبی بھی کون حضرت شیخ الانبیاء خلیل کبریا سیدنا ابراہیم علی ابنہ الکریم وعلیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کہ ہمارے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد تمام جہان سے افضل و اعلیٰ ہیں، ان کی اور حضرت سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ و حضرت بتول مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصویریں دیوار کعبہ پر کفار نے نقش کی تھیں جب مکہ معظمہ فتح ہوا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امیر المومنین فاروق اعظم کو پہلے بھیج کر وہ سب محو کرا دیں، جب مکہ معظمہ میں تشریف فرما ہوئے، بعض کے نشان کچھ باقی پائے، پانی منگا کر بنفس نفیس انھیں دھویا اور بنانے والوں کو ''قتل اللہ'' فرمایا، اللہ انھیں قتل کرے۔'' [فتاویٰ رضویہ قدیم، ج ۱۰ ص ۴۷۔۴۸]

آج کل بعض خانقاہوں میں اور مزارات پر آلات موسیقی کے ساتھ قوالیوں کا بھی عام رواج ہے حتی کے جاہل لوگ اس عمل کو بزرگوں کا پسندیدہ عمل تصور کرتے ہیں، امام احمد رضا نے ایسی قوالیوں کو ناجائز و حرام قرار دیا ہے یہاں تک کہ ایسے اعراس

www.muftiakhtarrazakhan.com

میں شرکت تک کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے جہاں مزامیر کے ساتھ قوالی کا بھی اہتمام ہو، اس مقام پر بھی مجددانہ شان سے مسلمانوں کی رہنمائی فرماتے ہوئے ''مسائل سماع'' تصنیف فرمائی۔

بعض جاہل پیر اور صوفی قوالی اور مزامیر کو جائز کہتے ہیں اور اعراس میں جاہل وفاسق قوالوں کو بلاکر وجد کے نام پر خوب ناچتے گاتے ہیں، ایسے پیروں کی بھی آپ نے خوب خبر لی ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''ایسی قوالی حرام ہے، حاضرین سب گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والوں پر، بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے، یا اس کے اور قوالوں کے ذمہ حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو،نہیں! بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ اور سب حاضرین کے برابر جدا، اور ایسا عرس کرنے والے پر اپنا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جدا، اور سب حاضرین کے برابر علاحدہ، وجہ یہ کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بلایا، ان کے لئے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انہیں سنایا، اگر وہ سامان نہ کرتا، یہ ڈھول سارنگی نہ سناتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے، اس لئے ان سب کا گناہ ان کے دونوں پر ہوا، پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہوا، وہ نہ کرتا نہ بلاتا تو یہ کیوں کر آتے بجاتے، لہٰذا قوالوں کا بھی گناہ اس بلانے والے پر ہوا۔''

اس کے بعد اس کی حرمت پر احادیث کریمہ، آثار ائمہ اور اقوال اولیائے امہ نقل کر کے یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے، کاش گناہ کرتے اور گناہ جانتے اقرار کرتے، یہ ڈھٹائی اور بھی سخت کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں، اپنے لئے حرام کو حلال بنالیں، پھر اسی پر بس نہیں بلکہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبان خدا اکابر سلسلۂ چشت قدست اسرارہم کے سر دھرتے ہیں، نہ خدا سے خوف نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں، حالانکہ خود حضور محبوب الٰہی سیدی ومولائی نظام الحق والدین سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم وعنا بہم فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں: مزامیر حرام است۔''

پھر اکابرین سلسلۂ چشتیہ کے اقوال نقل کر کے اخیر میں فرماتے ہیں:

''مسلمانو! جو ائمہ طریقت اس درجہ احتیاط فرمائیں کہ تالی کی صورت کو ممنوع بتائیں وہ اور معاذ اللہ مزامیر کی تہمت، للہ انصاف، کیسا خبط بے ربط ہے، اللہ اتباع شیطان سے بچائے اور ان سچے محبوبان خدا کا سچا اتباع عطا فرمائے، آمین الٰہ الحق آمین بجاہہم عندک آمین۔'' [احکام شریعت، حصہ اول، ص ۶۱ / تا ۶۵]

امام احمد رضا نے مکار اور جاہل پیروں، صوفیوں کے دجل وفریب سے مسلمانوں کو باخبر کیا اور یہ حقیقت واضح کی کہ شریعت کا دامن مضبوطی سے تھامے بغیر کوئی صوفی تو دور ایک سچا مسلمان بھی نہیں ہوسکتا، ایسا دعویٰ کرنے والا جھوٹا، فریبی اور ملحد و زندیق ہے جبکہ وہ اس خود فریبی میں مبتلا ہے کہ وہ اس منزل پر فائز ہو چکا ہے جہاں اس کے لئے تمام شرعی احکام ساقط ہو گئے ہیں، اب وہ جو چاہے کرے، تصوف ہی ہوگا اور اسی میں شمار ہوگا، وہ ناچے تو تصوف، گائے تو تصوف، سر عام شریعت کی دھجیاں

www.muftiakhtarrazakhan.com

اڑائے تو تصوف، گویا کہ تصوف وہ نہیں جو صوفیائے صادقین کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے بلکہ تصوف وہ ہے جس کا صدور اس مکار نابکار کے اقوال وافعال سے ہو۔

آج کل مغربی تہذیب وتمدن کے زہری چمک دمک کے طوفان میں مسلمان عورتیں بھی بہہ نکلی ہیں، بے پردہ و بے حجابانہ شارع عام پر گھومنا، نامحرموں کے ساتھ اخلاط وتخلیط میں رہنا، نامحرم پیروں کے سامنے محرموں کی طرح سامنے آنا جانا خدمت کرنا ان تمام تر بدعات کی، امام احمد رضا نے سختی سے مخالفت کی ہے اور عورتوں کے گھر سے نکلنے کے متعلق یہ رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام "مروج النجا لخروج النساء" ۱۳۱۶/ ۱۸۹۸ء میت کے گھر مردوں، عورتوں کا جمع ہو کر کھانا پینا اور میت کے گھر والوں کو زیر بار کرنے کے عدم جواز پر فتوی دیتے ہوئے "جلی الصوت لنهی الدعوۃ امام الموت" ۱۳۱۰ھ ۱۸۹۲ء" کے نام سے ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا۔

دور جدید میں تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ کہلانے والے مسلم گھرانوں میں جاندار کی تصویریں اور مجسمے لگانا تقریباً ضروریات سے تصور کیا جاتا ہے، امام احمد رضا نے اس کی شرعی گرفت فرمائی کہ جاندار کی تصویر حرام ہے، چنانچہ تصویر کے عدم جواز پر آپ نے "عطایا القدیر فی حکم التصویر" نامی رسالہ تحریر فرمایا۔

زیارت قبور کے لئے عورتوں کی حاضری قبرستان کی سخت ممانعت فرمائی اور یہ رسالہ "جمل النور فی نهی النساء عن زیارت القبور" ۱۳۳۹/ ۱۹۲۰ء تصنیف فرمائی۔

امام احمد رضا نے معاشرہ کی خلاف شرع عادات واطوار اور رسم ورواج پر گہری تنقید کی، آپ نے مزارات اولیا پر حصول خیر وبرکت کے لئے جانا جائز قرار دیتے ہیں جبکہ عورتوں کے مزارات پر جانے کے تعلق سے فرماتے ہیں کہ یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزارات پر جانا کیسا ہے؟ بلکہ یہ پوچھو کہ جب وہ گھر سے نکلتی ہے اور جب تک واپس نہیں آتی اس وقت تک فرشتے اس پر کتنی لعنتیں کرتے ہیں۔

مسلمانوں میں فاتحہ، سوم، چہلم، برسی وغیرہ کا عام رواج ہے حضور پرنور اعلیٰ حضرت نے اس کو جائز و مستحسن قرار دیا ساتھ ہی تعین یوم کو بھی سہولت وآسانی کے غرض سے جائز فرمایا ہے لیکن غیر ضروری نوازمات اور متعین دنوں میں ہی زیادہ ثواب ملنے کے عقیدے کو ناجائز فرمایا اور "الحجة الفائحة لطيب التعين والفاتحة" ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء کے نام سے ایک جامع رسالہ تصنیف فرمایا۔

امام احمد رضا عام مسلمانوں کے فاتحہ، سوئم، چہلم، برسی کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن اس میں غیر ضروری لوازمات کو بے اصل قرار دیتے ہیں، وہ میت کے ایصال ثواب کے لئے غربا کو فوقیت دیتے ہیں اور اس کے سخت خلاف ہیں کہ برادری کے لوگوں کو بلا کر انہیں کھانا کھلانے کا اہتمام کیا جائے، وہ قبروں پر لوبان، اگربتی وغیرہ جلانے کو مال کا اسراف قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک قبروں پر پھول ڈالنا اور ایصال ثواب کرنا جائز ہے مگر ایک سے زائد کپڑے کی چادریں قبر پر ڈالنے سے منع کرتے ہیں اور چادر کے بدلے صاحب مزار کے نام کی خیرات کرنا اور فقرا کو کھانا کھلانا افضل قرار دیتے ہیں۔

شادیوں، شب برأت اور دوسری خوشی کے مواقع پر آتش بازی کا رواج کچھ مسلمانوں میں بھی عام ہو گیا ہے لیکن امام

www.muftiakhtarrazakhan.com

احمد رضا نے اس کو قطعاً حرام قرار دیا اور ایسی شادیوں میں شرکت کی ممانعت فرمائی ہے جہاں محرمات شرعیہ کا خطرہ ہو، اعلیٰ حضرت نے ایسے مواقع پر لوگوں کی ہدایت کے لئے ایک خاص رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا تاریخی نام "ھادی الناس فی رسوم العراس" ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء۔

امام احمد رضا نے تبرکات مقدسہ، نعلین پاک، قبہ شریف، عصا مبارک، عمامہ شریف کے عکوس، ان کو گھروں میں رکھنا، ان کی زیارت کرنا باعث اجر وثوب قرار دیا ہے اور اس کے متعلق ایک رسالہ "شفاء الواله فی صور الحبیب ومزاره و نعاله" ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء تصنیف فرمایا ہے، جس میں تبرکات کے تفصیلی مسائل وفضائل مرقوم ہیں۔

امام احمد رضا نے اپنے تجدیدی اور اصلاحی کارناموں کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بشری وانسانی اوصاف وکمالات کے ساتھ ساتھ معجزاتی ونورانی پہلوؤں کے بلند وبالا کمالات نبوت اور فضائل وشمائل کو احاطہ تحریر میں لاکر ملت اسلامیہ کی روحانی اقدار کو تنزلی کا شکار ہونے سے بچالیا، آپ نے اس پرفتن دور میں ملتِ اسلامیہ کے سفینے کو ساحل مراد تک پہنچانے کے لئے جو کچھ ضروری تھا وہ سارے اقدامات کیے، چنانچہ مشہور وممتاز ادیب مولانا عبدالجبار رہبر اعظمی امام احمد رضا کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

> "جب شاطرانِ مذہب نے قرآن کے تراجم میں کتر بیونت کر کے مسلمانوں کے عقائد پر حملہ کرنا چاہا تو اس قوم کو قرآن عظیم کا صحیح ترجمہ دیا، جب فریب کاروں نے اس کی تفسیر میں اپنی رائے شامل کر کے قوم کو گمراہ کرنا چاہا تو مسلمانوں کو ہوشیار رکھنے کے لئے "تمہید ایمان بآیات القرآن" دیا، جب اہل ضلالت نے ملت کو سنت کا نام لے کر احادیث کے غلط معانی ومطالب بتانے شروع کیے تو اس نے اہلِ ایمان کو سینکڑوں کتابیں دیں، جب اہل بدعت نے تقلید کے لباس میں غیر مقلدیت اور فقہ کے روپ میں حیلہ سازیوں اور گمراہیوں سے امت کے اعتقادات واعمال کو زخمی کرنا چاہا تو اس نے قوم کو وہ لازوال فتاویٰ دیئے جو اپنے دلائل وبراہین سے ہمیشہ تابندہ رہیں گے، دشمنانِ اسلام نے جب اس ذات قدوس اور بے عیب خدا پر کذب کے معنی درست کر کے اسلامی عقیدۂ توحید پر ضرب لگانے کی کوشش کی تو اس کا قلم ان کے لئے شمشیر خاراشگاف بنا، جب شاتمانِ نبوت نے مسلمانوں کے عقائد نبوت کو مجروح کرنا چاہا تو اس کا قلم ان پر ذوالفقارِ حیدری بن کر ٹوٹا، جب دین ومذہب کے ڈاکوؤں نے مومنوں کے سینوں سے عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھین لینے کا خواب دیکھا تو ان کے خوابوں کے قلعے کو تعبیر سے پہلے اس کی زبان، قلم اور عمل نے مسمار کر کے رکھ دیا، جب مکاروں نے پیری اور شیخی کے لبادے اوڑھ کر ملت کے دل کے فانوس میں بزرگانِ دین وعمائدین اسلام کی عقیدت کے جلتے چراغ کو بجھانے کے لئے ناپاک تمناؤں کے محلات تعمیر کئے تو اس نے سعی پیہم سے ان کو زمین بوس کر کے تہس نہس کر دیا، جب مولویت نما عیاروں نے آثار اسلام اور مقامات مقدسہ کی عزیمت وحرمت کو غلامان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دماغ سے نکال پھینکنے کی جرأت کی تو اس کی زبان پاک اور قلم بیباک نے ان کی چالاکیوں کے پردوں کو چاک کیا سنئے کہ یہ ایک

www.muftiakhtarrazakhan.com

تاریخی حقیقت ہے، مسیح موعود کے نام کا فتنہ ہو یا مہدی معہود کے نام کا، شانِ نبوت کی توہین کا ہو یا فضائل رسالت کی تنقیص کا، نیچریت کا ہو یا دہریت کا، تقلیدی ہو یا غیر مقلدیت کا، تفضیلیت کا ہو یا رافضیت کا، خارجیت کا ہو یا بدعیت کا ان تمام فتنوں کے سینوں میں اس کا قلم اسلام وسنیت کی شمشیر وسناں بن کر اُتر گیا اور اس کی زبانِ حق ترجمان مسلمانوں کے لئے سپر بن گئی۔“ ؎

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے؟ کہ یہ وار وار سے پار ہے

[ماہنامہ قاری دہلی امام احمد رضا صفحہ ۲۷۰]

مسلمانوں کو احکام شرع کی بجا آوری کی تلقین وترغیب اور بے خوف وخطر احکام شرع بیان کرنے کے سبب مخالفین امام احمد رضا پر ایک عجیب وغریب الزام یہ لگاتے ہیں کہ انھوں نے ہر ایک کو فوراً کافر کہہ دیا، یہ الزام سراسر انصاف کو خون کرنے کے مترادف ہے، دنیا جانتی ہے کہ اشرفعلی تھانوی جیسے گستاخ پر بھی حکم کفر صادر کرنے سے پہلے تقریباً ۱۲ رسالوں سے تک اس سے خط وکتابت فرماتے رہے، اگر وہ ہر ایک کو فوراً کافر کہنے کے عادی ہوتے تو مسلسل ۱۲ رسالوں تک اشرفعلی تھانوی کی محررہ عبارتوں کے تعلق سے خط وکتابت کا سلسلہ کیوں جاری رکھتے؟ ان کی یہ محتاط روش خود اعلان کرتی ہے کہ امام احمد رضا کسی پر حکم کفر لگانے میں قطعی جلد باز نہ تھے، ان پر یہ الزام مخالفین کا اختراع محض ہے۔

امام احمد رضا نے ہر مرحلہ میں ملت اسلامیہ کی کامل رہنمائی فرمائی اور جہاں جہاں بھی کفر وضلالت، گمراہی و بدمذہبی کی وبا پھیلی ہوئی نظر آئی، آپ نے فوراً اس کا شرعی آپریشن کیا اور ملت کو ایسی وباؤں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ومامون کر دیا، آپ نے کماحقہ تجدید واصلاح کا حق ادا کیا اور مستقبل میں آپ کی بے مثل وبے نظیر تصنیفات ملت اسلامیہ کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔

یہ صدی امام احمد رضا بریلوی کی صدی ہے، پوری دنیا میں جشن صد سالہ امام احمد رضا بنانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور مختلف انداز سے ان کی خراج عقیدت کا سلسلہ جاری ہے، یقیناً ان کی جناب ایسی ہے کہ ہم دلوں کا نذرانہ ہی نہیں بلکہ خون کا بھی نذرانہ پیش کریں تو کم ہے، چونکہ ملت اسلامیہ پہ ان کے بے شمار احسانات ہیں، خراج عقیدت کا ہر جائز طریقہ قابل تحسین ہے مگر سب سے بہتر اور عمدہ خراج عقیدت ان کے جلائے ہوئے عشق وعرفان کے چراغوں کی روشنی میں زندگی گزارنا ہے، ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نمائش زیادہ کرتے ہیں اور عمل کم، نمائش سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے اور شرعی وصولوں پہ عمل سے زندگی بنتی، سنورتی اور نکھرتی ہے۔

امام احمد رضا نے فلاح ونجات کے لئے جو چراغ روشن کئے ہیں ہم نے انھیں آپ کے سامنے رکھ دیا ہے، ان چراغوں سے اپنے دلوں کے آفاق کو روشن ومنور کرنا آپ کی ذمہ داری ہے، ہم مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگاتے ہیں، یہ نعرہ لگانا یقیناً اچھا کام ہے چونکہ یہ نعرہ ہماری علامت ہے، ہمارا نشان امتیاز ہے اور ہماری پہچان ہے، مگر ہم صرف نعروں ہی میں گم ہو کر رہ جائیں یہ اچھا نہیں ہے بلکہ ہماری نگاہوں سے اس پاکیزہ نعرے کے مطالبات اوجھل نہ ہونے پائیں، اس نعرے کے مطالبات کیا ہیں؟

انھیں جانا انھیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

دشمن احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں سے کیا مروت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حضور اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

حضور سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں مارہروی قدس سرہ العزیز" مسلک اعلیٰ حضرت" کے حوالے سے اپنی ایک تحریر میں ارشاد فرماتے ہیں:

"مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی بریلوی اس زمانے کے مجدد برحق اور سلسلۂ برکات کے روحانی فرزند ہیں ان پر مرشد گرامی کی خاص نظر توجہ ہے، اللہ ورسول کی خاص عنایتوں سے وافر حصہ ان کو عطا ہوا ہے دورِ حاضر میں امام احمد رضا کا موقف ہی دین حق ہے اور اہلسنت کے تمام علمبرداروں کو اس جانب متوجہ ہونا چاہئے، ان کے مشن وموقف سے دامن بچانے والوں میں خواص ہوں کہ عوام ان پر خاندان برکات کا اعتبار نہیں حضور خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی پیر و مرشد مولانا احمد رضا خان صاحب نے علم وعمل میں ان کی تقلید واتباع کا فرمان جاری فرمایا ہے بلکہ حضور نے یہ بھی وصیت کی ہے کہ مولوی شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے موقف سے ہمیشہ اتفاق رکھا جائے۔ نیز مرشد گرامی قبلہ نے ان کی مریدی پر فخر فرمایا ہے۔ اور دنیا سے لے کر محشر تک خوشی کا اظہار فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی ہر تقریر وتحریر لائق تقلید وعمل ہے، بلکہ ان کا وجود نسل درنسل خاندان برکات کے لئے لائق صد فخر ومباہات ہے۔ ہم بھی اپنے مریدین معتقدین اور ابناء خلفاء کو مولانا احمد رضا خان صاحب سے دلی محبت اور سچی عقیدت واحترام کی وصیت کرتے ہیں اور یہ تاکید کرتے ہیں کہ مرتے دم تک ان کے موقف کی تائید کرے اور ان کے ہر شرعی فیصلے سے اتفاق رکھے۔ ہمارے خاندان کا ایک بچہ بھی مولانا احمد رضا خاں صاحب کا نام بے ادبی سے نہ لے، مسلک ومذہب اعلیٰ حضرت سے نا اتفاقی ظاہر کرنے والا میرے سلسلے کا مرید نہیں ہوسکتا، ہو بھی تو خارج از سلسلہ تصور کرنا چاہئے۔" (ماہنامہ پاسبان اکتوبر الٰہ آباد، ۱۹۷۹ء)

کچھ امام احمد رضا نمبر کے بارے میں

سیدی مرشدی، استاذی وملاذی حضور تاج الشریعہ کے وصال پر ملال کے بعد میری تو جیسے دنیا ہی اندھیر ہوگئی تھی، ذہن ودماغ بالکل معطل ہوکر رہ گئے، روزمرہ کے مشاغل اور معمولات زندگی سے بے رغبتی پیدا ہوگئی، عقل وشعور نے کام کرنا بند کر دیا، غم واندوہ کی اس کربناک ساعت میں میرے لئے خود کو سنبھالنا ایک سخت ترین مرحلہ تھا، بہرحال جب رفتہ رفتہ غم واندوہ کی اس طغیانی میں ٹھہراؤ آیا تو میں مرشد گرامی کی حیات وخدمات پر مشتمل "نقوش تاج الشریعہ" جیسے دستاویزی نمبر کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا اور بفضلہ تعالیٰ چند احباب کے ساتھ شب وروز کی کاوشوں کے طفیل وقت معینہ پر یہ معیاری نمبر منظر عام پر لانے میں کامیاب ہوگیا لیکن اس کے بعد ہفتوں قلم میں جنبش کی طاقت نہیں رہی اور اس کیفیت سے نہ صرف راقم ہی دوچار رہا بلکہ ہندو پاک کے تقریباً سبھی اہل علم وقلم کی بھی یہی کیفیت رہی، کیونکہ دانشوران قوم وملت کا ہر ہر فرد بارگاہ تاج الشریعہ میں اپنی عقیدتوں کا خراج پیش کرنے میں مصروف عمل تھا اور ایک ایک اہل قلم کو کئی کئی مضامین ومقالات سپرد قرطاس کرنے پڑے تھے، ان

www.muftiakhtarrazakhan.com

کیفیات کے سبب بیشتر اہل قلم ایک بار پھر ایک محدود مدت میں مزید کسی عنوان پر کچھ لکھنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔
خود راقم کی بھی یہی حالت تھی، امام احمد رضا صدی سمینار گیا، امام احمد رضا صدی نمبر جمشید پور اور مرکز اہل سنت نمبر مسولی کے لئے منتخب عنوانات پر مقالے قلم بند کرنا مزید برآں تھا، بہرحال ہر کام کا ایک وقت متعین ہے اور جب کسی کام کا آجاتا ہے تو اس کے عمل پذیر ہونے کی صورتیں بھی خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں، جس طرح کسی کام کا وقت متعین ہوتا ہے اسی طرح اس کام کو انجام دینے والے افراد بھی متعین ہوتے ہیں، جب کام کا وقت آجاتا ہے تو حالات بھی سازگار ہو جاتے ہیں اور اسے انجام تک پہنچانے والے افراد بھی مسخر ہو جاتے ہیں، اس طرح وہ کام لاشعوری طور پر بھی پایۂ تکمیل تک پہنچ جاتا ہے اور جب اس کام کو دیکھتے ہیں تو خود بھی بحر استعجاب میں غوطہ زن ہو جاتے ہیں کہ ارے یہ کیسے ہو گیا کچھ ایسا ہی ہوا امام احمد رضا نمبر کے معاملے میں، چاہت تو تھی کہ صد سالہ عرس رضوی کے حسین موقع پر ادارہ سنی دنیا بھی امام اہل سنت کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ایک معیاری نمبر شائع کرتا لیکن یہ عظیم کام اتنی قلیل مدت میں ہو بھی جائے گا، اس کی امید نہیں تھی، سچ فرمایا ہے امام احمد رضا نے۔ ؎

اے رضا ہر کام کا ایک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

❖❖❖

www.muftiakhtarrazakhan.com

باب سوم

خصوصیات

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا! ایک تعارف

از: مفتی محمد مقصود عالم فرحت ضیائی
خادم فخر از ہر دارالافتاء والقضاء، باسپیٹ کرناٹکا

(۱) فاضل بریلوی وہ ہیں جو ہندوستان کے مشہور بریلی شریف میں ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴/ جون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ بوقت ظہر جلوہ بار ہوئے۔ (۲) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کی آمد دنیا میں ایک عظیم دینی ضرورت تھی۔ (۳) فاضل بریلوی وہ ہیں جنہیں قدرت نے ایک خاص مقصد کے تحت مبعوث فرمایا تھا۔ (۴) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کا مقدس وجود آیت من آیات اللہ اور معجزۃ من معجزۃ الرسول ﷺ تھا۔ (۵) فاضل بریلوی وہ ہیں جو حسب ونسب کے اعتبار سے بھی خاندانی شرف ووقار اور وجاہت دینی ودنیوی کا امتیاز بھی رکھتے تھے۔ (۶) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کا نام والد بزرگوار نے محمد رکھا۔ دادا نے احمد رضا اور تاریخی اعتبار سے آپ نے المختار لکھا۔ (۷) فاضل بریلوی وہ ہیں جنہوں نے اپنے نام کے ساتھ عبدالمصطفیٰ کا اضافہ کیا اور اعلیٰ حضرت کے نام سے شہرت ملی۔ (۸) فاضل بریلوی وہ ہیں جنہوں نے برسوں بعد قرآنی آیت اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ سے اپنا سن ولادت ۱۲۷۲ھ نکالا۔ (۹) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کا اعزازی نام ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں امام حرم جمال شافعی نے ضیاء الدین احمد رکھا۔ (۱۰) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے صرف چار سال کی عمر میں تجوید کے ساتھ قرآن پاک کا ناظرہ ختم کرلیا۔ (۱۱) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے چھ سال کی کم سنی میں مجمع علماء میں میلاد النبی ﷺ کے عنوان پر شاندار تقریر وخطابت کی۔ (۱۲) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے تقریبا آٹھ سال کے بچپنے میں ایک کتاب شرح ہدایۃ النحو لکھی۔ (۱۳) فاضل بریلوی وہ ہیں جو تیرہ سال دس ماہ پانچ دن کی بہت کم عمر ۱۲۸۶ھ ۱۸۶۹ء میں تمام علوم وفنون سے فراغت حاصل کی۔ (۱۴) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے ایک ماہ کے اندر پورا قرآن مع مفاہیم حفظ کرلیا۔ (۱۵) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے ۱۹۰۵ء میں مکہ معظمہ کے حرم میں صرف آٹھ گھنٹے کے اندر علم غیب مصطفی ﷺ کے ثبوت میں ایک شاہکار کتاب الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ لکھ ڈالی۔ (۱۶) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے امت کو ۱۹۱۱ء میں عشق وعرفان سے بھرپور قرآن پاک کا شاندار اور صحیح اردو ترجمہ کنزالایمان عطا کیا۔ (۱۷) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے حسام الحرمین، لکھ کر اسلام وکفر کے درمیان خط امتیاز کھینچا۔ (۱۸) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے ۱۲ ہزار صفحات پر مشتمل فقہی مسائل کا خزانہ فتاویٰ رضویہ عطا فرمایا۔ (۱۹) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے تقریبا ۴۰۰/ علوم وفنون پر ایک ہزار سے زائد کتابیں لکھیں۔ (۲۰) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے جہاد بالقلم فرمایا اور ۱۳۲۲ھ میں ایک مرکزی ادارہ جامعہ منظر اسلام کی بنیاد رکھی۔

(۲۱) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے اپنی پوری زندگی کے حساب سے ہر پانچ گھنٹے میں ایک علمی وتحقیقی کتاب دی۔ (۲۲) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے دینی ودنیوی علوم پر کامل مہارت حاصل کرلی تھی۔ (۲۳) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے کئی زبان

www.muftiakhtarrazakhan.com

پر عبور پایا تھا۔(۲۴) فاضل بریلوی وہ ہیں جس کی بسیار جہتی اور کثیر الحیثیات ذات ایک متحرک ادارہ اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ تھی ۔(۲۵) فاضل بریلوی وہ ہیں جس کی قدآور اور انقلاب آفریں عبقری شخصیت اور عہد ساز زندگی پر دنیا کی بڑی یونیورسٹیوں میں ریسرچ ہو رہی ہے۔(۲۶) فاضل بریلوی وہ ہیں جو بے مثل ذہانت اور بے نظیر خداداد حافظے کے مالک تھے۔(۲۷) فاضل بریلوی وہ ہیں جو عقل و عشق کے محتاط مقام رفیع پر فائز تھے۔(۲۸) فاضل بریلوی وہ ہیں جو علم کے جبل شامخ اور عمل کے روشن مینار تھے۔(۲۹) فاضل بریلوی وہ ہیں جو منقولات میں بحر ذخار تو معقولات میں دریائے ناپید اکنار تھے۔(۳۰) فاضل بریلوی وہ ہیں جو مفسر اعظم، محدث عالم اور فقیہ اسلام تھے۔(۳۱) فاضل بریلوی وہ ہیں جو صرف امام المنطق والفلسفہ ہی نہیں بلکہ امیر ریاضی داں و عظیم سائنس داں بھی تھے۔(۳۲) فاضل بریلوی وہ ہیں جو برجستہ تاریخی مادے نکالنے میں درک اور حکمت وطبابت میں کمال رکھتے تھے۔(۳۳) فاضل بریلوی وہ ہیں جو عادات واطوار اور اخلاق وکردار میں بلند پایہ تھے۔(۳۴) فاضل بریلوی وہ ہیں جو ظاہر و باطن میں یکساں تھے۔(۳۵) فاضل بریلوی وہ ہیں جو سواد اعظم کے رہبر ورہنما ہی نہیں بلکہ خود اپنے آپ میں سواد اعظم تھے۔(۳۶) فاضل بریلوی وہ ہیں جو ما انا علیہ واصحابی کے مصداق اور صراط مستقیم تھے۔(۳۷) فاضل بریلوی وہ ہیں جو علم وفضل کے آفتاب تو زہد وعمل اور تقویٰ وورع کے بھی ماہتاب تھے۔(۳۸) فاضل بریلوی وہ ہیں جو شریعت کی کسوٹی اور طریقت کے میزان تھے۔(۳۹) فاضل بریلوی وہ ہیں جو وارث امام اعظم اور جانشین غوث اعظم تھے۔

(۴۰) فاضل بریلوی وہ ہیں جو انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کی مکمل تفسیر اور علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کی اصلی تعبیر تھے۔

(۴۱) فاضل بریلوی وہ ہیں جو احکام اسلام اور مسائل شرعیہ میں سید المحتاطین تھے۔(۴۲) فاضل بریلوی وہ ہیں جو اللہ کے ولی اور رسول کے عاشق ونائب تھے۔(۴۳) فاضل بریلوی وہ ہیں جو احقاق حق میں صدیق اکبر کا پرتو اور ابطال باطل میں فاروق اعظم کا مظہر تھے۔(۴۴) فاضل بریلوی وہ ہیں جو رحم وکرم میں ذوالنورین کی تصویر اور رعب ودبدبہ میں حیدری شمشیر تھے۔(۴۵) فاضل بریلوی وہ ہیں جو اصحاب واہل بیت کے فدائی اور اولیاؤ غوث کے شیدائی تھے۔(۴۶) فاضل بریلوی وہ ہیں جو سلطنت قرآن واحادیث میں وزیر المجتہدین اور دولت فقہ وہدایت میں امیر المومنین تھے،(۴۷) فاضل بریلوی وہ ہیں جو اعلیٰ حضرت علی الاطلاق اور امام اہل سنت فی الآفاق تھے۔(۴۸) فاضل بریلوی وہ ہیں جو ۱۲۹۴ھ میں مارہرہ شریف حاضر ہو کر حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی علیہ الرحمہ سے مرید ہوئے۔(۴۹) فاضل بریلوی وہ ہیں جو ۱۳/ سلاسل طریقت کی خلافت واجازت کی سند رکھتے تھے۔(۵۰) فاضل بریلوی وہ ہیں جو اپنے والدین کے لئے قابل فخر اور اساتذہ کے لئے قابل رشک تھے۔(۵۱) فاضل بریلوی وہ ہیں جو اپنے پیر کے لئے سرمایۂ آخرت اور مرید کے لئے ذریعۂ نجات تھے۔(۵۲) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کو امام حرم شیخ محمد صالح نے راس المومنین فی زمانہ وامام المصنفین بحکم اقرانہ کا ٹائیٹل دیا۔(۵۳) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کو ملت نے شیخ الاسلام والمسلمین تسلیم کیا۔(۵۴) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کو قوم نے حجۃ اللہ فی الارضین کے لقب سے یاد کیا۔(۵۵) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کو امت نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کے نام سے جانا۔

(۵۶) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کو علماء عرب وعجم نے چودھویں صدی کے مجدد کے خطاب سے نوازا۔(۵۷) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کی مقدس پیشانی سے خدا کا نور ٹپکتا تھا۔(۵۸) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کی محترم ذات وصفات خود ایک کرامت تھی

www.muftiakhtarrazakhan.com

۔(۵۹) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کی زندگی کا ہر گوشہ اتباع سنت کے انوار سے معمور و منور تھا۔(۶۰) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کا شام وسحر اور شب و روز کا ایک ایک لمحہ دینی مہمات میں مصروف رہا۔

(۶۱) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کا اہم مشغلہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر رہا۔(۶۲) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کی اصلاح وتبلیغ اور رشد و ہدایت نے نہ معلوم کتنے لوگوں کو کفر والحاد اور بے دینی و گمراہی سے بچالیا۔(۶۳) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کی حق گوئی وحق بینی اور حق نویسی نے بہت کج رووں کو صراط مستقیم پر گامزن کر دیا۔(۶۴) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کا لیٹنا لفظ محمد کی شکل اختیار کر لیتا۔(۶۵) فاضل بریلوی وہ ہیں جن پر الفضل ماشھدت بہ الاعداء کا جملہ پورا صادق آتا تھا۔(۶۶) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے عشق رسول کی شمع روشن کی اور ایمان وایقان کی روشنی بخشی۔(۶۷) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے سنتوں کو زندہ کیا اور بدعتوں کا قلع قمع کیا۔(۶۸) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے ہدایت وسنت کے مٹتے ہوئے نقوش کو اپنے تجدیدی کارناموں سے اجاگر کیا۔(۶۹) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے اپنی دینی وایمانی استطاعت سے لادینیت وبدمذہبیت کا سدباب کیا۔(۷۰) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے بارگاہ الٰہی کے دریدہ دہنوں کی سازشوں کو بے نقاب کیا۔(۷۱) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے گستاخان رسول کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔(۷۲) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے عظمت توحید ورسالت کا درس دیا اور علماء واولیاء کے مقام ومراتب کو بتلایا۔(۷۳) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے حقوق اللہ وحقوق العباد کی پاسداری میں کبھی کوئی کوتاہی نہ کی۔(۷۴) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے اصلی ونقلی میں پہچان کرایا۔(۷۵) فاضل بریلوی وہ ہیں جس کی شاعری کلام الامام امام الکلام ہے۔(۷۶) فاضل بریلوی وہ ہیں جس کی نعت گوئی ومنقبت نگاری کا داعیہ جذبۂ شرعیہ ہے۔

(۷۷) فاضل بریلوی وہ ہیں جس کی شاعری میں ستائش کی تمنا نہیں مقصد عبادت ہے۔(۷۸) فاضل بریلوی وہ ہیں جس کی شاعری الشعراء یتبعھم الغاوون سے مستثنیٰ ہے۔(۷۹) فاضل بریلوی وہ ہیں جس کی شاعری ان من الشعراء لحکمۃ کا نمونہ ہے۔

(۸۰) فاضل بریلوی وہ ہیں جس کی شاعرانہ حیثیت الشعراء تلامیذ الرحمن کی ہے۔

(۸۱) فاضل بریلوی وہ ہیں جس کی حمد ونعت اور سلام ومنقبت کی گونج پوری دنیا میں سنائی دیتی ہے۔(۸۲) فاضل بریلوی وہ ہیں جس کا وصال ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ بروز جمعہ ۲ بجکر ۳۸ منٹ پر حی علی الفلاح کی صدا کے ساتھ ہوا۔(۸۳) فاضل بریلوی وہ ہیں جس نے اپنا سن وصال وفات سے چند ماہ قبل خود ہی آیت کریمہ ویطاف علیھم بآنیۃ من فضۃ واکواب سے استخراج کر لیا تھا۔(۸۴) فاضل بریلوی وہ ہیں جس کی موت موت العالم موت العالم کی مصداق ہے۔(۸۵) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کے خلفاؤ تلامذہ نے پوری دنیا میں تبلیغ اسلام فرمائی۔(۸۶) فاضل بریلوی وہ ہیں جس کا مزار پر انوار آج بھی بریلی شریف انڈیا میں مرجع خلائق ومطلع انوار ہے۔(۸۷) فاضل بریلوی وہ ہیں جس کا خانوادہ آج بھی سرچشمۂ رشد وہدایت ہے۔

(۸۸) فاضل بریلوی وہ ہیں جس کا فیضان تا قیامت جاری رہے گا۔(۸۹) فاضل بریلوی وہ ہیں جن کا نام، مذہب، صراط مستقیم اور فرقہ ناجیہ کی واضح علامت ہے۔(۹۰) فاضل بریلوی وہ ہیں جس کے بارے میں کہا گیا ہے۔

ڈالدی قلب میں عظمت مصطفےٰ
سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام

❖❖❖

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور عالمی مسائل

از : مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی
مدیر اعلیٰ پیغام رضا ممبئی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی ولادت دس شوال ۱۲۷۲ھ ۱۸۵۶ء میں ہوئی اور ان کا وصال ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ۔ ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ ۲۰۲۰ء میں ان کے وصال کو سو سال پورے ہوجائیں گے ان کی ذات پورے عالم اسلام کے لیے خدائی امانت تھی انہوں نے خود کو پورے طور پر دینی قدروں کے فروغ کے لیے وقف کردیا تھا۔ پورے عالم اسلام میں عموماً اور برصغیر پاک وہند میں خصوصاً اسلاف کی امانتوں کے ساتھ تشدد کا سلسلہ جاری تھا آپ نے متشددین کے تعاقب کا تاحیات سلسلہ جاری رکھا اس سلسلے میں آپ کی تصانیف شاہد ہیں یہ تصانیف کثیر تعداد میں ہیں اور ٹھوس دلائل، روشن براہین اور تحقیقی اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔ انہوں نے قرآن واحادیث کی روشنی میں علوم وفنون کے میدان میں جو اضافات کیے ہیں اسلامی تاریخ میں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ ان کی کتاب حیات کا یوں تو ہر باب روشن ومنور ہے لیکن سارے ابواب کا جس باب کو پیش لفظ قرار دیا جاسکتا ہے وہ عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے ان کی ذات مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاوی دیکھنا چاہتی تھی۔ نفاذ عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ان کی کارگزاریاں تاریخ کا ایک ایسا روشن باب ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت کبھی گرد آلود نہیں کرسکتی۔ ان کی دینی خدمات کے ہزاروں ابواب ہیں اور ہر باب عقل انسانی کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ ان کی تحریرات میں اسرار الٰہی کے سمندر پنہاں ہیں لیکن اب حال یہ ہے کہ ان کی تحریرات کے ظاہر کو سمجھنے والے کم یاب ہیں جب ظاہر کا یہ حال ہے تو باطن کے لیے کیا کہا جاسکتا ہے۔ پھر بھی بعض کوتاہ قد ان کی تحقیقات کو تنقید کے دائرے میں لانے کی کوشش کررہے ہیں ان کوتاہ قدوں کا یہ عمل سورج پہ تھوکنے کے مترادف ہے۔ اندھیرے اور اجالے میں ہمیشہ جنگ ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی لیکن اندھیرا اُجالے کو نگل جائے ایسا ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا شکست اندھیرے کا مقدر ہے۔ اُجالا پتھر دلوں میں بھی اپنی جگہ بنالیتا ہے۔

کائنات کے خمیرہ میں نورِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شامل ہے۔ جب کائنات میں کہیں تاریکی گہری ہوتی ہے تو اس تاریکی کو نگلنے کے لیے نورِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی صدیق اکبر کی شکل میں کبھی فاروقِ اعظم کی شکل میں، کبھی عثمان غنی کی شکل میں، کبھی مولا کائنات کے شکل میں، کبھی امام حسن وحسین کی شکل میں، کبھی غوث اعظم کی شکل میں، کبھی خواجہ غریب نواز کی شکل میں، کبھی مجدد الف ثانی کی شکل میں اور کبھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جو لوگ اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور تحقیقات اعلیٰ حضرت سے الجھنے کی کوشش کررہے ہیں درحقیقت وہ شعوری یا لاشعوری طور پر نورِ

www.muftiakhtarrazakhan.com

مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے الجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور نورِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے الجھنے کا انجام ظاہر ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی حیات کی بے شمار جہتیں ہیں اور ہر جہت کی حیثیت تقلیدی ہے۔ ان کی زندگی کی کوئی سانس ایسی نہیں ہے جو نظر انداز کی جا سکے۔ ان کی ہر بات سے علوم وفنون اور عشق وعرفان کے آبشار پھوٹتے ہیں، انہوں نے عشق وعرفان کے جو نقوش ابھارے ہیں وہ اتنے واضح اور پر روشن ہیں کے مٹانے والے خود مٹ گئے مٹا نہ سکے۔ ان کی ذات کو سمجھنے میں تھوڑی سی لغزش انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتی ہے۔ بارگاہِ خدا اور سول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ان کی مقبولیت کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب نسبت بھی ان سے الجھتا ہے تو وہ رحمت الٰہی اور کرم رسالت پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محروم کر دیا جاتا ہے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ان کی مقبولیت کا ایک ورق دیکھئے۔

ملک شام کے کسی بزرگ عالم دین کو کسی دینی مسئلے میں دشواری پیش آئی انہوں نے کتابوں سے رجوع کیا پھر بھی مسئلے کا حل ان پہ واضح نہ ہوسکا جب بہت زیادہ پریشان ہوئے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ چلتے ہیں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں استغاثہ پیش کریں گے آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مسئلے کا حل بتا دیں گے۔ پروگرام کے مطابق بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ استغاثہ پیش کیا۔ سرکار کے جلوؤں سے شادکام ہوئے۔ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت شریعت کا قلمدان مولانا احمد رضا کے ذمہ ہے تم وہیں چلے جاؤ مسئلے کا حل مل جائے گا۔ فرمانِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق انہوں نے بریلی شریف کا سفر کیا جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے دربار دُربار میں حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا کہ کیا چھوٹے چھوٹے مسئلے کے لئے آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پریشان کرتے ہیں اور انہیں مسئلے کا حل بتا دیا۔ (بروایت حضور امین شریعت رائے پور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی شخصیت صداقت کے متلاشیوں کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور ان کی یہ حیثیت زمانے کے قید سے آزاد ہے۔ مجددین اسلام اور مصلحین امت کی صف میں آپ کے امتیازات ہیں اور ایسے امتیازات ہیں جنہیں کوئی چیلنج نہیں کرسکتا۔ قرآن واحادیث کی روشنی میں آپ نے جو اضافات کئے ہیں پوری اسلامی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کے اضافات اکٹھا کئے جائیں تو مجلدت تیار ہوسکتی ہیں کام زیادہ مشکل نہیں ہے پھر بھی وقت طلب ہے۔ اور آج کا حال یہ ہے کہ ہر شخص اپنی ذات میں الجھا ہوا ہے۔ اور اپنے وقت کی قیمت مانگتا ہے۔ جن کے سینوں میں ملی درد کا آتش فشاں سلگ رہا ہے ان کے پاس وسائل نہیں ہیں اور جن کے پاس وسائل ہیں ان کے سینوں میں درد نہیں ہے اس وقت جماعتی وقار واعتبار کو نام نہاد اپنے دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں اگر اسلامی سلطنت ہوتی تو ایسے افراد کے سر قلم کر دیئے جاتے۔ جمہوریت انہیں امان دے رہی ہے۔ آزادئ اظہار کا حال یہ ہے کہ بونا سے بونا شخص قانون کی زبان استعمال کر رہا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی ذات مسلمانوں کے لیے زندگی کے ہر شعبے میں نشان منزل کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے امت مسلمہ کے لیے فلاح ونجات کی ہزاروں راہیں کشادہ کی ہیں ملی درد جب مجسم ہوتا ہے تو امام احمد رضا بنتا ہے انہیں براہِ راست بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہدایات ملتی تھیں۔ ان کے دینی، ملی اور علمی کارناموں کی تسہیل وتفصیل کے لیے صدیاں درکار ہیں اور یہ کام وہی لوگ صحیح انداز میں کر سکتے ہیں جن کے سینے تجربات،

www.muftiakhtarrazakhan.com

مشاہدات اور مکاشفات کے نور سے منور ہوں جن کے پاس رسمی علم ہے وہ رسم تو ادا کر سکتے ہیں حق ادا نہیں کر سکتے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی ذات آیاتِ الٰہی بھی تھی، معجزۂ رسالت پناہی بھی تھی اور اولیاء اللہ کی کرامت بھی تھی۔ انہوں نے تقدیس الوہیت کو بھی تحفظ دیا ہے، ناموسِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی تحفظ دیا ہے اور عظمت اولیاء اللہ کو بھی تحفظ دیا ہے۔ اگر ان کی ذات نہ ہوتی تو عالم اسلام میں عموماً اور ہند و پاک میں خصوصاً انبیاء و اولیاء اللہ کے مزارات کے قبات کے نشانات تک مٹا دیئے جاتے انبیائے کرام، رسولانِ عظام اور اولیائے ذوی احترام ہی کی ذوات کثیر الصفات ایسی ہیں جن سے جذبۂ دین کا عطر کشید کیا جاتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے نقوش قدم کی پیروی سے رضائے الٰہی کی راہیں کھلتی ہیں۔ محبوبانِ الٰہی سے جن کا رشتہ استوار نہ ہوگا۔ خیر وفلاح کا حصول ان کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ محبوبانِ الٰہی کی ذوات ہی چراغ ہدایت ہے اور چراغ ہی سے چراغ جلتے ہیں باطل قوتیں محبوبانِ الٰہی سے امت کا رشتہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتی تھیں اعلیٰ حضرت نے ایسی ہر فرعونی طاقت کو دھول چاٹنے پر مجبور کیا ہے یہی وجہ ہے کہ پوری دنیا کی باطل تحریکات اعلیٰ حضرت کے نام سے آج بھی خوف زدہ ہیں۔ خواب میں بھی اگر ان کی سماعت سے اعلیٰ حضرت کا نام ٹکراتا ہے تو وہ حواس باختہ ہو جاتی ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے ہر کام کا رشتہ شریعت مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جڑا ہوا ہے ان کی ذات عشق وعرفان کی اس منزل پہ تھی جہاں پہنچنے کی دھن میں عمریں ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔ ان کی سانسوں سے اتباع شریعت کی خوشبو پھوٹتی تھی، اکثر لوگ سونے میں شریعت کا التزام نہیں کر پاتے احادیث میں سونے کے آداب بتائے گئے ہیں مگر جو لوگ عشق وعرفان کی اعلیٰ منزلوں پر فائز ہوتے ہیں وہ شریعت کے کسی بھی اصول کو برتنے میں غفلت کا شکار نہیں ہوتے۔ اعلیٰ حضرت کی ذات عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اس قدر بھیگ چکی تھی بلکہ عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارش میں ان کی ذات ہر وقت نہاتی رہتی تھی۔ ان کے عشق کا حال یہ تھا کہ جس پہ نظر توجہ ہو جاتی وہ بھی حرارت عشق میں تپنے لگتا۔ جن کے پاس رضویات کا گہرا مطالعہ ہے۔ وہ اس بات سے واقف ہوں گے کہ اعلیٰ حضرت جب سوتے تو لفظ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصویر تیار ہو جاتی یہ ان کی بارگاہ کے حاضر باشوں کا بیان ہے چونکہ اعلیٰ حضرت کو جس شریعت کی پاسداری سونپی گئی تھی۔ یا جس شریعت کے فروغ وتحفظ کے لیے انہیں بھیجا گیا تھا وہاں تصویر کشی سرے سے ناجائز وحرام ہے۔ اگر تصویر کسی کی اجازت ہوتی تو ان کے سونے کی حالت کو دنیا دیکھتی۔ اسلام کی جو ہمارے پاس پونجی ہے کل کا کل سماعی ملی ہے۔ اگر شریعت اسلامیہ میں تصویر کشی جائز ہوتی تو عہد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آج تک کی ساری کیفیات، سارے واقعات اور سارے مناظر تصویروں کی شکل میں محفوظ ہوتے۔ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تصویر کشی کو ناجائز وحرام قرار دیا ہے اس لیے تصویر کشی قیامت تک ناجائز وحرام رہے گی۔ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تصویر ہی سے بت پرستی کا آغاز ہوا ہے۔ کعبہ کے اندر بھی بہت ساری تصویریں اہل مکہ نے بنا رکھی تھیں۔ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مٹانے کا حکم فرمایا پھر جو تصویریں اور اس کے نشانات رہ گئے سب کو اپنے ہاتھوں سے مٹا دیا۔ اب ایسی صورت میں اگر کوئی شخص تصویر کشی کے جواز پہ یقین رکھتا ہے یا اس کے جواز کا حکم دیتا ہے تو وہ اپنا ٹھکانہ متعین کر لے۔ تصویر کشی کا مسئلہ ملکی نہیں بلکہ یہ پوری دنیا میں وبا کی طرح پھیل رہا ہے اور فقہ وفتاویٰ سے تعلق رکھنے والے بعض

www.muftiakhtarrazakhan.com

حضرات اس کے جواز پر اصرار کر رہے ہیں۔

اسلام کی عمر چودہ سو سال سے زائد ہوگئی ہے، ہم چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو تصویر کشی کے جواز میں کسی عہد، کسی قرن اور کسی زمانے کے علماء امت کا کوئی فتویٰ، کوئی حکم اور کوئی فیصلہ نہیں ملتا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ اسلامی آثار وروایات کی ایک مضبوط کڑی ہیں۔ انہوں نے علماء امت سے جو اسلامی اثاثہ پایا تھا اس کے وہ داعی اور ناشر تھے اس کی وضاحت آپ نے اپنے وصایا، شریف میں بھی کی ہے۔ ذیل میں اعلیٰ حضرت کا ارشاد ملاحظہ کریں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رب العزت جل جلالہٗ کے نور ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحابہ رضی اللہ علیہم اجمعین روشن ہوئے، ان سے تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین روشن ہوئے۔ تابعین سے تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ روشن ہوئے، ان سے ائمہ دین روشن ہوئے رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم، ان سے ہم روشن ہوئے۔ اب ہم تم سے کہتے ہیں یہ نور ہم سے لے لو۔ ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ تم ہم سے روشن ہو۔ وہ نور یہ ہے کہ اللہ ورسول جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت، ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت جس سے اللہ ورسول جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔ جس کو بارگاہِ رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ذرا بھی گستاخ دیکھو، پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔ (وصایا شریف)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے اسلام کے چہرے پہ کبھی کسی طرح کے گرد وغبار کو دیکھنا پسند نہیں کیا۔ اسلام کی جو صورت ابتدائے اسلام میں تھی یا جس اسلام کا ظہور مکہ میں ہوا، جس کا فروغ مدینے سے ہوا اور جس کی شادابی میں اصحاب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خون جگر شامل ہے آپ اسی اسلام کو ہر گھر کی دہلیز پر مسکراتا، چمکتا اور دمکتا دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ کے عہد میں اسلامی روایات، اسلامی آثار اور اسلامی تبرکات خطرات کی زد پہ تھے۔ آپ نے ان تمام تحریکات کا تعاقب کیا اور ان کا پوری جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا جو اسلامی آثار وتبرکات کے صاف وشفاف چہرے کو گرد آلود کرنے میں مصروف تھیں۔ اس حوالے سے آپ کی ایک ہزار سے زائد تالیفات وتصنیفات بطور شہادت موجود ہیں۔ آپ کی تالیفات و تصنیفات میں علوم وفنون، اسرار ورموز کی جو لہریں ملتی ہیں اور دلائل وبراہین کی جو کثرت ملتی ہے اس کی نظر سے صدیوں کے تالیفاتی وتصنیفاتی اثاثہ خالی ہے نسل نو کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مطالعہ سے اس کا رشتہ بہت حد تک ٹوٹ چکا ہے۔ اور اگر مطالعہ ہوتا بھی ہے تو اسکا دائرہ درسیات تک محدود ہے۔ مطالعہ ہی سے ذہنوں کے آفاق روشن ہوتے ہیں، مطالعہ ہی سے فکر میں تازگی آتی ہے اور مطالعہ ہی سے شخصیات اور ان کے علمی فن پاروں کے اعتبار واحترام کا دل میں جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ مچھلی کو پانی سے نکال دیجئے تو وہ تھوڑی دیر میں تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔ اور عالم کو کتابوں سے جدا کر دیجئے تو اس کے اندر سے اسلامی روح دھیرے دھیرے نکل جائے گی۔ جس عالم کے پاس کتابوں کا ذخیرہ نہیں اس کی مثال اس فوجی کی سی ہے جو بغیر سامانِ حرب کے محاذ جنگ پہ چلا جائے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ عالم شریعت بھی تھے اور عامل شریعت بھی، عاشق رسالت بھی تھے اور ناشر عشق رسالت بھی۔ شجر شریعت کی ہر شاخ پہ ان کی گہری نظر تھی۔ دنیا اپنے علوم وفنون پہ ناز کرتی ہے مگر علوم وفنون کو ان پہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

ناز تھا۔ ان کی ذات کتنے علوم وفنون کی مالک تھی محققین نے اس کی تعداد بتائی ہے مگر ہر آنے والا وقت اس تعداد میں اضافہ کردیتا ہے۔ محققین کا ہر دعویٰ رفتار زمانہ کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ ان کے سینے میں ملی درد کا آتش فشاں ہر وقت دہکتا رہتا تھا۔ ان کی ہر وقت یہی کوشش رہتی کہ مسلم معاشرہ اصول شریعت کا آئینہ دار بھی ہو اور پاسدار بھی۔ اصول شریعت سے بے توجہی مصائب کو دعوت دیتی ہے۔ مسلم معاشرے کے روبہ زوال ہونے کے بنیادی اسباب یہی ہیں کہ دلوں سے اقدار اسلامی کے احترام کا جذبہ رخصت ہوچکا ہے۔ عشق کی حرارت ختم ہوچکی ہے اور فکر فرداں سے مسلمان بے نیاز ہوچکا ہے۔ مسلمان سروں کو خدا کے حضور جھکانے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ وہ کسی غیر کے سامنے جھکنے کے لیے پیدا نہیں ہوا ہے۔ جو سر غیروں کے سامنے جھکتے ہیں رحمت الٰہی ان سے دور جاتی ہے۔ وہ ہر پیشانی پہ سجدوں کی چمک دیکھنا چاہتے تھے۔ مسلمانوں کے چہروں کو بے نور دیکھ کر ان کی پلکیں بھیگ جاتی تھیں مسلمانوں پر دنیا کے کسی گوشے میں کوئی افتاد آتی، کوئی انہیں حقوق سے محروم کرنا چاہتا اور انہیں کوئی اذیت ہوتی تو آپ بے قرار ہوجاتے۔ پھر آپ دفاعی کوششوں میں مصروف ہوجاتے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی بے سروسامانی کے مناظر تو آپ کی نگاہوں میں ٹی۔وی کے اسکرین کی طرح گھومتے تھے۔ دوسرے ممالک کے حالات پہ بھی آپ کی گہری نظر تھی۔ بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ پورا عالم اسلام ہر وقت آپ کے پیش نگاہ ہوتا۔ آپ نے ملت کی ہر الجھی ہوئی گتھی کو سلجھائی ہے۔ آپ کے عہد میں کئی اہم مسائل ایسے تھے جن کی حیثیت عالمی تھی اور اہل علم سے وہ پل پل حل کا تقاضا کررہے تھے اہل علم حل کی کوشش میں مصروف تھے مگر انہیں کامیابی نہیں مل رہی تھی۔ بعض نام نہاد مسند افتاء پر بیٹھ کر ملت کی الجھنوں میں اضافہ کررہے تھے۔ جو مسائل عالمی نقطۂ نگاہ سے حل طلب تھے۔ ان میں منی آڈر کا مسئلہ، کرنسی نوٹ کے مسائل، سمت قبلہ کا مسئلہ، اذان ثانی کا مسئلہ۔ حقۃ المرجان کا مسئلہ۔ ولایت شرعی وعرفی کا مسئلہ، اذان قبر کا مسئلہ، ارکان وضو کا مسئلہ، فرض علمی واعتقادی کا مسئلہ، پانی کے اقسام کا مسئلہ، تیمم کا مسئلہ اس طرح کے اور بھی درجنوں مسائل تھے جو عالم اسلام کے مقتدر اہل فقہ وفتاویٰ کی توجہات چاہتے تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا فقہ وفتاویٰ کے باب میں کوئی مثیل نہ تھا۔ ہمارے دل میں ہر اہل و علم کا احترام ہے چاہے اس کا تعلق زمین کے جس حصہ سے ہو، جن کے فکر وعمل اور ایمان وعقیدے میں کجی ہوتی ہے، ان کے ہاں زمینی، گروہی اور برادرانہ تعصب ہوتا ہے۔ اور ان کا ہر فیصلہ زمینی تعصب کا شکار ہوتا ہے۔ اہل علم واہل فقہ وفتاویٰ کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت کے عہد میں پورے عالم اسلام میں آپ سے بڑا کوئی صاحب فقہ وفتاویٰ نہ تھا ایک مؤقر علماء کی جماعت کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ کے بعد آپ سے زیادہ ذہین اور صاحب بصیرت عالم پیدا نہیں ہوا۔ آپ کے فقہ وفتاویٰ کو دیکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علوم وفنون کی دنیا آپ کے سامنے کھلی کتاب کی طرح تھی۔ ایک صاحب دل سے ان کے مریدوں نے سوال کیا کہ جب آپ امام احمد رضا سے ملے تو انہیں کیسا پایا تو انہوں نے جواب دیا کہ انہیں دیکھنے کے بعد میں نے یہ محسوس کیا کہ ان کا پورا وجود غوثیت مآب کی محبت میں شرابور ہے۔ اور پردے کے پیچھے سے غوث اعظم بتاتے ہیں اور وہ لکھتے جاتے ہیں حضور محدث اعظم ہند نے بھی اسی سے ملتی جلتی باتیں کہی ہیں کہ اعلیٰ حضرت غوث اعظم کے ہاتھ میں ایسے تھے جیسے قلم در دست کاتب۔ آپ کے حوالے سے علمائے عرب کے بھی خیالات کچھ ایسے ہی تھے۔ یعنی آپ کے زمانے میں عالم اسلام میں کوئی ایسی ذات اور شخصیت نہ تھی جس کے دل میں آپ کا حد درجہ احترام نہ ہو اور جو آپ کی دینی، ملی،

www.muftiakhtarrazakhan.com

علمی اور فکری برتری کا معترف نہ ہو۔ پورے عالم اسلام کے ماہرین علوم وفنون کی جبین عقیدت آپ کے سامنے خم تھی، جبر مسائل کے حل کی تلاش میں علماء اور صاحبانِ فقہ وفتاویٰ تھک جاتے تب آپ سے رجوع ہوتے۔ آپ کے پاس ہر سوال کا تشفی بخش جواب تھا۔ کسی سائل نے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے بعد تشنگی کی شکایت نہیں کی۔ یہ تاریخی صداقت ہے۔ رب کائنات نے آپ کی ذات کے اندر کمالات کی کائنات رکھ دی تھی۔ آپ کی ذات ہر اعتبار سے آیاتِ الٰہی اور معجزۂ رسالت پناہی تھی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی ذات وشخصیت پر ان کے پیر خانے کو بھی ناز تھا اور ان کا پیر خانہ بھی ان کی ذات کو امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے نشانِ منزل اور حق کی علامت تصور کرتا تھا۔ اس حوالے سے حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

مولانا شاہ احمد رضا قادری برکاتی بریلوی اس زمانے کے مجدد برحق اور سلسلۂ برکات کے روحانی فرزند ہیں۔ ان پر مرشد گرامی کی خاص نظر توجہ ہے۔ اللہ ورسول کی خاص عنایتوں سے وافر حصہ ان کو عطا ہوا ہے۔ دورِ حاضر میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کا موقف ہی دین حق ہے۔ اور اہلسنت کے تمام علمبرداروں کو اس جانب متوجہ ہونا چاہئے۔ ان کے مشن یا موقف سے دامن بچانے والوں میں خواص ہوں کہ عوام ان پر خاندانِ برکات کا اعتبار نہیں۔ حضور خاتم الاکابر سید شاہ آلِ رسول احمدی پیرو مرشد مولانا احمد رضا خان صاحب نے علم وعمل میں ان کی تقلید واتباع کا فرمان جاری فرمایا ہے۔ بلکہ حضور نے یہ بھی وصیت کی ہے کہ مولوی شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے موقف سے ہمیشہ اتفاق رکھا جائے۔ نیز مرشد گرامی قبلہ نے ان کی مریدی پر فخر فرمایا ہے اور دنیا سے لے کر محشر تک خوشی کا اظہار فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی ہر تقریر وتحریر لائق تقلید وعمل ہے۔ بلکہ ان کا وجود نسل در نسل خاندانِ برکات کے لیے لائق صد فخر ومباہات ہے۔ ہم بھی مریدین، معتقدین اور ابناء وخلفاء کو مولانا احمد رضا خاں صاحب سے دلی محبت اور سچی عقیدت واحترام کی وصیت کرتے ہیں اور یہ تاکید کرتے ہیں کہ مرتے دم تک ان کے موقف کی تائید کرے۔ اور ان کے ہر شرعی فیصلے سے اتفاق رکھے۔ ہمارے خاندان کا ایک بچہ بھی مولانا احمد رضا خاں صاحب کا نام بے ادبی سے نہ لے۔ مذہب ومسلک اعلیٰ حضرت سے نااتفاقی ظاہر کرنے والا میرے سلسلے کا مرید نہیں ہو سکتا ہو بھی تو خارج از سلسلہ تصور کرنا چاہئے۔ (ماہنامہ پاسبان الٰہ آباد۔ ۱۹۸۹ء)

مذکورہ تحریر کے ہر حرف میں عبرت ونصیحت کی کائنات پنہاں ہے۔ اور سونے اور چاندی کے پانی سے تولنے کے لائق ہے۔ یہ تحریر ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت کو غیر ضروری اصطلاح تصور کرتے ہیں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی شخصیت اور ان کی تحقیقات کو نشانہ بنانے سے باز نہیں آتے۔ اعلیٰ حضرت اور ان کی تحقیقات کی جو حیثیت کل تھی وہی حیثیت آج بھی ہے۔ بلکہ عصر حاضر میں اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ مذہب ومسلک سے بے توجہی کا رجحان تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ صلح کلیت ہر گھر کی دہلیز پہ دستک دے رہی ہے، بدعقیدوں سے رسم وراہ بنانے کی راہیں تلاش کی جا رہی ہیں، نسل نو کی فکری آوارگی میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ ان میں اسلاف بے زاری کے جراثیم پروان چڑھ رہے ہیں۔ اہل شریعت وطریقت کے ارشادات وفرمودات کی عظمت ووقعت ان کے دلوں سے رخصت ہو رہی ہے۔ ایسے حالات میں اسلاف شناسی کے جذبے کو فروغ دینے کی شدید ضرورت ہے۔ اس لیے کہ دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا۔ اعلیٰ حضرت کی دیگر خصوصیات میں

www.muftiakhtarrazakhan.com

ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے ہر اس راہ کو روشن و کشادہ کر دیا ہے جس سے دین کا تصور مستحکم سے مستحکم تر ہو سکتا ہے۔ اسلاف نوازی کا جو شعور ان کی تحریرات و تقریرات میں ملتا ہے اس کی نظیر سے کئی صدیوں کے تحریری دفاتر خالی ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے عہد میں کئی مسائل ایسے تھے جو عالمی اہمیت کے حامل تھے۔ اور عالم اسلام ان کا حل تلاش کرنے میں مصروف تھا۔ انہیں میں ایک اہم مسئلہ کرنسی نوٹ کا بھی تھا اس حوالے سے اہل فقہ و فتاویٰ سے سوالات ہو رہے تھے۔ ان سے رجوع کیا جا رہا تھا مگر ذہنوں کو جو مطمئن کر دے ایسا جواب سامنے نہیں آ رہا تھا یہی سوال مکہ مکرمہ کے ایک زبردست عالم دین حضرت علامہ مفتی جمال بن عبداللہ سے بھی ہوا تو انہوں نے سوال کا جواب نہ دے کر فرمایا کہ علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے یعنی آپ اطمینان رکھیں کوئی نہ کوئی مرد حق آگاہ جلوہ افروز ہوگا اور اس مسئلے کا ایسا جواب دے گا جو سب کے لئے قابل قبول ہوگی بعض اہل فقہ و فتاویٰ نے جواب دینے کی کوشش بھی کی تو اس سے عوامی اضطراب میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ان کی خاموشی ہی خواص و عوام کے لیے بہتر تھی۔ کچھ افراد کو بے ضرورت بولنے اور لکھنے کی عادت ہوتی ہے اور کچھ لوگوں سے روپے دے کر اس لیے لکھوایا جاتا ہے تا کہ فتنوں میں اضافہ ہو۔ ایسے افراد کل بھی تھے اور آج بھی ہیں بلکہ آج ان کی تعداد زیادہ ہے۔ آج اس فہرست میں نام نہاد سنی بھی شامل ہو گئے ہیں۔

کرنسی نوٹ کا مسئلہ مسلسل بحث کی میز پہ تھا۔ چونکہ اس سے پوری دنیا کا رشتہ جڑا ہوا تھا۔ دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ تو کوئی پیچیدگی، کوئی الجھن اور کوئی دقت نہ تھی مگر قوم مسلم میں جو لوگ انتہائی حساس تھے، جو عامل شریعت تھے اور جن کا رشتہ مذہب و مسلک سے انتہائی مربوط تھا۔ انہیں قدم قدم پہ پریشانی ہو رہی تھی، ان کے دلوں پہ ہر وقت خوف و خشیت کا سایہ رہتا۔ انہیں یہ فکر ستاتی اور وہ یہ سوچتے رہتے کہ ایک روپیہ یا دس روپے کے ڈالر بشکل نوٹ دنیا کے ہر ملک میں چلتا ہے مگر مارکیٹ میں ہر ملک کی کرنسی کا ریٹ جدا جدا کیوں ہے؟ ہر ملک کا نوٹ کاغذ ہی کا ہے اور قریب قریب سب کا سائز بھی ایک ہی ہے مگر حیثیت سب کی ایک دوسرے سے جدا کیوں ہے۔ عصری تناظر میں دیکھئے بطور مثال ہم مارکیٹ میں ہندوستان کا ۴۳/روپے لے کر جاتے ہیں تو ہمیں امریکہ کا ایک ڈالر ملتا ہے یا امریکہ کا ایک ڈالر ہم بیچتے ہیں تو ہمیں ہندوستان کے ۴۳ روپے ملتے ہیں اگر ہم ڈالر کے بجائے سعودی ریال خریدتے ہیں تو ہندوستان کا ۱۷ روپے دینے پر ایک ریال ملتا ہے۔ اب ہمیں ۴۳ روپے میں جو ایک ڈالر ملتا ہے یہ زائد رقم دینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ یا ایک ڈالر دے کر ۴۳/روپے مل رہے ہیں تو ۲۷/روپے کی حیثیت کیا ہوگی؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی شان یہ ہے کہ مسائل ان کی دہلیز پہ آ کے اپنی پیچیدگی بھول جاتے تھے۔ دنیا کا کوئی بھی ایسا مسئلہ جس کا رشتہ دین و شریعت سے جڑا ہوتا چاہے اس کا تعلق دنیا کے کسی بھی فن سے ہوتا آپ انتہائی اطمینان کے ساتھ دنیا کے سامنے اس کا حل پیش فرما دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ مسائل کے باب میں پوری دنیا کی نگاہ آپ کی طرف ہوتی۔ کسی بھی مسئلے کا جواب دینے کیلئے آپ کو کتابوں کی طرف رجوع ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ فقہ و فتاویٰ اور دین و شریعت سے متعلق اکثر کتابیں آپ کو ازبر تھیں یا بروقت آپ پہ رحمت الٰہی کی ایسی بارش ہوتی کہ عقدے خود بخود حل ہوتے چلے جاتے آپ کی کتاب حیات میں ایسے درجنوں نظائر موجود ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ ۱۳۲۴ھ میں حج و زیارت کا مقصد خیر لیے گھر سے روانہ ہوئے جب

www.muftiakhtarrazakhan.com

آپ نے حرم مکہ میں قدم رکھا تو مکہ شریف اور دوسرے بلاد اسلامیہ کے علماء ومشائخ کی آپ سے بغرض ملاقات آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ آپ کی یہ خصوصیت ہے اور آپ پر خاص فضل الٰہی تھا کہ آپ جہاں تشریف فرما ہوتے علماء ومشائخ اور اہل حاجت کی بھیڑ آپ کے پاس جمع ہوجاتی۔ حرم مکہ میں علماء سے ملاقات کا سلسلہ جاری تھا۔ علماء آپ کی بارگاہ میں اپنی مشکلات پیش کرتے اور آپ ان کی دینی، ملی اور علمی مشکلات دور فرماتے۔ علماء مکہ میں حضرت علامہ مفتی شیخ عبداللہ میرداد بن شیخ الخطباء شیخ احمد ابوالخیر بڑی علمی، فکری اور دینی وجاہت کے حامل تھے اور اعلیٰ حضرت سے آپ کو بڑی گہری وابستگی تھی۔ ایک روز آپ آپ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور کرنسی نوٹ کے حوالے سے بارہ سوالات پیش کئے۔ چونکہ اس مسئلہ کا تعلق پوری دنیا سے تھا اور بڑا ہی اہم مسئلہ تھا اس کا سرسری جواب نہیں دیا جاسکتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کی جگہ اور کوئی مفتی ہوتا تو سفر کا عذر کر کے اپنا دامن بچالیتا۔ آپ نے ایسا نہیں کیا۔ آپ نے سارے سوالات کو دیکھا اور قلم برداشتہ تحقیقی جواب لکھ کر سائل کے حوالے کر دیا۔ آپ کے اس جواب کا تاریخی نام ''کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراہم'' رکھا جس کے اعداد (۱۳۲۴ھ) ہوتے ہیں اس جواب کو پڑھنے کے بعد علماء مکہ خوشی سے سرشار ہوگئے۔ اور آپ کی بارگاہ میں مبارکبادیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ کتاب کے مباحث پہ اگر اجمالی گفتگو بھی ہوتی ہے تو یہ مقالہ کافی طویل ہوجائے گا۔ ہم یہاں سوالات اور انتہائی اختصار کے ساتھ ان کے جوابات پیش کرتے ہیں۔ کتاب عربی میں لکھی گئی ہے اور اس کا اُردو ترجمہ بھی مارکیٹ میں دستیاب ہے تفصیل کے طالب اصل کتاب سے رجوع ہوسکتے ہیں ذیل میں استفتاء کا ترجمہ اور اس کا جواب ملاحظہ کریں۔

آپ کا کیا ارشاد ہے۔ آپ کا فضل ہمیشہ رہے، اس کاغذ کے بارے میں جس پر سکہ ہوتا ہے اور اسے نوٹ کہتے ہیں اور اس میں متعدد باتیں دریافت کرنی ہے۔

(۱) کیا وہ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند؟

(۲) جب وہ بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گذر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

(۳) کیا اس سے مہر مقرر کر سکتے ہیں؟

(۴) اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں؟

(۵) اگر اسے کوئی تلف کر دے تو عوض میں اسے نوٹ ہی دینا ہوگا یا روپے؟

(۶) روپیوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوض اس کی بیع جائز ہے؟

(۷) اگر مثلاً کسی کپڑے سے اسے بدلیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مقایضہ؟ جس میں دونوں طرف متاع ہوتی ہے۔

(۸) کیا اس سے قرض دینا جائز ہوگا؟ تو ادا کرتے وقت نوٹ ہی دیا جائے گا یا روپے؟

(۹) کیا روپیوں کے عوض ایک وعدہ معینہ پر قرضوں، اس کا بیچنا جائز ہے؟

(۱۰) کیا اس میں بیع سلم جائز ہے؟ یوں کہ روپے پیشگی دیئے جائیں کہ مثلاً ایک مہینہ کے بعد اس قسم کا اور ایسا نوٹ لیا جائے گا۔

(۱۱) کیا یہ جائز ہے کہ جتنی رقم اس میں لکھی ہے اس سے زائد کو بیچا جائے مثلاً دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو یا اسی طرح اس سے کم ہو؟

(۱۲) اگر یہ جائز ہے تو کیا یہ بھی جائز ہے کہ جب زید عمرو سے دس روپے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے روپے تو میرے پاس نہیں

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہیں ہاں دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کی قسط بندی تیرے ہاتھ بیچتا ہوں کہ تو ہر ایک مہینے روپیہ دیا کرے، کیا اس کو منع کیا جائے گا کہ یہ سود کا حیلہ ہے اور اگر منع نہ کیا جائے تو اس میں اور ربا (سود) میں کیا فرق ہے؟ کیا یہ حلال ہوا اور وہ حرام حالانکہ دونوں کا حال ایک ہے یعنی زیادتی کا حاصل ہونا؟

ہمیں جواب سے فائدہ بخشو قیامت کے دن تمہیں اجر ملے گا۔

جواب:۔(۱) نوٹ قیمتی مال ہے رسید نہیں۔

(۲) شرائط زکوۃ پائے جانے پر اس میں زکوۃ واجب ہوگی اس لئے کہ وہ مال متقوم ہے۔

(۳) اسے مہر میں دینا درست ہے۔ جبکہ عقد کے وقت اس کی قیمت سات مثقال چاندی ہو۔

(۴) اگر شرائط پائے جائیں تو واجب ہے۔

(۵) ہلاک کرنے کی صورت میں اس کے مثل کے ساتھ تاوان واجب ہوگا اور ہلاک کرنے والے کو درہموں کی صورت میں تاوان ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(۶) جائز ہے جیسے عام شہروں میں لوگوں کے درمیان معمول ہے۔

(۷) یہ اصطلاحی ثمن ہے۔ لہٰذا کپڑوں کے بدلے اسے لینا بیع مقایضہ نہیں بلکہ مطلق بیع ہوگی۔

(۸) بطور قرض دینا جائز ہے۔ ادائیگی اس کے مثل سے ہوگی۔

(۹) جائز ہے بشرطیکہ مجلس میں نوٹ پر قبضہ کرے تاکہ دین کے بدلے دین نہ ہو۔

(۱۰) نوٹ میں بیع سلم جائز ہے۔

(۱۱) اس سے کم یا زیادہ کے ساتھ جس طرح دونوں فریق راضی ہوں سودا کرنا جائز ہے۔

(۱۲) جائز ہے اگر واقعی سودے کی نیت کرے قرض کی نہیں اگر قرض ہوگا تو حرام اور سود ہوگا۔

(امام احمد رضا کے تجدیدی کارنامے ص ۸۱)

اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ! پوری دنیا کی ضرورت تھے اور ان کی یہ حیثیت آج بھی محفوظ ہے ان کی کسی بھی حیثیت کو چیلنج کرنے والی اب تک کوئی طاقت سامنے نہیں آئی ہے۔ اور آئندہ بھی ایسی کوئی امید نہیں۔ مگر نظام قدرت سب سے بلند و بالا ہے۔ جن لوگوں نے آپ کی کسی تحقیق کو نشانہ بنایا ہے اس کے پس پردہ جذبہ شہرت کے سوا کچھ نہیں۔ اس لئے کہ آج دنیا میں کوئی ایسا دماغ نہیں جو اعلیٰ حضرت کے ساتھ ایک قدم بھی چل سکے۔ خودستائی کا کوئی دین دھرم نہیں ہوتا۔ ان کے ہاں علوم وفنون کی جو کثرت نظر آتی ہے اس کی مثال سے صدیاں خالی ہیں بلکہ آج ان کی تحقیقات کے متن کو سمجھنے والے افراد بھی بمشکل مل پائیں گے۔ ان کا علمی قد ہمالیہ کی چوٹی سے بلند تر ہے ان کی سمت دیکھنے والوں کے سروں سے ٹوپیاں گر جاتی ہیں ان کی شخصیت کو معجزۂ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روپ ہی میں دیکھنا اور برتنا ہوگا۔ کرنسی نوٹ کے تحقیقی جواب سے آج بھی دنیا حیرت کدہ بنی ہوئی ہے۔ ہماری کمی یہ ہے کہ جس انداز میں ان کی شخصیت کا تعارف ہونا چاہیے ہم سے نہیں ہو پا رہا ہے۔ ان کے بہت سارے علمی، فکری اور لسانی نوادرات آج بھی الماریوں کی زینت بنے ہوئے ہیں اور جو سامنے ہیں ان کی صحیح انداز میں اشاعت

www.muftiakhtarrazakhan.com

نہیں ہو پا رہی ہے۔ اشاعت میں حالات کے تقاضے کو بھی پیش نظر رکھنا ہو گا۔ ایسا ٹیم ورک ہی سے ہو سکتا ہے۔ ہمارے ہاں ٹیم ورک کا بھی تصور نہیں ہے۔ جو کام ہو رہا ہے ذاتی اور انفرادی طور پر ہو رہا ہے ہم سے تعاون اور اشتراک عمل کا جذبہ بھی رخصت ہو رہا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی ذات سے وابستہ ہر کام اشتراک عمل چاہتا ہے۔ علمائے پاکستان اس حوالے سے لائق مبارکباد ہیں۔ رضویات کے باب میں ان کا خلوص تقلیدی ہے۔ رضویات پہ ان کی کوشش فوراً عالمی توجہ حاصل کر لیتی ہے۔ رضویات کے باب میں بکھرے ہوئے ذہنوں کو بھی متحد کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ یہ کام سرمایہ چاہتا ہے۔ اس حوالے سے بعض افراد نے کوشش کی تھی مگر انہیں کامیابی نہ مل سکی ان کی کوشش آج بھی جاری ہے۔ جن لوگوں اور اداروں کے پاس وسائل ہیں وہ مرکز کے حصول کا جذبہ لیے پاگل ہو رہے ہیں ایسا خواب نہیں دیکھنا چاہیے جس کی تعبیر نہ مل سکے۔ کام ہی انسان کو عظمتوں کا مینار عطا کرتا ہے۔ مرکز کے لیے اعلیٰ حضرت کی شخصیت چاہئے۔ اعلیٰ حضرت کی فکر کی ترویج، تشہیر، تبلیغ اور تعلیم میں دارین کی سعادتیں پنہاں ہیں۔ چونکہ ان کی ذات، ان کی فکر اور ان کا نظریہ بارگاہ خدا و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مقبول ہے۔ ان کے ہاں جو خلوص، للّٰہیت اور عشق کی بے تابی ہے۔ اس عہد میں اس کا عکس بھی دور، دور تک نظر نہیں آتا۔ ان کا کام مختلف جہتوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اور ہر جہت آفاقی حیثیت رکھتی ہے۔ آج کا ذہن دو قدم بھی ان کے ساتھ چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ آج کی انسانی دنیا ان کے افکار و نظریات کو اپنی زندگی کی ترجیحات میں شامل کر لے تو دنیا پہ غالب آنے سے ہمیں کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ ان کے افکار و خیالات پہ یاد مدینہ تہہ بہ تہہ جمی ہوئی ہے اور یادِ مدینہ ہی دین کی اساس ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اللہ کی سرتابہ قدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی ولادت انسانی فکر و خیال کو صحیح سمت قبلہ دینے ہی کے لئے ہوئی تھی۔ آپ کی کتاب حیات کے ورق ورق سے اس کی بھرپور توثیق و تائید ہوتی ہے۔ آپ نے نفس کے زیر اثر کبھی کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ آپ نے ہمیشہ شریعت کو پیش نگاہ رکھا۔ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کو زندگی کے کس شعبے میں کٹھنائیوں کا سامنا ہے آپ ہر وقت اسی تاک میں ہوتے۔ جہاں دقتیں نظر آتیں آپ اس کے دفاع میں مصروف ہو جاتے۔ جہاں آپ کی نگاہ اسلامی معاشرے کی بہتر تعمیر پہ ہوتی۔ وہیں بعض افراد ایسے بھی تھے جو شعوری یا لاشعوری طور پر ایسا کام کر جاتے جس سے اسلامی معاشرے کے اضطراب میں اضافہ ہو جاتا۔ جب اضطراب میں شدت آجاتی تو علمی دنیا آپ سے رجوع ہوتی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ ملت کے طبیب حاذق تھے۔ نبض پہ ہاتھ رکھتے ہی مرض ان کی پکڑ

www.muftiakhtarrazakhan.com

میں آجاتا۔ اور آپ فوراً ہی اس کی دوا تیار فرمادیتے۔ آپ کی تجویز کردہ ہر دوا زود اثر ہوتی۔ آپ کی تشخیص و تجویز کردہ دوا کو دنیا کی کوئی طاقت نہ غلط ثابت کر پاتی نہ اس میں چیلنج کرنے کی صلاحیت تھی۔ آپ کے عہد میں بہت ساری تحریکات وبائی تھی وہ ملت کے جسم کے ہر حصے کو مفلوظ کر دینا چاہتی تھیں۔ مگر نظام قدرت ہے کہ باطل جتنا مضبوط ہوتا ہے اس کی شہ رگ کو کاٹنے کے لئے رب اس سے کہیں زیادہ مضبوط قوت بھیجتا ہے۔ جب بھی دنیا میں کوئی فرعون پیدا ہوتا ہے اس کے غرور کا سر توڑنے کے لیے موسوی خصوصیات وصفات کی حامل شخصیت جلوہ افروز ہوتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کا شمار دنیا کی موسوی صفات کی حامل شخصیات میں ہوتا ہے۔ آپ کے عہد میں دنیا میں کوئی ایسی باطل قوت نظر نہیں آتی جس کی آپ نے اپنی زبان وقلم سے سرکوبی نہ کی ہو اور کوئی پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ ایسا نہیں ملتا جس کا آپ نے سنجیدہ حل نہ پیش کیا ہو۔

دنیا میں فروغ انسانی کے ساتھ ہی ڈاک کا نظام شروع ہو گیا تھا۔ نقل مکانی انسان کی فطرت ہے۔ جدید زمین سے رشتہ قائم ہوجانے کے بعد قدیم زمین اس کا رشتہ ٹوٹتا نہیں ہے۔ خون میں کشش ہوتی ہے وہ کشش ایک کو دوسرے سے قریب رکھتی ہے۔ جس مٹی سے انسان کا قدیم رشتہ ہوتا ہے اس کی خوشبو بھی انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اپنی مٹی سے باخبر رہنے کی ایک مؤثر صورت ڈاک کا نظام ہے۔

ڈاک کا نظام پوری دنیا میں رائج ہے۔ اس ادارے سے بہت ساری انسانی ضرورتیں وابستہ ہیں۔ انسانی اور ملکی فلاح کے لیے گورنمنٹ کے جو ادارے کام کرتے ہیں ان میں ڈاک کا نظام قدرے اطمینان بخش ہے۔ اب اس کے متبادل کے طور پر کئی دوسرے ادارے بھی وجود میں آچکے ہیں پھر بھی نظام ڈاک کی معنویت، اہمیت اور انفرادیت برقرار ہے۔ اور دن بدن اس میں شفافیت آرہی ہے۔ ماضی میں صرف خط وکتابت کی ترسیل تک یہ ادارہ محدود تھا۔ رفتار زمانہ کے ساتھ اس میں ترقی ہوتی رہی۔ تو اس کے دائرہ خط وکتابت سے آگے بڑھا۔ اور منی آرڈر، بیمہ، پارسل اور دوسرے ساز وسامان کی ارسال وترسیل بھی اس کے دائرے میں آگئی۔ گورنمنٹ کی طرف سے سامان کی ارسال وترسیل کی اجرت متعین ہے۔ منی آرڈر، بیمہ اور پارسل کی بھی اجرت متعین ہے۔ منی آرڈر کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی دو سو روپے بھیجنا چاہتا ہے تو اسے دس روپے گورنمنٹ کو اضافی رقم دینی پڑے گی۔ شرعی نقطۂ نگاہ سے دس روپے اضافی رقم گورنمنٹ کو دینا درست ہے۔ یہ نظام جاری تھا اور ملک کا ہر شہری بوقت ضرورت نظام ڈاک سے استفادہ کررہا ہے۔ اسی دوران مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب سے اضافی رقم کے بارے میں سوال ہوا انہوں نے بغیر سوچے سمجھے جواب دیا کہ گورنمنٹ جو اضافی رقم دیتی ہے وہ ربا (سود) ہے۔ یہ جواب انتہائی طفلانہ تھا ان کے اس جواب سے ہزاروں ہزار لوگ معصیت کا شکار ہورہے تھے۔ ان کے اس جواب سے پورے ملک میں اضطراب پھیل گیا۔ جب اضطراب میں شدت آگئی تو علماء اور مفتیان کرام کی ایک جماعت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ سے رجوع ہوتی۔ آپ نے اس اضافی رقم کے جواز کا حکم صادر فرمایا۔ آپ کو جواب نے پوری دنیا کے مضطرب اذہان کو مطمئن کردیا۔ ڈاک کا یہ مسئلہ ملکی تھی مگر اس کی حیثیت عالمی تھی۔ چونکہ پوری دنیا میں ڈاک کا نظام جاری ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا فتویٰ کتابی شکل میں ''کتاب المنیٰ والدرر لمن عمد منی آرڈر'' شائع ہوچکا ہے اور فتاویٰ رضویہ میں بھی شامل ہے۔ مقالے کا بقیہ حصہ ''سنی دنیا'' کے آئندہ شمارے میں ملاحظہ کریں۔

❖❖❖

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا کے علم و آگہی میں حروف تہجی کے تمنائی تقاضے

از : ڈاکٹر عبدالمالک
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو جے پی یونیورسٹی، چھپرہ، بہار

آخر زبان وادب کا تقاضہ کیا ہے کہ بنی آدم علم و آگہی کے صفحہ قرطاس پر حروف تہجی کی حقیقت کی تلاش وجستجو کرے اور ہر حروف کی علت اور اس کی ماہیئت سے آشنائی پیدا کرے یا اس کی خوبی ودانائی سے قربت حاصل کرے یا عہد آفریں کے آئینے میں دھندلے نقش کی کھوج کرے یا اس محور کے گرد چکر لگاتا رہے یا پھر فضائے بسیط کے آفاقی سچائیوں کا مراقبہ ومشاہدہ کرے یا پھر دیو مالائی پربت کے رہسیہ میں دھیان وگیان کرے نہیں تو حروف تہجی کے قبیل کی بلندیوں سے جھانکے اور اس کی رفعتوں میں خود کو گم کردے، یہ عجیب علم انسانی کا حیرت انگیز نظریہ ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر ہری کیش سنگھ شیخ الجامعہ جے پرکاش یونیورسٹی چھپرہ نے حروف تہجی کے بارے میں مجھ سے سوال کیا؟ کیا کسی نے کچھ سمجھا! آخر یہ سب کچھ کیوں کر ہوا! کیا اس کی ضرورت تھی کہ اک خاص انداز میں موضوع کی طرف قدم بڑھائیں جہاں شرح وبسط کے آئینہ میں فکر وفن کے ہزاروں شعبے رونما ہیں بلکہ اس کی خوب روئی کی پاکیزگی اور اس کی صورت وسیرت کا کمال ہے کہ ننھا سا بچہ پہلی بار کتاب کی طرف دیکھتا ہے اور پڑھتا ہے تو اللہ کے نام سے شروع کرتا ہے، کیا انسان بھول گیا یا اسکی عقل کمزور تھی کہ مبتدی کی حالت میں اس کی حقیقی مایہ بس حروف تہجی تھی اور اس کے مبدائے فیض کا اثر ہے کہ آج فخر وناز کا سبب بنا! بلکہ نفی واثبات کی آماجگاہ میں پیکر انسانی کی رفعتوں کو دیکھے اور بے مثل عروج وارتقا کے پہلوؤں کو موضوع بنائے تا کہ حروف تہجی کے مکتب کی کرامت اور اس کی افادیت کو جانے حالانکہ زمین کائنات کا ہر آدمی اپنی عقل اور فکر وفن سے متاثر نظر آتا ہے یہاں تک کہ ابتدائے آفرینش سے علم وجہل کے درمیان عقل کی تابانی دیکھی گئی ہے جب کہ پہلی مرتبہ صحیفہ ابراہیم نے کلدانیوں کو سرزمین عراق میں علم کی شناخت پیدا کی تو آتش نمرود کی سرکشی نے خاکستر کرنے کی ٹھان لی تو حکم ربانی سے آگ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو گئی لیکن مولائے کائنات نے اسی عراق میں حروف تہجی کی بنیاد اور حروف کی ذات وصفات کی ترویج وترقی کے لئے قاعدہ بغدادی کی ترتیب دی جسے ہم حروف اب تث کہتے ہیں ہر بولی بولنے والا بچہ یقیناً پڑھنے کے قابل ہوتا ہے اور حروف شناسی کی تعلیم حاصل کرتا ہے تو یقیناً حروف تہجی کی ساخت کے اسلوب سے علم رقم ہوتا ہے مگر چودہ حروف شمسی ہیں تو چودہ حروف قمری ہیں اور سات سات حروف آتشی، بادی، آبی اور خاکی ہیں اس میں کسی قسم کی کوئی ترمیم واضافہ کی ضرورت نہیں بس حقائق کے پردے میں اس کی ساخت اور تلفظ محفوظ ہیں۔ بس آسمان کائنات کی طرف نظر ڈالو گے تو ازلی نگارش کی ترویج کی تاریخ کائنات کے صفحہ پر یقیناً معلوم ہوگی۔

بہر کیف علامہ رضا علی خاں کے خانوادۂ رضویہ میں امام احمد رضا کی ولادت ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ محلہ جسولی میں ہو

www.muftiakhtarrazakhan.com

ئی احمد رضا فاضل بریلوی احیائے ملت اسلام کے چشم و چراغ ہیں اور تاج الشریعہ نبیرۂ اعلیٰ حضرت ہیں بفضلہٖ تعالیٰ قفص عنصری سے بے نیاز ہیں جو مفتی اعظم ہند کے نواسہ ہیں خانوادۂ اہل نوریہ کے پروردہ اک علمی منارہ ہیں جب نانا جان نے علم ظاہری کی بنیاد قلب دجگر میں ڈالی تو ننھا چار سالہ بچہ کی بسم اللہ خوانی حروف تہجی سے ہوئی علم وادب کا تقاضہ ہے کہ جب پوری طرح حروف تہجی کی صورت وشکل کی پہچان محض کسب سے ہوگی یا ودیعت کی توفیق ہوگی تو علم کی آگہی ودانائی معلوم ہوگی یہ مکتب نشینی کی رسم پہلی مرتبہ نہیں تھی کہ حروف تہجی کی مٹھائی تقسیم نہ ہوتی غدر کے بعد اہل سنت والجماعت نے دیکھا تھا کہ بریلوی مکتبہ فکر کے جد امجد کی موجودگی میں مولانا مفتی نقی علی خاں کے بیٹے حضرت امام احمد رضا کی رسم بسم اللہ خوانی ہوئی تھی عمر محض چار سال کی تھی تو حروف تہجی کی ساخت کے اسرار واشارے کی فطری مبادیات نے مفرد ومرکب کی حرف تحلیل کی وضاحت طلب کی! تو مولوی اور سامعین حروف شناسی کے مکاشفاتی تنوعات کے دائرہ میں مبہوت ہوگئے بریلی مکتبہ فکر کی پہلی درسگاہ تھی کہ حروف تہجی کی بنیادی وصف کی تمہیدی امور کی طلب نے تنقیح کی نوعیت پیدا کردی تو معصوم بچہ نے حرف حقیقت کی شہادت بلا کسی مشارکت کے دیدی حسن تکلم کے جوہر پارے نے ازلی نگارش کی تکوینی تلفظ ظاہر کردی آخر کار بچے نے اپنی شہادت کی انگلی سے علم وآگہی کی جلا بخشی تو عرفائے محققین نے گذشتہ زمانے کی تاریخی روش کی طرف نگاہ ڈالی تو علم وآگہی کی تمام وسعتیں بے کراں جذبے سے آشنا ہوئیں اور اس کی مراجعت نے قرن اولیٰ کی طرف مدافعت بخشی ایام جہالت کے دن گزر چکے تھے علم وہدایت کے کھلے رمز وکنائے زمین کائنات میں پھیل چکے تھے لفظی کشمکش کے پہلوؤں میں بے کراں جذبات سے متاثر تھے مگر الفاظ اپنی نسل کی افزائش چاہتا تھا خواہ کسی زبان وادب کا حروف تہجی ہو اپنی سالمیّت اور حقیقتوں کا آئینہ ہے تو بریلی کے مفتی علامہ رضا علی خاں نے بچہ کو گود میں لے لیا چونکہ حروف تہجی کے اک مرکب حرف نے مبادیات کے نظام کو وضع کیا تھا۔ بلکہ مرکب حرف ہونے کے باجود اس کے مفرد تلفظ ہیں گویا تلفظ کا جوہر لام الف پر مبنی ہے۔ مولائے کائنات نے اپنی جودت طبع سے اک حسین نیم ابجدی نوع کی ترکیب کی ہے۔ ادب عالیہ کا یہ اولین درس عمل ہے کہ حروف تہجی میں ایک حرف کا اضافہ کر کے بنیادی روش کو وضع کردیا تاکہ لڑکپن میں ذہن و مزاج قبول کرلے اور دو مفرد حروف تہجی کی تخریجی نوعیت کی عادت پڑ جائے یعنی دونوں حروف جدا جدا اپنی حقیقی شان میں ظاہر ہوں تاکہ حرف مرکب کی وضاحت کی تقدیس کی تفہیم آرائی ممکن ہو، اور اس کی ابتدائی تعلیم اک اک کر کے ظاہر ہوں۔ سوانح اعلیٰ حضرت کا متن ملاحظہ کیجئے:

''حضرت جد امجد نے جوش محبت میں آپ کو گلے لگالیا اور دل سے دعائیں دیں پھر فرمایا بیٹا! لام، اور الف کے درمیان صورۃً اور سیرۃً بڑا گہرا تعلق ہے۔ لکھنے میں دونوں کی صورت اور شکل ایک دوسرے کی طرح ہے دیکھو لا۔ لا۔ لا اور سیرۃً یوں تعلق ہے ''لام'' کا قالب الف ہے اور الف کا قلب لام ہے یعنی ل ام کے بیچ میں الف اور الف کے بیچ میں لام ہے۔ (۱)

بہرکیف آغاز وانجام سے بے فکر علم وحلم کے چراغ جلتے ہیں تو جلنے دینا چاہیئے اور اس کی روشنی سے فائدہ حاصل کرنا چاہیئے غدر کے بعد بریلی شریف کے متبحر عالم دین، قاضی القضاۃ فی الہند نے لا کی صورت وسیرت بیان کی کہ لام والف کو یکجا کردیا جائے تو لا بن جاتا ہے مگر تلفظ کی حیثیت سے اس کی تجویدی تحدید بیان کی اور اس کی ظاہری شکل وصورت کی ترجمانی کی اور لا کی باطنی سیرت کی نفاست بیان کی گرچہ عام طور پر لا حرف نفی کی علامت ہے مگر حروف تہجی میں لام الف پڑھا جاتا ہے شکل لا کی ہوتی

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہے اور اس کی سیرت کی خوبی و بزرگی یہ ہے کہ لکھا جائے تو من و عن لکھاوٹ کا حرف پابند نہ ہو مگر پڑھا جائے تو انسان کی زبان کا تلفظ پابند ہو گویا ادب کا مزاج آزاد ہے۔ اجتہاد فی الحروف کی نوعیت کا تجزیہ کریں تو جن حروف سے لفظ کا دارومدار ہے فی الحقیقت اس کی آواز حروف کی علامت نہیں ہوتی گویا ادب کا تقاضہ ہے کہ لکھا جو کچھ جائے وہ پڑھا نہ جائے بلکہ یوں کہئے جو پڑھا جائے وہ لکھا نہ جائے اس کے باوجود اس دنیائے فانی میں ہر زبان کی حروف تہجی کی حکمرانی اب تک قائم ہے جب اسلام نے حروف تہجی کی سہ نکاتی پہلوؤں کو بنی نوع انسان کی زبان و بیان کے درس میں شامل کیا تو حروف تہجی کی جزوی تحقیقات کی الجھنوں سے ادیبوں نے بھی اپنا دامن بچایا چونکہ اس امر کا رواج نہ تھا۔ البتہ بنوسعد کی عربی زبان نہایت فصیح و بلیغ تھی بلکہ عربی زبان کی تقدیس حروف تہجی سے قائم تھی مگر یورپ کے اہل تحقیق نے یہ کہا کہ عرب نے حروف تہجی عبرانی سے لی ہیں گویا نبوت سے سیکڑوں سال قبل عرب میں حروف تہجی و حروف ابجد کا رواج عام تھا البتہ عرب میں اسلام نے حروف مقطعات سے متنبہ کیا تو عربیوں کے مزاج میں فرق آیا ابھی تک حروف تہجی کی بنیاد پر الفاظ کا دارومدار تھا اور کلمہ وکلام کرنا بالکل سہل سمجھا جاتا تھا لیکن قرآن نے واضح کر دیا جن کا علم کسی مصلحت سے عام بندوں کو نہیں دیا گیا لیکن اللہ و رسول ہی جانتا ہے اس پر اکتفا کیا یہاں تک کہ کسی نے انکار نہیں کیا۔

بہر صورت بات نکلتی ہے تو نکلتی چلی جاتی ہے گر کلاسیکی عہد کے بے خود نوع کا اعتراف ممکن ہے تو حروف تہجی کی تحقیق کی جائے گی۔ چونکہ بزم کائنات کی رونق شوں شوں و پوہ پوہ کے نظریے سے ماخوذ ہے ورنہ نکتہ شناسوں کی نگاہ ناز کے حسین شوشے ادب میں نقطۂ موہوم کی طرح لازوال ہیں اور چپ چاپ پربت کی قاش پر اپنی حقیقت بیان کر رہی ہیں۔ گویا سنگ ریزہ کے آنچل میں مدہوش پڑی اپنی نسل کی افزائش کی ترویج و ترقی کو دیکھ رہی ہیں سندھو گھاٹی کی تہذیب کی پردہ داری کی جھلک آج بھی نیم ابجدی حروف کے رگ و پے میں باقی ہیں بلکہ بنی نوع انسان کی کہانیاں ہزاروں، لاکھوں سال سے بے بس پڑی ہیں ٹھیک اسی طرح حروف تہجی کی صنعت و حکمت خاک نوع کی نمائندہ ہیں۔ اگر اس کی صنعت تصریف کو وضع کئے جائیں اور موقع ومحل کے اعتبار سے تصرف نہ کیا جائے تو غیر ذی زرع یا بے آب گیاہ پربت کی نشانیاں اپنی جگہ محفوظ ہیں۔ مسیح کے ہزاروں سال قبل زمین کائنات کے زمزمہ نوع نے کیا متنبہ نہیں کیا تھا کہ سنو! سامی زبان بھی جزیرہ نمائے عرب کے خطہ سے منسلک ہے۔ لیکن بحیرۂ اوقیانوس کے کنف میں جوان ہوئی ہے۔ حالانکہ سامی گروہ میں بابلی، سریانی، عبری یا عبرانی، حمیری یا جنوب کی عربی ارامی، فنیقی، حبشی اور عربی زبانیں شامل ہیں۔ اسی طرح دیومالائی زبان کی تمہیدی علت کی تہدید پربت کی چوٹیوں سے ملتی ہے۔ لیکن ہندوستان کی قدیم کتابوں کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ آریا یا آری دونوں ایک قوم کا نام ہے۔ مگر ان کی جہاں پیدائش ہوئی مسلسل دو ہزار سال تک مقیم رہے اور اس کے بعد ہجرت کئے۔ یا ہمالیائی پربت کی دیوی کی بولی تھی بہر حال ادبیات ایران میں یوں مذکور ہے جو اپنی صداقت کی حسین اک نوعیت ہے۔ ڈاکٹر رضا زادہ شفق کی کتاب ''ادبیات ایران'' کی کھوج ملاحظہ کیجئے:

''غالباً ایران کا لفظ بھی جو اپنی قدیم شکل میں ایریانہ اور آریانہ یعنی آریاؤں کا مسکن تھا۔ اسی دور کی یادگار ہے لیکن بہت سے علما کے نزدیک ہندو اروپائی زبان کا اصلی وطن یورپ کا شمالی اور دریائے ڈینیوب کے آس پاس کا علاقہ ہے یہ قوم حضرت عیسیٰ سے دو ہزار سال پہلے سے جنوب میں یعنی بحر سفید (ابیض) کے سواحل اور مشرق میں ایران اور ہندوستان میں ہجرت کر گئی اس لحاظ سے ہندو اروپائی زبانیں اسی قوم کی زبانیں ہیں اور آریائی زبانوں کا اطلاق بیشتر ایرانی اور ہندی گروہ کی زبانوں

www.muftiakhtarrazakhan.com

پر ہوتا ہے۔" (۲)

ادبیات ایران کی توصیفی سند تو محض ایریانہ یا آریانہ مبسوط کی دلیل ہیں۔ گویا آریاؤں کا جائے مسکن ایران ہی تھا جہاں سے کوچ کر کے آئے۔ نیم ابجدی حروف کی تشکیلی نوعیت نے جو وضاحت کی ہے وہ ہند آریائی کی متحد الاصل نسل کی قربت کے ساتھ لفظی تناسب کی نسلی انفرادیت کی مبہم توقیر کی عظمت ہے۔ بلکہ زمین کائنات کے لاکھوں گوشے آج بھی زمانے کی تنگ داما نیوں کا ذکر کر رہی ہیں کہ بنجر زمیں کی حقیقت کچھ نامعلوم شئے کی امانت ہیں گویا زمین شور سنبل بر نیارد کی ضمانت ہیں۔ نیم ابجدی حروف کی تحقیقی کاوش نے سمجھا نہیں تو ممکن ہے ہاتھ سے لکھے ہوئے کتبے آنکھ سے دیکھ کے نہ پڑھی جائیں بلکہ محقق کی نظر میں بینا و نابینا ایک ہی صف میں نظر آتے ہیں۔ مہنجوڈارو رسم خط رکنواری تصور نگاری کا رسم خط ہے اور برہمی رسم خط نیم حروف ابجدی ہے، چنانچہ ادبیات ایران نے قدیم ایریانہ کی حروف تہجی کی توضیحی صورت کی تشکیلی نوعیت تو بیان کی ہے مگر فنیقی حروف تہجی کی سند اختیا کی ہے۔ حالانکہ بت اور بَت کے بتنگڑ کی تحلیل صرفی کی روایت قائم کی ہے۔ ادبیات ایران کے انداز بیان کو دیکھئے ☐

"ابجدی الفاظ اصل میں فنیقی زبان سے آئے ہیں فنیقیوں نے ہر حرف کو ایک ایک چیز کے نام کی پہلی آواز کے برابر مقرر کیا اور اس اسم کو وہ حرف دے دیا اس طرح پہلے حرف کو الف قرار دیا جس کے معنی فنیقی زبان میں بھینس کے ہیں، اس کی پہلی آواز جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں (ا) تھی۔ دوسرا حرف انھوں نے (بت) قرار دیا جو عربی لفظ بیت کی اصل ہے اور گھر کے معنیٰ دیتا ہے "الفابت" یا "الفباء کی اصطلاح ان ہی دو فنیقی لفظوں سے بنی ہے اسی طرح دوسرے حرف بھی اسی ترتیب سے بنا ئے گئے۔ یونانیوں نے فنیقیوں سے یہ حرف سیکھے اور فنیقیوں کی ترتیب کے مطابق ان کا نام الفابتا رکھا گیا۔ (۳)

بہر کیف متحد الاصل لفظی تناسب کی تحدیث نہ تھی بلکہ پہاڑی تخفگی کی حسین علامت تھی۔ فنیقی انتشاریت نے گوناگوں تر کیبیں نکالیں اور تحریف کی کئی صورتیں قابل مداومت سمجھی گئیں۔ مگر اصلی معانی میں تنوع یا وسعت نے خیر مقدم کیا۔ مگر ہند وارو پا ئی کی اصل مشترک اصولوں نے ریشے کی ترکیب کی مگر دیومالائی تجر نے قابل قبول نہ سمجھا۔ تو کیا مفتیان شرع وعقائد کے نزدیک نقل کفر، کفر نہ باشد کے مصداق ہے جب اکبر نے چوتھے اتھروید کا فارسی میں ترجمہ کرانے کی کوشش کی تو ملا عبد القادر بدایونی کو حکم دیا کہ اس مقدس کتاب کا ترجمہ فارسی زبان میں کر دحالانکہ پنڈتوں کے یہاں دوسرے یجروید سے زیادہ چوتھے اتھروید کی اہمیت نہ تھی بہر حال بزم تیموریہ کی عبارت ملاحظہ کیجئے:

"اتھروید ۹۸۳ھ (۱۵۷۵ء) ہی میں اکبر نے چوتھے وید کو فارسی میں ترجمہ کرانے کی کوشش کی، ملا عبد القادر بدایونی کو حکم ملا کہ وہ اس کا ترجمہ کریں، ملا صاحب لکھتے ہیں کہ اس کے بعض احکام اسلام کے مطابق ہیں مثلاً اس کے احکام میں ایک حکم یہ ہے جب تک کہ ایسی عبارت جس میں "لام" بہت آتے ہیں جیسے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھی نہ جائے نجات نہیں ہوگی۔" (۴)

بہر کیف ملا عبد القادر کو اتھروید کی عبارت کی پیچیدگیاں سمجھ میں نہ آئیں۔ ہمارے صفحہ قرطاس پہ تحریر و تصویر قلم کی نگارش ہے جس سے ہم دیکھتے ہیں مگر سمجھ نہیں سکتے! کیا آج ترقی یافتہ دور میں قلم کی صریر محفوظ (ٹیپ) کی جا سکتی ہے۔ گر آواز سمجھ میں نہ آئی تو شرف و منزلت کی قدر کی جائیگی یا پس پردہ جہالت کی توہین ہوگی جسکو ہم دیکھتے ہیں تو حروف تہجی کی صورت و شکل سمجھ میں آجاتی ہے۔ حروف تہجی جب انسانوں کی زبان زد ہوئی تو صفحہ قرطاس کی ضرورت نہیں بس زبان سے نکلے اور قلم کی آواز سے

www.muftiakhtarrazakhan.com

فضائے بسیط پر منقش ہوتی چلی جائے اور سننے والے کان سے دیکھیں اور دل ودماغ سے قبول کرلیں۔ کیا ظاہری تنگ ودو کے پردہ راز کو فاش کردیا جائے۔ بہر کیف ملا کی مدد کے لئے اک نومسلم برہمن شیخ لہاون عبارت کی تعبیر کے لئے مقرر ہوئے اس کے باوجود ملا نے انکار کردیا تو اکبر نے فیضی کے حوالے کیا تو وہ بھی اس کام کو کرنہ سکا تو حاجی ابراہیم سرہندی کو دیا گیا مگر بخوبی ترجمہ نہ کرسکا۔ (بدایونی ج ۲ ص ۲۱۲)

بہر حال اتھر وید میں ''لَ'' سنسکرت کا شبد ہے اس کی توضیحی نوعیت بیان نہیں کی اور ''لَ'' کی وضاحت طلب امور کی جانب قدم نہ بڑھایا عربی وفارسی میں ''ل'' یعنی لام لکھی جاتی ہے جو سنسکرت میں عربی وفارسی کا نعم البدل ہے ممکن ہے کہ ''لَ'' کی صورت دائیں اور بائیں کی وجہ سے سمجھ میں نہ آئی ہو۔ قبل مسیح حروف تہجی کی مایا اپنی تقدیس کی صفت سے ممتاز تھی۔ اور لام کی ساخت بالکل تشدید کی طرح تھی فرق تھا تو محض حرف کا پہلا سرا بڑا اور دوسرا پہلے سے چھوٹا اور تیسرا دوسرے سے چھوٹا تھا جو خاکہ سے نمایاں ہے دیوناگری کی لَ کی طرح ٹھیک مخفی حروف تہجی میں لَ یعنی لام کی صورت وشکل تھی مگر اس کی ہیئت بالکل بدل گئی ہے جو شوشہ کا سرا اوپر تھا اس کو الٹا کر دیا گیا ہے۔ عبارت کی سجاوٹ میں دائیں اور بائیں کا فساد مخفی قلم نگارش کی دین ہے محمد حسین آزاد نے سخندان فارس میں لکھا ہے کہ:

''جس زبان کو دیکھو۔ دوسری زبان کے بعض حروف تہجی تو اس میں نظر آتے ہیں، بعض نہیں، پھر یہ کہ جو حرف ایک زبان کے لئے خاص ہیں۔ اس حرف والا لفظ جب دوسری زبان میں جاتا ہے تو حرف مذکور کسی اور حرف سے بدل جاتا ہے۔ اوّل یہ سمجھو کہ حروف تہجی کیا ہیں؟ زبان ودہان کے اختلاف جنبش سے جو آوازوں میں فرق پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا نام حرف ہے، منہ، زبان اور گلے میں بال بال بھر فرق سے نیا حرف ہوجاتا ہے۔'' (۵)

سخندان فارس میں حروف تہجی کی حقیقی صورت وشکل کی وضاحت ہے۔ مثلاً حرف لَ یعنی لام کو ہی لے لیجئے۔ عربی وفارسی میں دہان کی حرکت اور تلفظ یکساں ہے مگر سنسکرت میں لَ کا تلفظ میں میم کی آواز ساقط ہے بلکہ اس کا وجود تلفظ کے تحت ممکن نہیں اور خالص لَ اپنے طاقتور زبر سے نمایاں ہے۔ محمد حسین آزاد نے لکھا کہ زبان ودہان کے اختلاف کے باعث حروف تہجی کی صورت میں تخفیف ہوئی۔ لَ کی تخفیفی صورت میں دقت ہوئی جب دائیں سے لکھے جانے والے نیم ابجدی حروف میں یکسانیت تھی مگر بائیں سے لکھے جانے کے بعد حروف تہجی کی صورت بالکل بدگئی۔ بلکہ ایرانہ آہنگ طبع نے اس کی تدریجی صورت کی تفہیم آرائی میں تکلف نہیں برتا اور من وعن قبول کرلیا۔ کنعانی حروف تہجی کی صورت بالکل دائیں سے لکھی جاتی تھی بلکہ لَ یعنی لام کی مقاہمت کی تمہیدی نوعیت نے ایسی تحریک کی اتباع کی کہ مخفی قلم نے اس کی وضاحت طلب کی تو خود مختاری کی انتہا دیکھی گئی کہ قلم تے ایک بار اٹھایا اور دائیں کے بجائے بائیں سے ترتیب دے ڈالی بالکل اسی کی مشابہت تھی۔ لفظی تناسب کی تجدیدی تحریف محض صورت میں شامل تھی۔ اور تمام شکوک وشبہات کو یکسر کالعدم قرار دے دیا گیا۔ علوم وفنون کے تمام تنافر کے مجتہد کا خیال رکھا۔ اس کے ہجانے تلفظ کی ثقالت سے متنبہ کیا تاکہ اس کی معنوی تفہیم کی تنقیص کی تحویل نہ قائم کی جائے۔

تفسیر ابن کثیر میں حروف مقطعات کا تذکرہ ہے یہ سب حروف ہجا ہیں عربی کے اعراب کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں ہر حروف کے ساتھ تاکیدی تخریج بالسان لازم طے پائی ہے گویا حروف ہجا بالکل مخرج کے ساتھ وضع کئے جائیں جس سے حروف

www.muftiakhtarrazakhan.com

تہجی کی حقیقی نوعیت کی وضاحت مکمل طور پر ہوتی ہے قاری کے ذہن ودماغ میں واضح طور پر حروف تہجی کے حروف ظاہر ہوتے ہیں اور سامعین بھی سنتے ہیں قرآن شریف میں کل ایک سو چودہ سورتوں کا بیان ہے مگر انتیس سورتوں میں حروف مقطعات بیان کئے گئے ہیں حروف مقطعات سورۃ کے شروع میں اللہ نے نازل کیا ہے، ملاحظہ کیجئے:

''مجاہد کہتے ہیں کہ سورتوں کے شروع میں جو یہ حروف ہیں مثلاً ق، ص، حم، طسم، الر وغیرہ یہ سب حروف ہجا ہیں بعض عربی داں کہتے ہیں ان میں چند ذکر کر کے باقی کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ میرا بیٹا اب ت ث لکھتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمام اٹھائیس حروف لکھتا ہے لیکن ابتداء کے چند حروف کا ذکر کردیئے باقی کو چھوڑ دیا۔''(٦)

بہر کیف تفسیر ابن کثیر میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ حروف تہجی کی تعداد محض اٹھائیس ہیں مگر چودہ حروف کا ذکر کیا گیا ہے اور چودہ حروف کا ذکر نہ کیا گیا۔ گویا چودہ حروف کچھ تو ایسے ہیں جن کا ذکر بار بار کیا گیا ہے۔ یعنی تکلفات کے تکملہ میں اس کی سطوت کی سعادت مندی تھی تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ کچھ حروف ایسے ہیں جن کا ذکر مذکور میں نہیں کیا ان کی حیثیت سقوط کی منزل کی تھی کہ لیکن سنجیدگی ومتانت بہت بڑی چیز ہے۔ کیا جو حروف مقطعات میں لائے گئے ہیں وہ حقیقی ہیں اور جو نہ لائے گئے ہیں غیر حقیقی ہیں یا پھر مہموسہ ہیں یا مجہورہ ہیں لیکن حروف مقطعات میں مہموسہ ومجہورہ دونوں حروف تہجی لائے گئے ہیں اس کی کیا حکمت ہے مگر اس کی تصریف ہی اک حکمت ہے، بہر حال قرآنی سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات لائے گئے ہیں، تاکہ بنی نوع انسان کی فہم ابتدائی طور قابل گردانا جائے، جو بات بار بار قابل قبول سمجھی جائے وہ لائق تحسین ہے، اس طرح کل چودہ حروف لائے گئے ہیں، جسکی ترتیب نہ حروف تہجی کہ ہے اور نہ حروف ابجد کی ہے، البتہ اس کی ترتیب وتبویب محض سورۃ قرآن کے مطابق ہے اور مستحسن حکم باری تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا کیا ہے۔ عبدالرشید نعمانی کے امور طلب کا جائزہ لیجئے:

''سورتوں کے شروع میں اس طرح کے کل چودہ حرف آئے ہیں ا، ل، م، ص، ر، ک، ہ، ی، ع، ط، س، ح، ق، ن۔ ان سب کو اگر ملا لیا جائے تو یہ عبارت بنتی ہے نص حکیم قاطع لہ سر تعداد کے لحاظ سے یہ حرف چودہ ہیں اور جملہ حروف چونکہ اٹھائیس ہیں اس لئے یہ پورے آدھے ہوئے جو حرف بیان کئے گئے یہ ان حرف سے جو نہیں لائے گئے زیادہ فضیلت والے ہیں۔ اور یہ صنعت تصریف ہے ایک حکمت اس میں یہ بھی ہے کہ جتنی قسم کے حروف تھے اتنی قسمیں باعتبار اکثریت کے ان میں آگئیں یعنی مہموسہ، مجہورہ وغیرہ۔''(٧)

تفسیر ابن کثیر میں حروف مقطعات کی توجیہی صورت بیان کی گئی ہے۔ یعنی حروف تہجی کی حکمت اور اس کی تصریف بیان کی ہے۔ بلکہ یہ اک مژدہ بنی نوع انسان کے لئے ہے جو قابل تعریف ہے۔ کیوں کہ بار بار جس حرف کو پڑھا جائے گا اس کی گردان لازم قرار دی گئی ہے حسن اتفاق ہے کہ حروف تہجی کی تدوینی صورت وسیرت بالکل جدا ہے اور اس کی ترکیبی نوعیت بھی دل نشیں ہے۔ حالانکہ مقطعہ کی جمع مقطعات ہے مگر اس کی صفت مقطوع کا محل انتہا پر موقوف ہے۔ یوں تو کپڑے کے کاٹنے کو یا قافلہ سے بچھڑ جانے کو مقطوع کہتے ہیں۔ گویا کاٹ چھانٹ کے درست کر لیا گیا ہو اور بھولے پر ماتم نہ کی جائے یہاں تک کہ قاری کا مزاج آشنا ہو جائے تاکہ مزید مرہون منت قرار پائے حروف مقطعات میں اک حرف کو قرآن نے استعمال کیا، بعض جگہ دو حرف کا استعمال کیا ہے۔ کسی جگہ تین حرف بھی لایا گیا ہے اور کسی جگہ چار حرف کا استعمال کیا گیا ہے اور بعض مقامات پر پانچ حرف

www.muftiakhtarrazakhan.com

کا استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن تمام حروف کے مابین کوئی تفریق نہیں مگر اس کی علمی فہم اور نکتہ پر قربان جائے کہ قرأت بالکل الگ الگ حروف پر دال و مختص ہیں تفسیر ابن کثیر کی تفسیر کی شرح دیکھئے اور عبدالرشید نعمانی کی تلاش کا جائزہ لیجئے:

بعض جگہ تو صرف ایک ایک حرف آیا ہے جیسے ص، ن، ق، کہیں دو حرف آئے ہیں جیسے حم۔ کہیں تین حروف آئے ہیں۔ جیسے الم۔ کہیں چار حرف آئے ہیں۔ جیسے المر اور المص اور کہیں پانچ آئے ہیں جیسے کھیعص، حمعسق اس لئے کہ کلمات عرب کل کے کل اسی طرح پر ہیں یا تو ان میں ایک حرفی لفظ ہیں یا دو حرفی لفظ یا سہ حرفی یا چار حرفی یا پانچ حروف کے پانچ حروف سے زیادہ کے کلمات نہیں۔ جب یہ بات ہے کہ یہ حروف قرآن شریف میں بطور معجزے کے آئے ہیں تو ضروری تھا کہ جن سورتوں کے شروع میں یہ حروف آئے ہیں وہاں ذکر بھی قرآن کریم کا ہو اور قرآن کی بزرگی و برائی کا بیان ہو چنانچہ ایسا ہی ہے کہ انتیس سورتوں میں یہ واقع ہوا ہے۔ ۸

عرب میں بنی نوع انسان کے علم کو اسلام نے معراج بخشا تو اہل تحقیق نے لغت پر اکتفا کیا اور مکہ و مدینہ میں القاموس کے نام پر کئی کتابیں لکھی گئیں جس پر جمہور نے اتفاق کیا اور اسلام میں اصطلاح کی حیثیت سے ایک خاص جماعت نے اتفاق کیا۔ حالانکہ غیر ذی زرع مقام پر علوم و فنون کا چراغ روشن ہوا۔ نسلی تفاخر کی بنیاد پر خالص عربی نے ایام جہالت میں ترویج کی شکل و صورت بیان کی ہے وہ مابہ الامتیاز شئے کی طرح ممتاز ہے۔ درس کا نظریہ بھی اک مصدقہ آہنگ کی نمائش کرتا ہے۔ تعلیمی معیار نے بلندی کی صفتیں اختیار کیں وہ قابل سند ہیں۔ اول حروف تہجی اب تث ہے جو بالترتیب الف سے لیکر یائے مجہول تک ہے تو دوم حروف ابجد ہے جو حروف کے اعداد کے اعتبار سے عرب میں رائج تھا اور سوم حروف مقطعات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس اپنے محبوب کے سینہ اقدس پر نازل کیا تاکہ بنی نوع انسان علم حاصل کرے اور حرف شناس ہو جائے اور اپنے سینہ میں محفوظ کر لے۔ جب حروف تہجی کے مقاصد نے مبہم نظریے سے آگاہ کیا۔ تو کفاران مکہ نے مفہوم کو بدل دیا۔ بنی آدم نے پہلی مرتبہ سنا اور من وعن قبول کر لیا۔ تلفظ کا انداز بالکل جدا جدا بتایا گیا۔ لیکن ترجمان القرآن میں مولانا ابوالکلام آزاد سامی زبان کی تقدیس اور اس کی حقیقت کی دریافت کی ہے کہ لفظی تناسب کی ولادت پس پردہ وضع کیئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تجزیہ کی تحقیق اور اس کی بصیرت حروف و اصوات کی ترکیب سے ممکن ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

چنانچہ سامی زبانوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف و اصوات کی ایک خاص ترکیب ہے جو معبودیت کے معنی میں مستعمل رہی ہے۔ اور عبرانی، سریانی، آرامی، کلدانی، حمیری، عربی وغیرہ تمام زبانوں میں اس کا یہ لغوی خاصہ پایا جاتا ہے یہ الف، لام اور ہ کا مادہ ہے اور مختلف شکلوں میں مشتق ہوا ہے کلدانی و سریانی کا ''الاھیا'' عبرانی ''الوہ'' اور عربی کا ''الہ'' اسی سے ہے اور بلاشبہ یہی ''الہ'' ہے جو حرف تعریف کے اضافے کے بعد ''اللہ'' ہو گیا ہے۔ ۹

بہر کیف حروف تہجی کی صورت و سیرت کی تشکیلی نوعیت نے حقیقی تمہید کی بلاغت پیش کی تو گم شدہ نوع نے ترمیم و اضافہ کو فخر و ناز کا سبب تصور کیا۔ اور مادہ کی تجویدی علوم سے محاسبہ کرنا بہتر سمجھا حالانکہ ہزاروں سال سے حروف تہجی کی تگ و دو نے مختلف ملکوں میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر لی تھی جس کی اشاعت کی ترتیب و تبویب نے واضح تصور کو رونما کیا۔ عربی رسم الخط کے حروف تہجی نے ظاہر کر دیا کہ حقیقت میں حروف مقطعات نے علم کی دانائی و بصیرت کی آگہی رقم کی ہے جو انسان کے شعور ارتقا سے ممکن

www.muftiakhtarrazakhan.com

نہیں۔ پھر بھی عرب والوں کو شکوک وشبہات کی سرزنش کام نہ آئی۔ اہل عرب نے حروف مقطعات پر کوئی تنقیح کی صورت قائم نہ کی بلکہ یہ کہہ دیا کہ متعین معنی کی تفہیم میں حقیقت کی بالادستی قائم ہے جب تصورات فہی کے نظریے نے علمی جسارت طلب کی تو عام لوگوں نے زجاج لغوی کے قول کو اختیار کرلیا۔ تفسیر ماجدی نے قول راجح کو تسلیم کیا اور حروف مقطعات کو اللہ ورسول کے علم پر اکتفا۔ گویا تنوعات کے دائرہ میں یہ کہنا بہتر سمجھا چونکہ ہر حروف کی مفرد تخریج بالعمل لازم قرار پایا۔

الم لفظ کے تینوں حروف پڑھنے میں پوری پوری آواز کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں جیسا کہ اوپر ترجمے میں اردو رسم الخط میں ظاہر بھی کردیا گیا ہے اور یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ زجاج لغوی نے یہی قول اختیار کیا کہ حروف مقطعات میں سے ہر حرف کسی متعین معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ۱۰

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے حروف مقطعات کی پاکیزہ تقدیس پر اکتفا کیا۔ اور راجح اصولوں کو مدنظر رکھا اور نزول قرآن کے اقتضائے حال کے مطابق توضیح طلب حقیقت کی شہادت دی اور نہایت اختصار وجامعیت کے ساتھ قبول کیا اور کہا کہ اللہ ورسول ہی خوب جانتا ہے گویا قرآن نے بنی نوع انسان کو مخاطب کیا تو بین الاقوامی روابط کو مدنظر رکھا اس میں کسی قسم کی نہ قباحت تھی اور نہ کوئی کام کی حجت تھی البتہ اس کی وساطت کے مابین علت پروری کی دلیل کی ضرورت تھی لیکن عربیوں نے من وعن قبول کرلیا اور امر حقیقی پر اکتفا کرنا بہتر سمجھا۔ بلکہ حروف مقطعات کی ساخت بنی نوع انسان کے ایمان کے لئے کھلا کرشمہ ہے۔ امام احمد رضا نے سلف جمہور کے راجح اصول کو برحق تصور کیا۔

الم سورتوں کے اول جو حروف مقطعہ آتے ہیں ان کی نسبت قول راجح یہی ہے کہ وہ اسرار الٰہی اور متشابہات سے ہیں انکی مراد اللہ اور رسول جانیں ہم اس کے حق ہونے پر ایمان لاتے ہیں۔ ۱۱

لیکن تفسیر ماجدی نے مشترکہ نظریے کو اک مخصوص آہنگ پر مختص قرار دیا اور ایام جہالت کے علل واسباب کو متنازع قرار دیا اور تجاہل عارفانہ نظریے کو کالعدم قرار دیا اور صاف کہہ دیا کہ عرب کے دستور خطابت میں شامل تھا کہ جب وہ افتتاح کلام کے لئے جب کوئی کلام لاتے تو اول اول حرف مفرد استعمال کرتے، گویا عرب کے لوگ حروف مقطعات سے مانوس تھے اور طرز خطاب کے قبل ایک، یا دو حرف بھی افتتاح کلام میں لاتے، اگر ان کے نظریے کے خلاف ہوتا تو اعتراض ضرور کرتے، ماجد کا نظریہ بالکل قیاس آرائی پر محمول ہے۔ اس نظریے کی کوئی بصیرت افروز باتیں قرن اولیٰ کی روش میں نہیں ملتی، بلکہ وہ نظریۂ کلام سے واقف ہی نہ تھے۔ نزول قرآن کے افتتاح کلام حروف مقطعات کو سنتے ہی مبہوت ہوگئے۔ گویا اثبات ونفی کے مرحلے نے قیافہ شناسی کی مبہم صورت اخذ کی ہے۔ تفسیر ماجدی کے جذبۂ کلام کا پہلو بہ پہلو جائزہ لیجئے۔

خطبات عرب کے دستور کے مطابق یہ حروف محض افتتاح کلام کے لئے لائے گئے ہیں اور یہ بات اس لئے دل کو زیادہ لگتی ہے کہ عرب اگر اس طرز خطاب وخطابت سے آشنا ومانوس نہ ہوتے تو اس پر اعتراض ضرور ہی کرتے، اعتراض کے لئے تو مخالفین بہانے ہی ڈھونڈتے تھے لیکن اس قسم کا کوئی بھی اعتراض اہل زبان سے منقول نہیں۔ ۱۲

پروفیسر عبدالقادر سروری نے حروف ابجدی کی ادبیات کی تحقیقات نے جزوی استنباط کے پہلو کو کسقدر نمایاں کیا ہے۔ کہ ہکوس تحریک کے پس منظر میں سامی حروف ہجا کی ترقی کی ترغیب ملی جس سے کئی ملکوں کے اختلافات یکسر بدل گئے گویا خالص

www.muftiakhtarrazakhan.com

ابجدی حروف کی ایجاد نے رسمی مفاہمت کی تدوینی سعیات نے ہم آہنگی عطا کی۔ ہزاروں سال قبل مسیح کی صورت بالکل الگ تھی۔ بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ خالص ابجدی حروف نے اپنے دور کے لئے ایک جامع پیمانہ متعین کیا اور شمالی سامی حروف تہجی نے بنی نوع انسان کے لئے اک مختص نظریے سے ہم آہنگ کیا تاکہ جذبہ عناصر کے تمام رموز ونکات پھیر بدل سے حل کئے جائیں۔ گویا حروف کے تناسب کی دلیل نے حقیقی نوع کی طرف متوجہ کیا تو اکثر زبان کی قدریں بدلتی رہیں اور معمولی لکھاوٹ سے وجود میں آتی رہیں گویا صدیاں بیت گئیں اور دائیں وبائیں کی تقلید کی اور اپنی حرفی مطابقت کی علت سے کلمہ وکلام کے عناصر کو اک مستحکم رویہ سے ممتاز کیا گویا خالص حروف تہجی کی ایجاد نے جزوی طور پر حائل مراحل کو رونما کیا جس کی وجہ سے دنیا کی ہر زبان مستفید ہو رہی ہیں چنانچہ پروفیسر عبدالقادر سروری کی تحریر دیکھئے:

خالص ابجدی حروف کی ایجاد یک عہد آفریں کارنامہ تھا۔ اس سے پہلے جو کوششیں مصر، عراق، کریٹ، ایشیائے کوچک، وادی سندھ، چین اور وسطی امریکا میں ہوئی تھیں وہ عبوری مرحلے سے آگے نہیں بڑھ سکی تھیں۔ خالص ابجدی حروف ایجاد کرنے کا امتیاز فلسطین اور شام کے شامی باشندوں کے محفوظ تھا سارے پڑوسی ملکوں نے انھیں سے حروف لیے اور ہر ملک اور زبان کی ضرورتوں کے مطابق ان حروف میں ترمیم ہوتی رہی۔ ۱۳

عبدالقادر سروری نے زبان اور علم زبان میں واضح طور پر نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے کہ ابجدی ہجائی یا حروف تہجی رکن واری تحریری علامت ہیں جو حروف اپنی تحریر کے ارتقا کی معراج ہیں حالانکہ حقیقی ابجدی حروف کی ایجاد اک گم شدہ کڑی کی تعبیر ہے، شمالی سامی حروف کی اشاعت نے مختلف طرح کی گنجائشیں نکالیں لیکن انجذاب وانفکاک نے شق کے پہلو میں رمز کا کوئی نکتہ سنج وثوق قابل اعتماد گردانا نہیں گیا البتہ میخی قلم کے نظریے نے خاطر خواہ ممتاز کیا اس لئے کہ دائیں سے بائیں کی طرف لکھنا اور بائیں کی طرف سے دائیں کی طرف لکھا جانا سامی حروف سے ثابت ہے چونکہ ان کی شاخیں کنعانی کتبوں کی نمائندگی کرتی ہیں یا ابتدائیہ طور پر عبرانی یا فنیقی حروف کا ماخذی پہلو چھٹی صدی قبل مسیح تک ضامن ہیں اور عربیوں میں اس کا رائج ہونا ثابت ہے البتہ ہندوستان میں مقدس ویدوں کے منتروں نے جزوی عناصر کی طرف راغب کیا، مگر ان کے طرز عمل میں اتفاق نہ تھا چونکہ برہمی رسم خط قدیم ہندوستانی رسم خط کا ماخذ تھا موہنجوڈارو کی نیم تصویری علامتیں حروف کی شکل میں نشوونما ہوئیں مسیح کے دو ہزار برس قبل رسم خط کی شکل میں رگ وید کی تحریریں ملتی ہیں جو آریوں کی ابتدائی مرحلہ کی تحریریں ہیں اکثر اشلوکوں اور منتروں سے واضح ہوتا ہے کہ پروہتوں کے طرز عمل نے حروف شناسی کے خلاف عدم احتجاج اور جدوجہد کرتے رہے اور مذہبی رسوم کے منتروں کو پیدائشی پروہتوں تک محدود کیا بلکہ سینہ بہ سینہ محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ گویا علم سینہ کے قائل تھے، ان کا مقصد محض منتروں کو یاد کرنا تھا اور اک محدود دائرہ میں زندہ رکھنا تھا، اس لئے برہمی اصول نے اک آئین نافذ کیا، ملاحظہ کیجئے:

"پروہتی قانون کی یہ مشہور دفعہ تھی کہ اگر کوشودر ویدوں کے منتروں کو قصداً سن لے تو اس کے کان میں سیسا پگھلا کر ڈالا جائے اور اگر وہ انھیں پڑھے تو اس کی زبان کاٹ ڈالی جائے اور اگر انھیں ذہن میں محفوظ کرے تو اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں۔" ۱۴

عبدالقادر سروری کی تحقیقات نے اک جذبہ آہنگ کی توجیہ بیان کی ہے کہ بدھ مت تحریروں سے گیان ہوتا ہے جبکہ بر

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہمی رسم خط کا آغاز ہندوستان میں ہوا۔ چونکہ گوتم بدھ نے مسیح کے پانچ سو برس قبل لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ پروفیسر بیلی کا خیال ہے کہ لفظ لپی کا ماخذ فارسی تھی۔ گویا آریائی اور ڈراوڑ قوموں اور سامی و عرب قوموں کے درمیاں تجارتی تعلقات تھے۔ زبان اور علم زبان میں ڈاکٹر عبدالقادر سروری نے یہ انکشاف کیا ہے کہ ڈاکٹر ڈرنگر نے اس کی نشاندہی کی ہے بلکہ واضح طور پر ان کی تحریر کا انداز ملاحظہ کیجئے:

"ہندوستان کا عظیم الشان، ماخذی رسم خط جو برہمی کہلاتا ہے، وہ اور دوسرے مشرقی رسم خط اسی ماخذ سے نشو ونما پائے ہیں جس سے یونانی، لاطینی، رومی، عبرانی، عربی اور روسی حروف نکلتے ہیں۔" ۱۵

پروفیسر عبدالقادر سروری نے اپنی کتاب زبان اور علم زبان میں نہایت واضح طور پر وضع کیا ہے کہ یہ ماخذی حروف حقیقت میں شمالی سامی حروف ہیں۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ کہ ان کی تعداد ۲۲ رتھی جو مشتق یونانیوں کے پہلے حروف تھے۔ جب مادّے کی قدریں تعیین ہوئیں تو سورس دونان نے لکھا کہ اس دور میں حروف تہجی دائیں سے بائیں کی جانب لکھے جاتے تھے اور ۲۲ رحروف بالکل بائیں حروف مصمتہ کے تھے ان کا دائیں سے بائیں کی جانب لکھنا بالکل دشوار تھا۔ جب مادّے مصمتہ پر مشتمل ہوئے تو انکی قدریں بدل گئیں اور دو فارق نظریے نے قطعی طور پر ثابت کر دیا اور ترتیب نظام نے ان کی تحریری نوعیت کو نمایاں کیا۔ گویا عبرانی حروف تہجی کی پاکیزہ نفاست کی تدوین عربی میں شمار ہونے لگی اور یہی حروف تہجی تغیر کے ساتھ لکھی جانے لگی اور یونانیوں نے بھی انہی حروف کو لے لیا اور نام الگ سے تجویز کیا۔ شمالی سامی حروف کو زبان اور علم زبان میں عبدالقادر سروری نے یہ لکھا ہے:

"شمالی سامی حروف کے نام بڑی حد تک عبرانی میں آج بھی محفوظ ہیں یہ نام حسب ذیل ہیں۔ الف (ا) بتھ (ب) جمل (ج) والتھ (د) ہے (ھ) واو (و) زین (ز) کھتھ (ح) ملتھ (ط) یود (ی) کف یا کاف (ک) لامد (ل) میم (م) نون (ن) سمکھ (س) عین (ع) پے یا فے (ف) صادے (ص) قوف (ق) رش (ر) شین (س) تاد (ت)۔" ۱۶

البتہ لسانیات کے نظریے میں سامی شاخیں چار ہوئیں اور آرامی شاخیں پندرہ گروہوں میں تقسیم ہوئیں جو چھٹی صدی قبل مسیح سے رائج ہیں۔ قدیم عربی زبان جو حجاز میں بولی جاتی تھیں وہ خالص نہ تھیں بلکہ اکثر غیر ملکوں کے آمد ورفت کی وجہ سے مکہ کی زبان کی ہیئت کو گڈمڈ کر دیا تھا۔ مگر بادیہ نشینوں کی زبان بالکل خالص تھیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بادیہ نشینوں کے درمیان رہے اور انکی پرورش و پرداخت صحرانشینوں میں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت پاک کے بعد جو کچھ فرمایا وہ حدیث کی شکل میں آج بھی خالص عربی زبان میں موجود ہیں۔

دراصل مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علم ناسخ ومنسوخ کے معلم ہیں علم قرآنی کے مفسر اعظم، فقہ واجتہاد کے مبصر معظم ہیں انا مدینۃ العلم وعلی بابھا کے سرتاج ہیں۔ سرعت فہم، دقیقہ سنج اور نکتہ رس کے شناس ہیں۔ قضاۃ وفیصلہ کے منصف اعلیٰ ہیں احکام وروایات کے اولین مظہر و پاسباں ہیں، غزوۂ خیبر کی شان، حقائق ومعارف کے علمبردار، شہنشاہ اقلیم سخن کے وارث ہیں۔ جب خلیفۃ المومنین والمسلمین سے نجومیوں، یہودیوں اور عیسائیوں نے تقرب حاصل کرنا چاہا تو قاعدہ بغدادی کی ترتیب نجف اشرف میں دی اور علم نحو وصرف کے لئے اک جامع قاعدہ مرتب کیا البتہ مفردوں کے درمیان ایک مرکب حرف لام الف کے نام کو

www.muftiakhtarrazakhan.com

مخصوص کیا گویا حروف تہجی کے بحر میں مشکل کشا نے قلم اٹھایا تو نہایت صراحت کے ساتھ واضح کر دیا کہ معصوم بچہ جب سر نہاں کا اعتراف کرے تو واقعی ابتدائیہ حروف تہجی کا محافظ قرار پائے، ورنہ عربی کے حروف تہجی کے اٹھائیس حروف تھے اور اک حرف لام الف کا اضافہ کیا تو کل حروف کی تعداد انتیس ہو گئی۔

چنانچہ ابوالاسود دوئلی کو علم نحو کی تدوین کے لئے مامور کیا تا کہ حروف ہجا کی ابتدائیہ امور میں تنقیحات کا مسئلہ معتدل طور پر قابل قبول گردانا جائے۔ معین الدین نے اپنی کتاب خلفائے راشدین میں یہ لکھا ہے:

''علم نحو کی بنیاد خاص حضرت علی کے دست مبارک سے رکھی گئی ہے ایک دفعہ ایک شخص کو قرآن شریف غلط پڑھتے سنا اس سے خیال پیدا ہوا کہ کوئی ایسا قاعدہ بنا دیا جائے جس سے اعراب میں غلطی واقع نہ ہو سکے چنانچہ ابوالاسود دوئلی کو چند قواعد کلیہ بتا کر اس فن کی تدوین پر مامور کیا۔ اس طرح علم نحو کے ابتدائی اصول بھی آپ ہی کی طرف منسوب ہیں۔'' ۱۷

قدما کی تاریخ کے مطابق عرب میں مختلف زبانیں رائج تھیں اور بعض قبیلے تمام زبانوں کی ترویج و ترقی میں کوشاں تھے، حجاز میں اسلام نے تبلیغ کا کام شروع کیا تو سترہ زبانیں اس کے اطراف میں بولی جانے والی زبانیں زندہ تھیں۔ خاص طور پر ان کی وسعت تو ترسیل عراق، شام، مصر، روم، فلسطین، بصرہ، لبنان، اور ہسپانیہ تک پھیلی ہوئی تھیں حالانکہ مصر میں قدیم زبان کی پاسداری کی جا رہی تھی۔ حمیری، حبشی، عبرانی حروف تہجی نے اشتباہ پیدا کیا مگر سامی خاندان کے مادّوں اور قواعدی تشکیلوں کے نظام کی وجہ سے تغیرات کی صورتیں کم پیدا ہوئیں چنانچہ ہند یورپی خاندان نے مثبت رویہ اختیار کیا جو دنیا کی مختلف خطوں میں بولی جاتی تھیں مگر تحلیلی رجحان نے حروف تہجی کے نظریے کو ایک ہی ماخذ قرار دیا لیکن خلیفہ دوم خود سترہ زبان جانتے تھے انہوں نے اپنے دور میں شہر کوفہ کو نئے انداز سے بسایا اور باضابطہ طور پر پرامن شہر کا رتبہ دیا مگر ایسا نہیں ہوا۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے شاطرانہ انداز میں کوفی کتب خانہ کے اثاثہ کو لوٹ لیا اور کتب خانہ میں آگ لگا دی۔ چونکہ بصرہ، کوفہ اور نجف اشرف میں کلاسیکی پرم پرائیں زندہ تھیں اسی عراق میں نمرود، فرعون کی حکومتیں قائم تھیں حالانکہ دنیا کے اندر چند درسگاہیں تھیں اور قدیم درسگاہیں معتمد و معتبر تصور کی جاتی تھیں ان میں بہار کے نالندہ و شوودھیالیہ بھی قابل ذکر ہے جہاں دنیا کے لوگ علم کی پیاس بجھانے کے لئے آتے اور سیر ہوتے یہاں تک کہ تنومند ہو کر اپنے اپنے ملک واپس ہو جاتے۔ مگر عراق میں قدیم زمانے کی تاریخ تدفین تھی۔ جس کی نظیر دو ہزار برس قبل مسیح کے بھی نہیں ملتی البتہ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی عراق کی اہمیت وافادیت قائم تھی جب خلیفۂ چہارم نے اپنی خلافت کو منتقل کر دیا اور اپنے جائے مسکن نجف اشرف قرار دیا تو اسلامی رجحان کا علم ظاہر و باطن کا مصدر عراق تصور کیا گیا چنانچہ زبان اور علم زبان کے مصنف عبدالقادر سروری نے یہ لکھا ہے:

''اسلام کے ابتدائی دور میں عراق کا بڑا اہم اسلامی مرکز کوفہ رہا عربی کے اکثر قواعد نویس اسی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے لیکن انھوں نے جہاں سند کی ضرورت ہو کوفے کے ادنیٰ طبقوں کی زبان کو پیش کیا آجکل عراق، شام، اور مصر عربی زبان و ادب کے بڑے اہم مرکز بنے ہوئے ہیں۔'' ۱۸

ملک حجاز میں عربی کی سات خاندانیں متواتر موجود تھیں اور سیکڑوں قبیلوں میں محفوظ تھیں۔ عرب کے تمام خطے میں اکثر و بیشتر بولی جانے والی زبان کسی نہ کسی تاریخی نوعیت سے منسلک تھیں۔ عرب کے قبائل بدو اور خانہ بدوش تھے۔ ان کی زندگی سیر و

www.muftiakhtarrazakhan.com

فی الارض پر منحصر اور بسر ہو رہی تھی۔ جبکہ دنیا کے ہر ملک کی زبان ملک حجاز میں بولی جاتی تھی۔ چونکہ اللہ کا گھر مکہ میں تھا جس کی پہلی بنیاد آدم نے رکھی تھی اور آدم کی پیدائش سے دو ہزار برس قبل چند فرشتے مرکز الٰہی کے گرد چکر میں مصروف تھے جس کا نام بیت العتیق تھا، گویا اللہ کے گھر کا نام سب سے پرانہ عتیق تھا، اس کے علاوہ حمیری، سریانی، کلدانی، عبرانی (یونانی) خاص و عام میں بولی جاتی تھیں۔ ہر قبیلہ کے لوگ ہر زبان کی حروف تہجی سے واقف تھے۔

ایام جاہلیت میں عربی زبان وادب کا مذاق قابل قدر تھا مگر اک خاص صنف سخن کے ساتھ ابھر کر سامنے آیا اس دور میں بھی شعر و شاعری میں حروف تہجی کے برتنے کا طور و طریقہ تھا وہ احسن طریقہ پر مامور تھا۔ جس میں ہر حروف پر اک مبسوط انداز میں نظریہ و تجزیہ کیا جاتا تھا۔ معمولی و غیر معمولی حروف تہجی کے تلفظ کے وقوفات اور حرکات و سکنات پر نقص کا امکان بھی عمل میں آیا عرب و ایران کے شعرا تفنن طبع کے تحت اپنا جوہر دیکھاتے اور برجستہ کلمہ کلام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ عرب میں مسیح سے قبل اس صنف سخن میں اوزان و بحور پر مرصع کلمہ و کلام کا نظریہ بھی ملتا ہے۔ اکثر بیشتر موقع پر فخر ومباہات یا تضحیک وطنزیات کے عالم میں اشعار کہا کرتے تھے۔ اسلام میں باضابطہ طور پر شعر و شاعری میں اس کا اک بلیغ اور احسن عمل کا رسم ورواج ابھر کر آیا۔ چنانچہ صحابہ کرام نے حمد و نعت کا درخشاں باب کا اضافہ کیا اور اعجاز عطا کیا۔ حالانکہ مرثیہ ومثنوی کا بھی عربوں میں عام شعور پایا جاتا تھا۔ اس دور میں قافیہ و ردیف کا مہتم بالشان انداز بھی دستیاب ہے۔ بہر کیف شعر و شاعری میں ہر حروف تہجی کا نظریہ اس قدر استعمال عام ہوا کہ باضابطہ طور پر عروض و بلاغت کی کتابیں تدوین کی گئیں اور صنف سخن کو کمال حاصل ہوا عرب و ایران میں عمل ورآمد کا نظریہ بھی شعر و شاعری کا مرہون منت ہے۔ اخلاق احمد دہلوی نے اپنی کتاب فن شاعری میں یہ لکھا ہے۔

"ہندی عروض جس سے مراد مقدس سنسکرت کا عروض ہے جسے چھند کہا جاتا ہے اور بعد ازاں پنگل کے نام مشہور ہوا۔ یہ بھی خلیل بن احمد سے صدیوں پہلے کا ہے البیرونی جو عربی، فارسی، عبرانی (یونانی) سریانی اور سنسکرت کا بڑا فاضل اور جوتشی گزرا ہے دسویں صدی عیسوی میں ہندوستان آیا اور سنسکرت وغیرہ تمام ہندی علوم سیکھے اور تمام ہندوستانی علوم وفنون پر نہایت مستند کتاب لکھی جس کا نام کتاب الہند ہے۔" ١٩

ایرانی ادبیات کی تشکیل نے واضح کر دیا کہ یونانی ماخذ کا معتبر مصنف ہرمیپوس قبل مسیح گزرا ہے اس نے قدیم ایران کے نہایت بلند پایہ ہخامنشی بادشاہ کا ذکر کیا ہے کہ اس کا بھی میخی رسم خط تھا جو محض میخی خط سے وابستہ تھا اس خط کے حروف ابجد ٣٦ تھے لیکن اس کے ابجدی حروف کی علامتیں بڑی پیچیدہ تھیں مگر انسان کے ارتقا کی تاریخ کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ایرانی خط اسلوب کی بڑی کوشش یہ تھی کہ دائیں سے بائیں لکھی جانے والی تحریریں قابل سند سمجھی جاتی تھیں مگر بے جا تخلیقی مادوں نے بڑی قلت پیدا کر رکھی تھی۔ جس کے سبب خلط ملط حروف ابجدی کے حالات نے تحریری بحران پیدا کر رکھا تھا مگر ہندوستان میں فارسی کی نشو ونما کو اہل ایران اپنی فارسی سے الگ ایک ہند اسکول یا "سبک ہندی" تسلیم کرتے ہیں۔ تو سبک ہندی کا تشفی بخش مطالعہ کئے بغیر کوئی نہج قائم نہیں کر سکتے مگر صرف دنجو کے ہندی سبک یا یوں سمجھو کے منفرد اسٹائل نے عظیم کارنامہ انجام دیا۔ خصوصی لب ولہجہ میں فارسی و سنسکرت کے لفظوں نے وسعت پیدا کر دیا اور نئے نئے آہنگ اور نئے نئے کلموں سے بے مثل ربط پیدا کیا جس سے زبان کی بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

عربی حروف تہجی کے امتزاج نے توسیع تر امکانات پیدا کئے۔ حروف ابجدی کے مجموعہ سے استنباط پیدا کرنا یا عقلی و نقلی نیم حروف ابجدی کے جوہری رموز ونکات سے آشنا ہونا بالکل ناممکن ہے مگر محمد حسین آزاد نے اپنی کتاب سخندان فارس میں لکھا ہے جو قرین قیاس بھی ہے۔ اس نظریے کے احتیاط نے مفروضہ آہنگ سے ممتاز کیا ہے۔ البتہ شکوک وشبہات کے مختلف باب کھل جاتے ہیں اور حروف کی جسامت یا حروف کی آواز یا پھر حروف کے مجموعے سے ممکن ہے کہ معنی مراد لیے جائیں جو محض مشکوکات کے نظریے سے دستیاب ہیں۔ ابتدائیہ دور میں عجز وانکسار کا جذبہ یقیناً باہم ربط کا متقاضی تھا لیکن ایسا نہ تھا کہ چرند و پرند، نبات و جمادات اور حیوانات کو دیکھ کر معلوم کرلیں کہ اس کے معنی کیا ہیں۔ یا صرف دیکھ کر خود معنی سمجھ بیٹھیں۔ ایسا بالکل نہیں نہ تو چرند و پرند اپنی وضاحت کرسکتے ہیں اور نہ نباتات و جمادات سے تو ہم کا نظریہ اخذ کرسکتے ہیں۔ بہر کیف عرب کے ابتدائیہ دور میں محققوں نے اعراب کا جو نظریہ پیش کیا وہ قابل تحسین ہے یا نہیں۔ ممکن ہے کہ ابتدائیہ مرحلے میں الفاظ کے معنی خود بخود سمجھ میں آجاتے ہوں گے اور نظریے کا وثوق بھی قابل ذکر گردانا جاتا ہوگا۔ بہر حال محمد حسین آزاد اپنی تحقیقی کاوش سے سخندان فارس میں ممکنات الامر کے تحت لکھا ہے جو اعراب کے نفوذ واثر اور عمل سے ممکن ہے:

”زبان عرب کے ابتدائی محققوں میں عباد بن سلیمان ضمیری نے کہہ دیا کہ الفاظ اپنے حروف، اعراب اور آوازوں کے ذریعہ سے خود بخود اپنے معنی بتلاتے ہیں مگر یہ رائے عموماً درست نہیں اصفہانی نے شرح منہاج بیضاوی میں لکھا کہ جمہور اہل لغت اس پر اعتراض کرتے ہیں اگر یہی بات ہوتی تو ہر شخص ہر لفظ کے معنی سمجھتا بتانے اور لغت میں دیکھنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔“ ۲۰

مگر بنی سعد کی عربی زبان نے نحو وصرف کی اہمت کو برقرار رکھا اس لئے عربی زبان کو اعراب والی زبان کہتے ہیں، گویا اعراب کے تغیرات کے قاعدے اور ضابطے موقع ومحل کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں اور معمولی تنوین کے تغیر سے معنی کے اندر فصاحت وبلاغت کا نظریہ اخذ کیا جاتا ہے۔ جب سامی زبان کی حروف تہجی کو عرب نے من وعن قبول کیا تو علم کے رموز وحقائق کی شناخت ہوئی۔ حالانکہ حروف تہجی کے مبداء کا عمل بالکل نہ تھا بہر حال قاعدہ بغدادی کے حروف مرکب ل (لام الف) نے مجددانہ پیکر تراشی کی تفہیم پیش کی گئی تو حروف تہجی کی تمرین توقف نے استشہاد پیش کیا۔ تو بنی آدم نے اک عظیم عرصے کے بعد پہلی مرتبہ روہیل کھنڈ (بریلی) میں حروف تہجی کی تمہیدی تعیین کی توفیق بخشی اور دنیا ادب لام الف کے تزک واحتشام سے آشنا ہوئی۔

مگر ہندوی پیکر کی سہ لسانی تحریریں ایسی ہیں جو براہ راست دائیں سے بائیں کی جانب لکھی جاتی ہیں اور پوری دنیا میں عربی، فارسی اور اردو معتبر زبان تسلیم گئیں ہیں بہر کیف ہر زبان کی حروف تہجی اپنی مماثلت کی بنا پر ایک دوسرے سے الگ ہونے کے باوجود اپنی ساخت پر قائم ہیں۔ حروف تہجی کے قواعد واعداد اور مزید اس کی تعداد تو بالکل جدا ہیں مگر ہند یورپی کی مختلف زبانوں کا ایک ہی ماخذ ہے البتہ حالات نے ہمیشہ تنگ نظری کا ثبوت فراہم کیا۔ یہاں تک کہ صحرائے قراقرم کے اردو بالیغ کا قضیہ عمل میں آیا اور یکسر معدوم ہوگیا کیا خالص ابجدی حروف تہجی کی ایجاد نے قابل اعتماد گردانا نہیں بلکہ حالات کے اعتبار سے ترمیم واضافہ کو درست تصور کیا بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شمالی سامی حروف ہی اصل ماخذ ہے۔ بلکہ حروف تہجی نے عالم سکوت کا مظاہرہ کیا۔ گویا خاموشی بھی اک تحریک ہے یعنی لفظ ہی تلفظ کی شکل میں سیر وفی الارض کا جوہری نظام پیش کرتا رہا اور اس کے مناسک

www.muftiakhtarrazakhan.com

عمل میں کبھی بھی تغیر پیدا نہیں ہوا حالانکہ عربی حروف تہجی کی تعداد ۲۹ ہے جبکہ فارسی حروف تہجی کی تعداد ۳۳ ہے اور اردو حروف تہجی کی تعداد ۵۰ ہے۔ مگر دیوناگری ورن مالا کی تعداد ایکاون ہے سنتوں کی طرح گلے میں ڈالو اور دل میں اتارلو بڑے کام کی چیز ہے علم کی بنیادی عظمت اسی سے ممکن ہے۔ اردو حروف تہجی کا منبع اور ماخذ تو مختلف صوتی آہنگ سے مرتفع ہے۔ بہر کیف تقدس کے رمز ہائے نوع نے اک جاں آفریں آہنگ سے ممتاز کیا۔ جس کا دل سنسکرت، عربی، فارسی، ترکی کے حرفی اشاروں سے متلاطم ہیں۔ مولانا اخلاق دہلوی کا خیال دیکھئے:

''اردو آریائی زبان ہے۔ شورسینی پراکرت کی پرپوتی، مغربی ہندی کی پوتی، اور دتی بھاشا کی بیٹی ہے اور فارسی کے میل ملاپ سے بنی ہے جس کی تمام بنیادی چیزیں خالص ہندی ہیں۔'' ۲۱

اردو حروف تہجی کی تعداد پچاس ہے اور دیوناگری کا ورن مالا ایکاون ہے ہندوستانی رسم خط کے ارتقا کے آٹھ مرحلے ایسے ہیں جو قدامت پسند تجزیے فکر کے متلاشی ہیں پہلا مرحلہ سوہ گاور کی تانبے کی تختیوں پر کندہ تحریر ہے جو دائیں سے بائیں جانب لکھی ہوئی ہیں جو چوتھی صدی پیشتر مسیح کی شناخت کردہ ہیں دوسری شکل موریا عہد کی ہے جو اشوک کے کتبوں سے ظاہر ہوتی ہیں۔ جو تیسری صدی قبل مسیح کی ہیں جو کتبے دستیاب ہیں وہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں کھروشٹھی میں تحریر کردہ ہیں۔ اسی طرح تیسری صورت ابتدائی کالنگا حروف سے جا ملتی ہیں اور چوتھا روپ آندھر رسم خط سے ہے جو ناگھاٹ کے کتبوں میں محفوظ ہیں۔ پانچویں صورت موریہ کتبوں میں موجود ہیں جو بہار کے مغربی علاقوں میں پتھروں اور چٹانوں پر کندہ وآویزاں ہیں۔ اور چھٹا روپ سنگا کہا جاتا ہے۔ بلکہ اسی دور میں سنسکرت کا احیا عمل میں آیا جو برہمنوں اور پروہتوں نے رسم خط کو قدامت پسند نظریے سے ممتاز کیا جو اپنی حقیقت میں ساتوں دور کہلاتا ہے۔ جسکی نشان متھرا کی خط تحریر سے وابستہ ہے اور آٹھواں روپ جنوبی ہند کے غیر سامی حروف کی اہمیت وافادیت ہے بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ملک ہند میں سب سے زیادہ روز افزوں لکھی جانے والی تحریر ہے جو موجودہ نظام تحریر کی اتمام حجت ہے۔ یعنی دیوناگری رسم خط ہے جو کسی کی بدلی ہوئی صورت میں لکھی اور پڑھی جا تی ہیں گجراتی، بنگالی، اڑیا اور بہت ساری زبانیں ہیں۔ جس کی تشکیلی تحریر ادب میں رائج ہیں۔

بہر کیف ہندستانی رسم خط حقیقت میں برہمی سے مشتق ہے۔ لیکن عہد قدیم میں کھروشٹھی حروف کی آرامی حروف سے مشابہت تھی، حالانکہ بدھ متی کارناموں کو کھروشٹھی سے منسوب کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ ادب کا مزاج جب قابل قبول ہوتا ہے تو اس کی تاریخی نوعیت کی افادیت ممکن ہے حالانکہ اس کی تحقیقی استنباط کا ہونا یا تجزیے کے فکر کا ہونا بھی ممکن ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ صدیاں گزرتی رہیں اور بتدریج علم کی ترویج وترقی نے ظاہراً حروف تہجی کو قبول کرلیا تو حلقہ ادب میں امکانی ترقی ہونے لگی مگر دیومالائی تزک واحتشام نے علمی رموز ونکات کو اپنا گرویدہ بنالیا۔

چونکہ ادب کا مزاج بدلتا رہا اور عہد بہ عہد شعور کا نظام لازوال بنتا چلا گیا جس کی وجہ سے آج بھی دیرینہ نشانیاں موجود ہیں۔ لیکن ہر حروف کی صورت بدلی ہوئی ہے بلکہ حقیقی صورت کی نمائندگی ہے۔ ممکن ہے کہ زمانے کے قدوقامت کے اندر تبدیلی واقع ہو اور پھر کچھ ہیر پھیر سے تخریج فی الحروف کا ابداع قائم ہو! اور نئی تفہیم کی وساطت سے ادب کو فائدہ پہنچے، ہندوستان کی آزادی نے ادب کے رجحان کو اس قدر بلند کیا کہ ادب کے سرمایہ میں اضافہ کا سبب تصور کیا گیا۔ چنانچہ بہار کی زمین میں ایک نئی

www.muftiakhtarrazakhan.com

طرز نگارش کے مصنف جناب سچتانند کی طبع زاد ہے جو صرف طلباء و طالبات کے لئے ہے، جس میں تفصیل کے ساتھ حروف تہجی کے اصول مرتب ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

"اردو کے حروف ۵۰ ہوتے ہیں جن میں ۳۵ حروف مفرد ہوتے ہیں اور ۱۵ حروف مرکب ہوتے ہیں۔ اب پ ت ٹ ث ج ح خ د ڈ ذ ر ڑ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ ل م ن و ہ ی۔ ۳۵۔ بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، ڑھ، کھ، گھ، لھ، مھ، نھ، وھ۔ ۱۵۔ خاص عربی کے حروف۔ ث، ح، ص، ض، ط، ظ، ع، ق۔ ۸۔ خاص فارسی کے حروف۔ پ، ث، ژ، گ۔ ۴۔ خاص ہندی کے حروف۔ ٹ، ڈ، ڑ اور مزید حروف مرکب۔ ۱۸۔ مشترک حروف۔ بقیہ ۲۰ حروف عربی، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں میں مشترک ہیں۔"[۲۲]

حروف تہجی کی بنیادی نوع کی تلاش محض اردو رسم الخط سے ممکن ہے۔ جس کی حقیقت حروف مفرد و حروف مرک ہیں ان تمام حروفوں کو سرگزشت الفاظ، پنجاب میں اردو، اور اردوئے قدیم کے تجزیے اور نظریے سے اخذ کر سکتے ہیں۔ اردو حروف تہجی کی بنیاد محض سنسکرت، عربی، فارسی کی زبان ہی اصل ماخذ ہیں۔ دیومالائی ورن مالا کے تقدس عمل نے اعجاز بخشا ہے تو ہندکو اردو زبان کی تعبیر سمجھ میں آئی ورنہ تجزیاتی جو فقرے منتخب کئے گئے ہیں وہ مفرد و مرک حروف ہیں جو عربی و فارسی اور سنسکرت کے الفاظ ہیں۔ گویا سنسکرت زبان سے اہل یورپ واقف ہوئے تو لسانی مطالعے کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ اور زبان کی تاریخ کا علم ہوا۔ حالانکہ مشرق میں عیسائیوں کا ایک مرکز بنگال میں سرامپور تھا اس مشن نے ایسٹ انڈیا کمپنی کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا جہاں اردو، بنگالی، مرہٹی اور سنسکرت کی تعلیم کا آغاز ہوا مگر اس عرصہ میں جو انکشافات و دریافت میں یورپ کو علمی سرمایہ حاصل ہوا وہ سنسکرت زبان کے علم نے ایک عظیم انقلاب پیدا کیا۔

چنانچہ سر ولیم جونز نے کلکتہ میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی قائم کیا اور دیوناگری کے ورن مالا سے زبان کی توسیع ہوئی گویا لاطینی و سنسکرت کے قواعدی رجحان نے قریبی مشابہتوں کو اجاگر کیا اور یہی "ہند آریائی" کے تصور نے نمایاں کیا۔ خالص طور پر ہم مطالعہ کرتے ہیں تو سامی زبان کی تعمیری بقا نے تمام زبانوں کی عظمت برقرار رکھی چنانچہ پروفیسر عبدالقادر سروری نے اپنی کتاب زبان اور علم زبان میں یہ لکھا ہے:

"سامی قوموں اور عربوں نے اپنے لسانی مطالعے کی عمارت بابلی روایات کی بنیادوں پر بنائی تھی۔ قرآن کے مطالعے کی ضرورت کے مدنظر لسانیاتی مطالعہ کی طرف عرب بہت عرصہ پہلے متوجہ ہو چکے تھے۔ اور ساتویں صدی میں ابوالاسود دوئلی المتوفی ۶۸۸ء نے عربی قواعد کا حقیقی سنگ بنیاد رکھ دیا تھا بعد میں بصرہ اور کوفہ کے علما نے اس کام کو آگے بڑھایا۔"[۲۳]

پروفیسر عبدالقادر سروری نے حروف تہجی کی جامعیت اور اس کی مدافعت کی توضیحی ترتیب کی خاصیت بیان کی ہے جس سے نئی زبانوں کا علم ہوتا ہے۔ اور اس جدوجہد نے اہل ہند کو ایک انعام کے طور پر اردو زبان کی تخریج ہوئی۔ جس میں علاقائی زبان کی توسط سے اردو زبان کی تعمیر ہوئی۔ جس میں تمام زبانوں کے حروف تہجی شامل ہیں۔ بعضوں کا کہنا ہے کہ اردو حروف تہجی کی تعداد سنتاون ہے بہرکیف ابتدائیہ طور پر اردو خالص ہندکی زبان ہے۔ البتہ فریدالدین شکر گنج سے لیکر آج تک مختلف ناموں سے متعارف ہوئی اور اب صرف اردو زبان ہے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

ماخذ و مراجع

(۱) سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا از بدرالدین احمد۔ص ۸۹ر۹۰

(۲) ادبیات ایران: ڈاکٹر رضا زادہ شفق ترجمہ سید مبارز الدین رفعت۔ص ۱۳

(۳) ادبیات ایران: ڈاکٹر رضا زادہ شفق ترجمہ سید مبارز الدین رفعت۔ص ۱۵

(۴) بزم تیموریہ مرتب سید صباح الدین عبدالرحمن ام،اے،ص ۱۰۸

(۵) سخندان فارس حصہ اول از محمد حسین آزاد اتر پردیش اکاڈمی لکھنو۔ص ۴۷۔۴۸

(۵) تفسیر ابن کثیر مؤلف عبدالرشید نعمانی۔ص ۴۸

(۷) تفسیر ابن کثیر مؤلف عبدالرشید نعمانی۔ص ۴۸

(۸) تفسیر ابن کثیر مؤلف عبدالرشید نعمانی۔ص ۴۹

(۹) ترجمان القرآن،از مولانا ابوالکلام آزاد ج۔۱۔ص ۱۸

(۱۰) تفسیر ماجدی از عبدالماجد دریابادی۔ص ۴۵ر۴۶

(۱۱) کنزالایمان ترجمہ احمد رضا خاں مع تفسیر سید محمد نعیم الدین۔ص ۴

(۱۲) تفسیر ماجدی از عبدالماجد دریابادی۔ص ۴۶

(۱۳) زبان اور علم زبان از پروفیسر عبدالقادر سروری۔ص ۲۶۶

(۱۴) زبان اور علم زبان از پروفیسر عبدالقادر سروری۔ص ۲۷۴

(۱۵) زبان اور علم زبان از پروفیسر عبدالقادر سروری۔ص ۲۶۷

(۱۶) زبان اور علم زبان از پروفیسر عبدالقادر سروری۔ص ۲۶۸

(۱۷) خلفائے راشدین از معین الدین، دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ص ۳۵۳

(۱۸) زبان اور علم زبان از پروفیسر عبدالقادر سروری۔ص ۱۸۲

(۱۹) فن شاعری: از علامہ اخلاق دہلوی۔ص ۱۶

(۲۰) سخندان فارس از محمد حسین آزاد اتر پردیش اکاڈمی لکھنو۔ص ۱۲

(۲۱) فن شاعری از علامہ اخلاق دہلوی۔ص ۹

(۲۲) طرز نگارش: سچتانند۔ص ۶

(۲۳) زبان اور علم زبان از پروفیسر عبدالقادر سروری۔ص ۲۳۷۔۲۳۸

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور فیضانِ تصوّف

از : ڈاکٹر غلام مصطفی نجم القادری

صوفی باصفا امام احمد رضا اتنی خوبیوں کے جامع اور اتنے اوصاف کے حامل تھے کہ کوشش بسیار کے باوجود ان سب کا تعین بہت مشکل ہے اور کمال یہ کہ ہر خوبی ایسی درخشاں وتاباں کہ ان میں جس پر بھی نظر پڑ جائے تو دوسری طرف رخ کرنے کی نوبت نہیں آتی ، بلکہ وہ خوبی دوسری خوبیوں کی طرف متوجہ ہونے کی مہلت ہی نہیں دیتی ۔ ان کے اوصاف میں ایک اہم وصف یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دَور کے صوفی ہی نہیں صوفی گر ہیں ۔ بہت سے حضرات صرف ان کی صحبت ورفاقت پا کر ، ان کی مجلس کی نشست و برخاست کی برکت سے تصوف کے اعلیٰ درجے پر پہنچ گئے ۔ جس طرح وہ اپنی مجلس کے حاضر باشوں کو احکامِ شریعت سے آشنا کرتے رہتے تھے ، اسی طرح وہ اپنی مجلس میں طریقت کی پیچیدہ گتھیاں بھی سلجھاتے ، تصوف کی زلفِ پریشاں سنوارتے اور روحانی اقدار کے چہرے پر غازہ بھی ملتے رہتے ۔ لیکن ان کے کارِ تجدید واحیاے دین کا رنگ ایسا چوکھا ، نمایاں اور قوس قزحی تھا کہ دوسرے اوصاف کے رنگ اس میں چھپ کر رہ گئے ۔ یا یہ کہہ لیجیے کہ نام ونمود اور زیبائش ونمائش کی آلائش کے پیش نظر اپنے قالب پر مجدّدی کی دبیز چادر تان کر خود ہی سارے اوصاف کو اس میں چھپا لیا تھا ۔ تاہم ان کے اوصاف کی روشنی ، ان کی خوبیوں کی خوشبو اور ان کے کمالات کی جلوہ ریزی کبھی بذریعہ قلم ، کبھی بواسطہ گفتگو ، کبھی بوسیلہ خطاب اور کبھی بغرض اصلاح وہدایت آشکارا ہو ہو کر انجمن آرائی کرتی رہتی تھیں ۔ امام ربانی ، حضور مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مجدّد کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں :

”مجدّد وہ ہے کہ اس کے زمانے میں اُمتوں کو جتنے فیوض پہنچتے ہیں وہ اس کے واسطے سے پہنچتے ہیں ۔ اگر چہ اس وقت اقطاب اور اوتاد ہوں ، ابدال ونجبا ہوں ۔“ (مکتوباتِ امام ربانی ، فارسی ، صفحہ ۱۵ ، جلد ثانی)

معلوم ہوا اپنے دور کے مجدّد کی طرف رجوع کیے بغیر کسی بڑائی وبزرگی ، منصب ومرتبہ کا کوئی تصور ہی نہیں ہے ۔ مجدّد ہی فیض بخش عالم ہوتا ہے ، سوچنے کی بات ہے بحیثیت مجدّد کیا عوام ، کیا علما ، کیا صوفیا کیا فضلا ، جو سب کا مقتدا ہو وہ طریقت وتصوف میں کتنے اونچے مقام پر ہوگا ؟ مگر اس کا جلوۂ تصوف آج بھی اتنا عام نہیں جتنا ہونا چاہیے ۔ ضرورت ہے کہ ان کا وصف تصوفِ عالم آشکار ہوتا کہ اس رخِ روشن سے بھی لوگ اپنی حیات کا رخ متعین اور خیالات کا قبلہ درست کر سکیں ۔

تصوف کیا ہے ؟ تصوف کی حقیقت کیا ہے ، صوفی کون ہے اور صوفیت کے ضوابط کیا ہیں ؟ جو نظر آتا ہے وہی حقیقت ہے یا حقیقت بناوٹ میں گم ہے ؟ صوفیا ہی کے آثار وآرا کی روشنی میں پہلے ان اُمور کی وضاحت ضروری ہے ۔ سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں

”زمانے میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں ان کی وجہ سے زمانے والوں کی آنکھوں میں صوفیوں کا بُرا حال دکھائی دیتا ہے ، اُن

www.muftiakhtarrazakhan.com

کی پاک دامنی پر دھبے لگانے کا خاص سبب یہی ہے کہ خود صوفیوں نے اپنی روش بدل دی ہے اور خلافِ اصول عادتوں میں مبتلا ہو کر تصوف کو بدنام کر دیا ہے، ورنہ تصوف تو دین وایمان کی جان ہے۔" (مکتوباتِ صدی، ص ۱۷۱)

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری فرماتے ہیں:

"صفائے باطن کے لیے کچھ اصول وفروع ہیں، ایک اصل تو یہ ہے کہ دل کو غیر سے خالی کرے۔ اور فروع یہ ہے کہ مکر وفریب سے بھر پور دنیا کو دل سے خالی کر دے۔" (کشف المحجوب، ص ۶۴)

اب تک یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ صوفی مشتق کس سے ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ صوف (پشمینہ) کے کپڑے پہنتے ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں وہ اوّل صف میں ہوتے ہیں، اس لیے انہیں صوفی کہتے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ یہ اصحابِ صُفّہ کی نیابت کرتے ہیں۔ بعض کا کہنا یہ ہے کہ یہ نام 'صفا' سے ماخوذ ہے۔ آپ غور کریں تو ہر وجہ تسمیہ میں بکثرت لطائف موجود ہیں۔ خلاصے کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ چوں کہ صوفیائے کرام اپنے اخلاق ومعاملات کو مہذب و پاکیزہ بنا کر، طبعی آفتوں سے نفرت کرتے ہیں، اس بنا پر انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔ حضرت شیخ علی ہجویری اس امر کی نقاب کشائی یوں کرتے ہیں:

"جملہ مشائخ طریقت کا اس پر اجماع ہے کہ بندہ جب مقامات کی بندشوں سے آزاد ہو جاتا ہے اور احوال کی کدورتوں سے خالی ہو کر، تغیر وتلون کے حدود سے نکل جاتا ہے، تو وہ تمام احوالِ محمودہ سے متصف ہو جاتا ہے۔ اور تمام بشری کدورتوں سے نجات پا جاتا ہے، اس لیے اولیائے کاملین اور عرفائے محققین کا نام صوفی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں من صفا الحب فھو صاف ومن صفا الحبیب فھو صوفی "جس کی محبت پاک وصاف ہے، وہ صافی ہے اور جو دوست میں مستغرق ہو کر اس کے غیر سے بری ہو وہ صوفی ہے۔" (ایضاً ص ۶۸)

تصوف کے ماننے والوں، اس کے آداب پر عمل کرنے والوں یعنی خود حضراتِ صوفیا نے صوفی کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک کو صوفی، دوسرے کو متصوف اور تیسرے کو مستصوف کہتے ہیں۔ (۱) صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کر کے حق کے ساتھ مل جاتا ہے۔ (۲) متصوف، وہ ہے جو ریاضت ومجاہدہ کے ذریعے اس مقام کو طلب کرے۔ (۳) مستصوف، وہ ہے جو دنیاوی عزت ومنزلت کی خاطر خود کو ایسا بنا لے۔ گویا صوفی صاحبِ وصول ہے، متصوف صاحبِ اُصول اور مستصوف صاحبِ نقول وفضول۔

تصوف کا بانی کون ہے؟ اور صوفیِ اوّل کے لقب سے کون ملقب ہے؟ اس سلسلے میں سلطان المحققین، مخدوم جہاں، حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ، قرآن وحدیث کے اشارات ورموز کی روشنی میں اس راز کو یوں واشگاف فرماتے ہیں:

"اگر تصوف کی ابتدا پر غور کرو گے تو اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہی سے پاؤ گے۔ اس عالم میں پہلے صوفی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کو حق تعالیٰ نے خاک سے پیدا کیا، پھر اجتبا اور اصطفا کے مقام پر پہنچایا، خلافت عطا فرمائی، پھر صوفی بنایا۔...... وہ مرقع جو دریوزہ گری کے بعد پہنایا گیا تھا آپ اس کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ آخر عمر میں وہ مرقع شیث

www.muftiakhtarrazakhan.com

علیہ السلام کو آپ نے پہنادیا اور خلافت بھی سپرد کر دی۔ چنانچہ نسلاً بعد نسلٍ اسی طریقے پر عمل ہوتا رہا اور تصوف کی دولت ایک نبی سے دوسرے نبی کو یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہی۔ صوفیِ صافی اوّل حضرت آدم علیہ السلام کی خلوت در انجمن کے لیے خانۂ کعبہ کی بنیاد پڑی، یعنی دنیا میں پہلی خانقاہ کعبۂ مکرم ہے۔...... حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام نے بیت المقدس کو خانقاہ بنایا۔ چنانچہ اور ملکوں میں بھی خانقاہیں بنائی گئیں، جن میں عبادتیں کی جاتیں اور اسرارِ الٰہی کا بیان ہوا کرتا۔ پھر جب دورِ مبارک حضرت سیدنا و نبینا، سلطان الاولیا والانبیا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم آ پہنچا، ...... حضور نے اسی خانقاہِ کعبہ کا قصد فرمایا، علاوہ اس کے خود مسجدِ نبوی میں ایک گوشہ متعین کر دیا۔ اصحاب میں وہ گروہ جو سالکانِ راہِ طریقت بعنوان خاص تھا اس سے وہیں راز کی باتیں ہوا کرتیں۔ اس جماعتِ خاص صوفیہ کے لوگ قریب قریب ستر ۷۰ اشخاص تھے۔ تصوف و طریقت جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، اس کا تتمہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" (مکتوباتِ صدی، ص ۱۷۳ تا ۱۷۵ ملخصاً)

آج تو ایک طرح سے ہر بوالہوس نے تصوف پرستی شروع کر دی ہے۔ جس کو دیکھیے وہی اپنے آپ کو صوفی کہتے اور کہلواتے نظر آتے ہیں۔ رازدارِ شریعت و طریقت حضرت مخدوم جہاں فرماتے ہیں:

"تم اس بات کا یقین کر لو کہ جو شخص طریقت کی راہ کا طلب گار ہو، اس کے پاس شریعت کی پونجی ہونا ضرور چاہیے، تاکہ قصبۂ شریعت سے شہرِ طریقت میں پہنچے، طریقت میں جہاں قدم درست ہوا، ملکِ حقیقت میں پہنچ جانا آسان ہے۔ جس بے علم نے شریعت ہی کو نہیں سمجھا ہے، وہ طریقت کو کیا پہچانے گا اور جب طریقت ہی سے شناسائی نہیں ہے تو حقیقت تک کیوں کر رسائی ہو سکتی ہے۔ اسی لیے بے علم و معرفت اور ناواقفِ شریعت کو اس راہ میں چلنے کی اجازت نہیں۔ اگر اپنی خود رائی سے کوئی ایسا کرے گا تو بھٹک کر رہ جائے گا اور اسی چکر میں اس کی جان بھی چلی جائے گی۔ بالکل ناممکن ہے کہ وہ منزلِ مقصود تک پہنچ سکے۔ اگر بفرضِ محال کورانہ و جاہلانہ مجاہدہ و ریاضت سے کچھ نظر آ گیا، تو اتنا غرور پیدا ہوگا، جہالت بڑھے گی اور حماقت تیز ہوگی کہ ایمان تک رخصت ہو جائے گا اور شیطان کے پھندے میں پھنسا رہے گا۔ تم اس بات کا یقینِ کامل کر لو کہ اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو ولی نہیں بناتا، ما اتخذ اللہ ولیاً جاہلاً، مشائخ کا قول ہے۔ اور قرآن شریف میں بھی اس طرف اشارہ ہے، ولم یکن لہ ولی من الذل، خداوند جل و علا جاہل کو دوست کبھی نہیں بناتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جہالت سے بڑھ کر کوئی چیز ذلیل نہیں، یہ ساری ذلتوں کی جڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قدم رکھنا دل لگی نہیں ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ سالک کو جب بارہ چیزوں کا علم ہوتا ہے تو وہ اس راہ کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ (۱) علمِ توحید (۲) علمِ رسالت (۳) علمِ معاملت (۴) علمِ معرفت (۵) علمِ حالت (۶) علمِ مکاشفت (۷) علمِ مشاہدت (۸) علمِ خطاب (۹) علمِ سماع (۱۰) علمِ وجد (۱۱) علمِ معرفتِ روح (۱۲) علمِ معرفتِ نفس۔ پھر ان علوم کے اصول و فروع کی واقفیت بھی ضروری ہے۔" (مکتوباتِ صدی ص ۱۷۶، ۱۷۷)

ظاہر جب علم ہی نہیں ہے تو وہ حلال و حرام کو کیسے جان پائے گا، اور جب تک جانے گا نہیں حلال کا التزام اور حرام سے اجتناب کیسے کر پائے گا۔ اور جب خود نہیں کر پائے گا تو اپنے مریدوں سے کیسے کرا پائے گا۔ اور جب تک یہ نہیں ہوگا تقویٰ کا تصور بھی نہیں ہو پائے گا۔ اس لیے کہ تقویٰ حلال پر چلنے اور حرام سے بچنے ہی کا نام ہے۔ اور جب تقویٰ نہیں تو ولایت نہیں۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

اسی لیے تمام صوفیاے کرام اور علماے اسلام نے علم پر زور دیا، اور فرمایا اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو ولی نہیں بناتا، مگر ہاں جسے ولی بنانا چاہتا ہے اسے جاہل نہیں چھوڑتا۔ علم چاہے کسبی ہو یا وہبی مگر ہو۔ علم نور ہے، جب یہ رہے گا تو حیات اور معاملات حیات کا ہر گوشہ منور و تاباں رہے گا۔ اسی لیے شرائطِ مرشد کی تیسری شق ذکر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

''علمِ فقہ اس کی اپنی ضرورت کے قابل کافی اور لازم کہ عقایدِ اہلِ سنّت سے پورا واقف، کفر و اسلام، ضلالت و ہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو، ورنہ آج بد مذہب نہیں، کل ہو جائے گا۔'' (فتاویٰ افریقہ، امام احمد رضا)

جس خوش نصیب میں علم بھی ہو اور آدابِ شریعت کا لحاظ و خیال بھی اس کا قلب معرفتِ الٰہی کے انوار سے جگمگا اُٹھے گا۔ حضرت ابو القاسم قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسالہ مبارکہ ''قشیریہ'' میں ص ۳۰ پر سیدی ابو العباس احمد، محمد القردمی معاصر سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کرتے ہیں:

''من الزم نفسہ آداب الشریعۃ نور اللّٰہ قلبہ بنور المعرفۃ ولا مقام اشرف من مقام متابعۃ الحبیب فی اوامرہ وافعالہ واخلاقہ'' جو اپنے اوپر آدابِ شریعت لازم کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نورِ معرفت سے روشن کر دے گا، اور کوئی مقام اس مقام سے بڑھ کر معظم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام، افعال، عادات سب میں حضور کی پیروی کی جائے۔'' (مقام عرفاء، ص ۲۰)

یہ تصور باطل ہے کہ علما اور صوفیا دو الگ اور بے تعلق جماعتیں ہیں۔ علماے ربانیین ہی صوفیاے کاملین ہیں۔ صوفیا اور علما میں کبھی بُعد نہیں رہا، خانقاہوں کی زینت سجادہ حضرات ہی اپنے وقتوں میں مدارس کے فخر المدرسین بھی تھے، دار الاشاعت کے عمدۃ المؤلفین بھی اور خانقاہ کے زبدۃ العارفین بھی۔ آج کلّیات و جامعات کی کثرت کے باوجود انسان کو انسان بننا میسر نہیں۔ یہ سب کچھ خانقاہی نظام سے نفرت کے باعث ہے۔ یہ درست سہی کہ خانقاہی نظام میں وہ پہلی سی بات نہ رہی، تاہم اس کے آثار تو موجود ہیں، اس کی اصلاح تو ممکن ہے۔ درس گاہ اور خانقاہ یک جسم و یک جان ہوتے ہیں تو علم کے فوارے اور عمل کے چشمے سے آبادی کی آبادی جل تھل ہو اُٹھتی ہے۔ اور علم و عمل کی سنگم شخصیت کی زبان سے نکلی ہوئی بولی بولی نہیں ہوتی، قند کی ڈلی ہوتی ہے۔

معین الملۃ الدین حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ، برصغیر کے خوش عقیدہ مسلمان جن کی بارگاہ کو اپنی روحانی چھاؤنی اور آخری پناہ گاہ تصور کرتے ہیں، آپ نے صرف تین جملوں میں تصوف کے جلال و جمال کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ ان کی نظر میں سب سے بڑا صوفی، اللہ کا دوست یعنی ولی اللہ کون ہے؟ تو فرماتے ہیں:

'' حضرت پیر و مرشد کا قول ہے کہ جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہوتی ہیں، وہ اللہ کا دوست ہوتا ہے، اوّل دریا جیسی سخاوت، دوم آفتاب جیسی شفقت سوم، زمین جیسی تواضع۔'' (ہند و پاک کے اولیاء، ص ۴۹)

صاحبِ تذکرہ صوفیِ باصفا، عاشقِ مصطفیٰ امام احمد رضا چوں کہ قادری سلسلے کے صوفی و بزرگ ہیں اور قادری سلسلے کے بانی حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جامِ محبت کے ایسے مست ہیں کہ ان کے افکار و خیالات کی جنت میں ہر سو غوثِ اعظم کے قدمِ مبارک کی ہلچل سنائی دیتی ہے، اُن کے تصورات و نظریات کے آفاق پر ہر دم غوثِ اعظم کی یادوں کا سورج ضوفشاں رہتا ہے۔ اس لیے آیئے دیکھیں کہ صوفی و تصوف کے حقایق پر غوثِ اعظم کے خیالات کیا ہیں، اور ان خیالات کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کی حیات و خدمات، جذبات و ملکات کا مطالعہ کریں کہ انہوں نے کس کس طرح ان فرمودات کے لعل و گوہر سے اپنے خزینۂ

www.muftiakhtarrazakhan.com

روحانیت کو سجایا ہے، اور دوسروں کے بھی بے نور دل و دماغ کو درخشاں کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ ولی جن کی حیات کا مقصودِ اصلی ہی خدا تک رسائی اور خدا کو پالینا ہوتا ہے، حضور غوث پاک نے اس راستے کے پیچ وخم، منزلِ مقصود اور عرفانِ الٰہی تک کے سنگ میل کی نشان دہی فرمادی ہے، ارشاد گرامی ہے:

"اقرب طرق الی اللہ تعالیٰ لزوم قانون العبودیۃ الاستمساک بعروۃ الشریعۃ، اللہ عزوجل کی طرف سب سے زیادہ قریب راستہ قانونِ بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا ہے۔" (مقال عرفاء، ص۱۶، بحوالہ بہجۃ الاسرار ص ۵۰)

ولی کی پہچان کچھ لوگوں نے کرامت ٹھہرالی ہے۔ اُن کی نظرِ تلاش اس تگ ودو میں ہوتی ہے کہ خارق عادت، افعال کا صدور، محیر العقل کارنامے کا ظہور ہو، اگر اتفاق سے ایسا ہو گیا تو ان کی جبینِ عقیدت جھک جاتی ہے ورنہ ولی ماننے میں ہی انہیں تامّل ہوتا ہے۔ ولی کی سب سے بڑی پہچان شریعت پر استقامت ہے۔ دیکھیے کتنے واضح لفظوں میں حضور غوث پاک فرماتے ہیں:

"کرامۃ الولی استقامتہ فعلہ علیٰ قانون قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کا فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے قانون پر پورا اُترے۔" (مقال عرفاء، ص۳۹، بحوالہ بہجۃ الاسرار ص ۱۵)

تصوف، حقیقتِ تصوف اور لوازمِ تصوف کے حوالے سے جتنے جواہر پارے اب تک آپ کی بزمِ نظر سے گذرے ہیں ان تمام کو صرف دو جملوں میں اگر دیکھنا چاہیں تو حضور غوثِ پاک کا فرمان ایک بار پھر دیکھ لیجیے۔ جس نے بھی، جو کچھ بھی کہا ہے اس کی روح آپ کے ارشاد گرامی میں موجود ہے۔ امام احمد رضا نے ارشادِ غوثِ اعظم کو تاحین حیات حرزِ جاں بنائے رکھا۔ زندگی و بندگی کے ہر مرحلے میں اس کو پیش نظر رکھا۔ نسبتِ قادریت کی برکت نے امام احمد رضا بریلوی کو زمین سے اٹھایا اور قطبیت کے آسمان پر پہنچا دیا۔ امام احمد رضا کی اس روحانی بلندی کو دیکھ کر بڑے بڑے محوِ حیرت و استعجاب ہیں مگر اس میں حیرت کی چنداں کوئی بات نہیں ہے۔ فطرت جس غنچے کی شگفتگی چاہتی ہے، اس پر شبنم کے چھینٹے دے دیتی ہے، اس کی حنا بندی خود کرتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کو خاندان ملا، اس خاندان کی گود میں تصوف کا سورج اُگتا اور ڈوبتا تھا۔ جو اساتذہ و اکابر ملے وہ طریقت کے آسمان کے نجم و قمر تھے اور حسنِ اتفاق سے جو پیر ملے روحانی دنیا کی شہنشاہی انہیں نصیب تھی۔ ان سب نے مل کر اُن کے بچپن کو شریعت کا رنگ، اُن کے شباب کو طریقت کا آہنگ اور ان کی ضعیفی کو حقیقت کے کیف سے ایسا سرشار کر دیا کہ معرفت ان پر ناز کرنے لگی۔

(۱)　مثلاً آپ کے دادا قطبِ دوراں حضرت مولانا شاہ رضا علی خان صاحب نے شہر ٹونک میں مولانا خلیل الرحمن سے علوم دینیہ حاصل کر کے بائیس سال کی عمر میں سند حاصل فرمائی، آپ کے علم کا شہرہ ہندستان میں دور تک پھیلا۔ آپ سلوک و تصوف میں کامل درک رکھتے تھے۔ پُر اثر تقریر فرماتے تھے۔ زہد و قناعت، فقر و استغنا، حلم و تواضع آپ کا خاص وصف تھا۔ آپ اپنے وقت کے قطب تھے، بے شمار کرامتیں آپ سے ظہور میں آئیں۔

(۲)　آپ کے والد عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم نقی علی خان صاحب نے اپنے والد ماجد قدس سرہ سے علومِ ظاہرہ و باطنہ حاصل فرمایا۔ علوم ظاہری میں تو آپ کی نظیر نہیں تھی اور علوم باطنہ کا یہ عالم کہ دولتِ کشف سے آپ مالا مال تھے۔ جو فرمادیا ویسا ہی ظہور میں آیا۔ ایک مرتبہ بریلی میں قحط پڑا، مسلمانوں نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کی، آپ نے فرمایا ہمارے ساتھ چلو۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

ایک جم غفیر آپ کے پیچھے پیچھے تھا۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ پانی برسنا شروع ہوگیا اور اتنا برسا کہ گھٹنوں گھٹنوں پانی میں لوگ اپنے گھر آئے۔ (تجلیاتِ امام احمد رضا، ص ۳۰)

(۳) آپ کے اساتذہ میں نور العارفین حضرت سید ابوالحسین احمد نوری بھی ہیں، جو آپ کے روحانی مربّی ہیں۔ آپ کو گیارہ سال کی عمر میں آپ کے جدِّ اکرم و شیخ طریقت خاتم الاکابر حضور سیّد آلِ رسول مارہروی نے مجاہدات وسلوک اور خاص ادعیہ خاندانی، مثلاً حزب البحر، چہل اسم، حرز یمانی وغیرہم کی دعوت باقاعدہ آپ سے ادا کرائیں۔ آپ کی ریاضت کو دیکھ کر آپ کی جدہ ماجدہ گھبرا جاتیں اور روکنا چاہتیں، تو آپ کے جدِ امجد ارشاد فرماتے کہ رہنے دو، ان کو عیش و آرام سے کیا کام، یہ کچھ اور ہی ہیں، اور ان کو کچھ اور ہی ہونا ہے۔ یہ اقطاب سبعہ میں سے ایک قطب ہیں جن کی بشارت شاہ بوعلی قلندر پانی پتی نے دی ہے۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۳۸۱)

(۴) آپ کے اکابر میں ایک اہم نام شیخ العرب والعجم حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی کا ہے۔ ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ میں اعلیٰ حضرت، حافظ بخاری محدّث سورتی کی رفاقت میں آپ سے ملنے گئے۔ ادھر گنج مرادآباد میں بغیر کسی ظاہری اطلاع کے شاہ صاحب نے مریدوں سے فرمایا کہ آج ایک شیر حق آرہا ہے، چلو اس کا استقبال کیا جائے۔ چنانچہ قصبے سے باہر تشریف لاکر استقبال فرمایا، اپنے مخصوص حجرے میں مہمان ٹھہرایا۔ عصر کے بعد اعلیٰ حضرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''مجھے آپ میں نور ہی نور نظر آتا ہے'' نیز فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ مَیں اپنی ٹوپی آپ کو اڑھادوں، اور آپ کی ٹوپی خود اوڑھ لوں۔ یہ فرما کر اپنی ٹوپی اعلیٰ حضرت کو اڑھادی اور اعلیٰ حضرت کی ٹوپی خود اوڑھ لی۔ اس وقت اعلیٰ حضرت کی عمر صرف بائیس سال کی تھی اور حضرت شاہ کی ۸۴ سال کی۔

(۵) آپ کے پیر و مرشد خاتم الاکابر حضرت مخدوم الشاہ سیّد آلِ رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم و تربیت والد ماجد کی آغوشِ شفقت میں ہوئی۔ ۱۲۲۶ھ میں حضرت شیخ العالم عبدالحق ردولوی المتوفی ۸۰۷ھ کے عرس مبارک کے موقع پر علما و مشائخ کی موجودگی میں دستارِ فضیلت سے سرفراز فرمایا گیا۔ اسی سال حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کے درسِ حدیث میں شریک ہوئے۔ صحاحِ ستہ کا دورہ کرنے کے بعد سلاسلِ حدیث و طریقت کی سندیں مرحمت فرمائیں۔ آپ علومِ ظاہری و باطنی کے بحر ناپیدا کنار تھے۔ آپ کے مکاشفہ میں عجیب شان تھی، اپنے اسلاف کی زندہ و تابندہ یادگار تھے۔ آپ کے مرید و خلیفہ خاص امام اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت نے فارسی میں آپ کے فضائل پر ۱۴۲ اشعار قلم بند فرمائے، جس کا مطلع ہے:

خوشا دلے کہ دہندش ولائے آلِ رسول　　　خوشا سرے کہ کنندش فدائے آلِ رسول

(ایضاً، ص ۳۷۰)

سلوک و تصوف کا جو ہر بھرا ماحول آپ کو ملا تھا اور طریقت و معرفت کی جن نورانی کڑیوں سے آپ وابستہ تھے، اس کا اثر و فیض آپ کو پہنچنا ہی تھا، اسی لیے کیا بچپن اور کیا جوانی، حیات کے جس باب کو دیکھیے تابناک نظر آتا ہے۔ صرف بچپن کے حالات اگر یکجا کیے جائیں تو کمالات دیکھ کر آپ بھی کہیں گے کہ یا تو یہ مکتب کی کرامت ہے یا صاحبِ نظر کا فیضانِ نظر۔ ہم صرف اشارہ کرکے آگے بڑھتے ہیں، مثلاً (ا) بسم اللہ خوانی کے وقت ساڑھے تین سال کی عمر میں ''لا'' پر اعتراض کرنا کہ الف

www.muftiakhtarrazakhan.com

بھی پڑھ لیا اور لام بھی، پھر دوبارہ کا بشکل مرکب "لا" کیوں؟ (۲) ناظرہ قرآن پڑھتے وقت کسی آیت میں استاذ کا زبر بتانا، آپ کا غیر اختیاری طور پر زیر پڑھنا، اور دوسرے نسخۂ قرآن سے مطابقت پر آپ کی تائید کا ملنا۔ (۳) استاذ کے جواب "جیتے رہو" پر اعلیٰ حضرت کا یہ کہنا کہ یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا، وعلیکم السلام کہنا چاہیے۔ (۴) چھ سال کی عمر میں جلسۂ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر مجمع عام میں دو گھنٹہ تقریر کرنا۔ (۵) ۸ برس کی عمر میں عربی گرامر کی کتاب کا عربی زبان میں حاشیہ لکھ دینا۔ (۶) استاذ سے سبق پڑھنے کے بعد ایک دو مرتبہ دیکھ لینے پر پورا سبق از بر ہو جانا اور استاذ کو سنا دینا۔ (۷) کسی بھی کتاب کی ابتدائی چند بحث پڑھ لینے کے بعد بقیہ پوری کتاب کا خود ہی حل کر لینا۔ (۸) تیرہ سال، دس ماہ، پانچ دن کی عمر میں تمام علوم مروجہ عقلیہ ونقلیہ، عالیہ وآلیہ، جدیدہ وقدیمہ سے فارغ ہو جانا۔ (۹) جس دن فارغ ہوئے اسی دن رضاعت کے مسئلہ کا جواب لکھنا اور والد صاحب کا خوش ہو کر فتویٰ نویسی کا پورا کام آپ کو سونپ دینا، وغیرہ وغیرہ۔

آپ کی ایامِ طفلی سے عنفوانِ شباب تک کے یہ چند واقعات ہیں، جو ہمیشہ ذکر کیے جائیں گے اور جب بھی ذکر کیے جائیں گے، شیخ سعدی کا یہ شعر یاد آئے گا کہ

بالائے سرش زہوش مندی　　　　می تافت ستارۂ بلندی

چودہ سال کی چھوٹی سی عمر میں فراغت کے بعد کارِ افتا کی ذمہ داری سنبھالتے ہی جب آپ نے گرد وپیش کو شریعت کی میزان اور طریقت کی ترازو پر تولا تو حالاتِ حاضرہ کے ہر شعبے کو کہیں کمی اور کہیں زیادتی کا شکار پایا۔ اگر شریعت میں بدعت کی آمیزش کی وجہ سے چہرۂ شریعت دھندلا نظر آ رہا تھا، تو طریقت میں جہالت کی آلائش کے سبب روحِ طریقت مجروح نظر آ رہی تھی۔ ستم بالائے ستم لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر شریعت وطریقت دونوں کو دو خانوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایسے میں اسلام بچانے کی فکر ہی بہت بدیہی بات ہے۔ چہ جائیکہ کارزارِ عمل میں سرگرم عمل ہونا۔ حق کو باطل سے، نور کو ظلمت سے، چھانٹ چھانٹ کر الگ کرنا، خالص شریعت اور شفاف طریقت سے دنیا کو آشنا کرنا، یہ معاملہ جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا مگر اصلاحِ فکر وعمل اور فلاحِ جسد وروح کے لیے ایک ماہر سرجن کی طرح آپ کو جو کرنا تھا، کسی کی چیخ وپکار کی پرواہ کیے بغیر وہ سب کچھ کر دیا جس کے بغیر نہ شریعت کا کوئی وقار تھا اور نہ طریقت کا کوئی اعتبار، زمانہ دیکھتا رہ گیا اور فتح ونصرت نے بڑھ کر جھنڈا گاڑ دیا۔ یہ وہ عظیم مجاہدہ ہے جس کو ہر مجاہدہ رشک کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں:

"مجاہدہ کے لیے اسّی برس درکار ہیں اور رحمت توجہ فرمائے تو ایک آن میں نصرانی سے ابدال کر دیا جاتا ہے، اور صدقِ نیت کے ساتھ مشغولِ مجاہدہ ہو تو امدادِ الٰہی خود کارفرما ہوتی ہے۔ عرض کیا گیا، یہ تو اگر اسی کا ہو رہے تو ہو سکتا ہے۔ دنیوی ذرائع معاش اور دینی خدمات سب چھوڑنا پڑیں گی۔ فرمایا، اس کے لیے یہی علامات مجاہدات ہیں، بلکہ اگر نیت صالح ہے تو ان مجاہدوں سے اعلیٰ، امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، ایک عالم صاحب کی وفات ہوئی، ان کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا، آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ فرمایا، جنت عطا کی گئی، نہ علم کے سبب بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس نسبت کے سبب جو کتے کو راعی کے ساتھ ہوتی ہے، کہ ہر وقت بھونک بھونک کر بھیڑوں کو بھیڑیئے سے ہوشیار کرتا رہتا ہے۔ مانیں نہ مانیں ان کا کام۔ فرمایا کہ بھونکے جاؤ، بس اس قدر نسبت کافی ہے، لاکھ ریاضتیں، لاکھ مجاہدے اس نسبت پر

www.muftiakhtarrazakhan.com

قربان، جس کو یہ نسبت حاصل ہے اس کو کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں، اور اس میں کیا ریاضت تھوڑی ہے؟ جو شخص عزلت نشین ہوگیا، نہ اس کے قلب کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے، نہ اس کی آنکھوں کو نہ اس کے کانوں کو، اس سے کہیے جس نے اوکھلی میں سر دیا ہے، اور چاروں طرف سے موسل کی مار پڑی ہے۔" (الملفوظ، ج ۳، ص ۳۸)

اعلیٰ حضرت کے اس بیان پر علامہ محمد احمد مصباحی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اب آپ امام احمد رضا کے شب و روز کا جائزہ لیں اور دیکھیں، انہوں نے کتنا عظیم مجاہدہ کیا ہے، پوری زندگی خدمتِ دین اور پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑوں کو ہوشیار کرنے اور رہزنانِ دین کی گالیاں سننے میں بسر کی ہے اور یہ سلسلہ بعد وصال بھی جاری ہے، ایک طرف ان کی تصانیف سے حفاظت دین و مسلمین ہوئی جارہی ہے، تو دوسری طرف، مخالفین کی جانب سے گالیوں کا بھی تانتا بندھا ہوا ہے۔ یہی وہ عظیم مجاہدہ تھا کہ ان کے مرشد طریقت نے کسی اور ریاضت کی ضرورت نہ سمجھی، بلکہ بیعت کے ساتھ، خلافت و اجازت کا تمغۂ امتیاز بھی بخش دیا، اور اس اعزاز سے بھی سرفراز کردیا کہ "روزِ قیامت، اگر احکم الحاکمین نے فرمایا، کہ آلِ رسول، تم میرے لیے کیا لائے ہو؟ تو میں احمد رضا کو پیش کروں گا۔" (امام احمد رضا اور تصوف، ص ۴۸)

حضرت خاتم الاکابر نے ۲۲ سالہ نوجوان میں وہ کون سی خوبی دیکھ لی کہ ابناز اِذِ آخرت اپنے اس مرید کو بنالیا۔ پوچھنے پر آپ نے جواب دیا تھا کہ اور لوگ میلا کچیلا دل لے کر آتے ہیں، انہیں بذریعہ ریاضت صاف کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ صاف ستھرا دل لے کر آئے، صرف نسبت کی ضرورت تھی وہ میں نے پوری کردی، دل کا صاف و شفاف ہونا یہ کوئی آسان بات نہیں ہے۔ گناہ چھوٹا ہو چاہے بڑا، ہر گناہ سے دل پر داغ پڑتا ہے، مگر جس ۲۲ رسالہ پاک دامن نوجوان کا دل اتنا مصفّٰی ہو کہ خاتم الاکابر جیسی عبقری شخصیت اس کی گواہی دے، بلکہ اس پر ناز کرے، وہ احکامِ شریعت کے عامل اور آدابِ طریقت کے حامل کے سوا دوسرا ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ وہ تو وہ خوش نصیب انسان ہے قرآن نے جس کے لیے دارین کی فلاح کی ضمانت دی ہے، قد افلح من تزکیٰ 'تحقیق کہ وہ کامیاب ہوگیا جس نے اپنے دل کو پاک کرلیا'۔ اور یہ چیز تقویٰ کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتی۔ اور تقویٰ ولایت کی شرائط میں ایک اہم شرط ہے، اور جب شرط ولایت پائی گئی تو ولایت حاصل ہوگئی۔ اس کا صاف مطلب یہ نکلا کہ دل کی صفائی کی بات کہہ کر حضرت خاتم الاکابر نے ۲۲ رسال کی عمر میں آپ کے ولی ہونے کی بشارت دی ہے۔ ولایت کیا ہے؟ اللہ کی پسندیدگی کی سند ہے۔ اور اللہ کو وہ بندہ بہت پسند ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی بات بتائے۔ قرآن نے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو خیر اُمت کی دلیل بنایا ہے۔ جو بھی اس عمل خیر سے گذرے گا۔ خیر کی سعادت کا تاج اس کے سر رہے گا۔ علامہ ابن جوزی، "صفت الصفوۃ" میں حضرت سفیان بن عیینہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"ارفع الناس منزلۃ من کان بین اللہ وبین عبادہ وھم الانبیاء والعلماء، لوگوں میں سب سے بلند رتبہ وہ حضرات ہیں جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں۔ یہ انبیاء اور علماء ہیں۔" (صفۃ الصفوۃ، ج ۲، ص ۱۳۱)

ایک صحرا نشین، خلوت گزیں صرف اپنے کا نارِ جہنم سے بچانے کی تدبیر کرتا ہے۔ اور ایک مخلص و بے ریا صاحب ہمت و مجاہدہ عالمِ ربانی ایک جہان کو عذابِ آخرت سے بچانے کی سعی کرتا ہے، یقیناً یہ اس سے افضل و اعلیٰ ہے۔ یہ مجاہدہ و ریاضت، یہ اصلاح و ہدایت، یہ جہدِ مسلسل و مشقت، یہ خدمتِ دین و ملت، یہ جذبۂ فروغِ شریعت و طریقت ہی رضائے مصطفیٰ اور وصلِ مولیٰ کے

www.muftiakhtarrazakhan.com

لیے کافی ووافی ہے۔اس پر مستزاد، حضرت پیرو مرشد کی تعلیم وتربیت نے سونے پہ سہاگہ کا کام کیا۔اعلیٰ حضرت خود فرماتے ہیں:

"جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں شرفِ بیعت سے مشرف ہوا۔تعلیم وتربیت حضور پُرنور مرشدِ برحق سے حاصل کی ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا۔تو قبلِ وصال مجھے حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری، اپنے ابن الابن، ولی عہدو سجادہ نشیں کے سپرد فرمایا۔" (حیاتِ اعلیٰ حضرت،ص ۴۴۔۴۵)

اوراعلیٰ حضرت نے بھی باب آں علم وفضل ہمیشہ اپنے آپ کو حضرت نوری میاں کے جاروب کشوں میں شمار کیا۔اور ادب وتواضع کا وہ مظاہرہ کیا کہ ابرِ کرم برستارہا اوراعلیٰ حضرت نہال ہوتے رہے۔حضرت نوری میاں کی شان میں اعلیٰ حضرت قصیدہ لکھتے اور بزبانِ خود پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے۔ذرا ان کی کیفیت ومستی کا یہ عالم دیکھیے ؎

برتر قیاس سے ہے مقامِ ابوالحسین　　سدرہ سے پوچھو رفعتِ بامِ ابوالحسین

حاضرین پر وجد طاری ہے،طویل منقبت کے بعد مقطع پیش کرتے ہیں ؎

یاں طالع رضاؔ تیری اللہ رے یاوری　　اے بندۂ جدودوکرام ابوالحسین

وہ دیکھیے محفلِ نور آراستہ ہے۔حضرت رضاؔ،نوری میاں کے روبرو دوزانو بیٹھے ہیں۔اعلیٰ حضرت تازہ مدحیہ قصیدہ لائے ہیں،وہ نذر کررہے ہیں۔قصیدے کا نام ہے"مشرقستانِ قدس" مقطع پر پہنچ کرعرض کرتے ہیں ؎

اتنا کہہ دے رضاؔ ہمارا ہے　　پار بیڑا ہے احمد نوری

اسی مقطع کی تکرار کررہے ہیں اور بڑے نیاز سے عرض کررہے ہیں۔"اتنا کہہ دے رضا ہمارا ہے، اتنا کہہ دے رضا ہمارا ہے"،"اتنا کہہ دے رضا ہمارا ہے" اعلیٰ حضرت نے حضور نوری میاں کی آنکھوں میں کچھ دیکھ لیا، چہرے کو پڑھ لیا اور "نیاز" نے اچانک "ناز" کا رنگ لے لیا۔اعلیٰ حضرت نے دوسرا مقطع نذر کیا ؎

اے رضاؔ کیوں ملول ہوتے ہو　　ہاں تمہارا ہے احمد نوری

اب اسی مصرع کی تکرار ہے"ہاں تمہارا ہے احمد نوری، ہاں تمہارا ہے احمد نوری، ہاں تمہارا ہے احمد نوری"۔حضرت نوری میاں کو اعلیٰ حضرت کی یہ ادا کچھ ایسی بھائی کہ آپ نے اپنا عمامہ مبارک سر سے اُتارا اوراعلیٰ حضرت کے سر پر باندھ دیا۔گویا سند مل گئی کہ "ہاں تمہارا ہے احمد نوری"۔اعلیٰ حضرت نے عرض کیا، حضور یہ عمامہ نہیں بلکہ میرے سر کا تاج ہے۔یہ سُن کر مولانا عبدالمقتدر صاحب نے فرمایا کہ مولانا یہ "تاج الفخر" ہے۔دیکھا گیا تو اس لفظ سے اس واقعہ کی سند برآمد ہوتی ہے "تاج الفخر" (۱۳۱۵)۔

پھر حضرت نوری میاں نے اس تحریر پرتنویر سے مفتخر فرمایا،"چشم وچراغِ خاندانِ برکاتیہ مارہرہ، مولانا احمد رضا خاں، دام عمرھم وعلمہم" یہ خطاب مَیں نے آپ کو بایماء غیبی پہنچادیا۔بطوع ورغبت آپ کو قبول کرنا ہوگا۔اور مَیں نے بطیب خاطر، بلا جبرواکراہ، بہ رغبت قلب یہ خطاب آپ کو ہبہ کیا اور بخش دیا۔یہی خط اس کی سند میں باضابطہ رہے۔فقط ابوالحسین نوری، مارہرہ۔ (جامِ نور، جنوری ۲۰۰۸ء،ص ۵)

بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا نے وہ منازلِ سلوک اور مراحلِ طریقت بھی طے فرمائے جو بے توجہ مرشدِ کامل

www.muftiakhtarrazakhan.com

طے نہیں ہوتے۔ خود اپنی طبعی کوشش، فطری خواہش، اکابر و اساتذہ کی نوازش اور اس پر مرشدِ برحق کی روحانی آرائش نے امام احمد رضا کے طبقاتِ حیات کو ایسا روشن و منور اور معنبر و معطر کر دیا کہ دوسروں کو بھی انھیں نقوش و خطوط پر چلا نا ان کا مرکزی نکتہ اور نصب العین بن گیا۔ مشائخ و عرفا کا اس پر اجماع ہے کہ ''شریعت کا چھوآنے والا طریقت کی ہوا بھی نہیں پاسکتا۔'' امام احمد رضا اپنی تصنیف ''مقال عرفا'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ □

''شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس، ایک ایک پل، ایک ایک لحہ مرتے دم تک ہے۔ اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ کہ راہ جس قدر باریک اسی قدر ہادی کی زیادہ حاجت، اے عزیز! شریعت عمارت ہے، اس کا اعتقاد بنیاد، اور عمل چنائی، پھر اعمالِ ظاہر وہ دیوار ہیں کہ اس بنیاد پر ہوا میں چنے گئے ہیں۔ اور تعمیر اوپر بڑھ کر آسمانوں تک پہنچی وہ طریقت ہے۔ دیوار جتنی اونچی ہوگی نیو کی زیادہ محتاج ہوگی۔ احمق وہ جس پر شیطان نے نظر بندی کر کے اس کی چنائی آسمانوں تک دکھائی اور دل میں یہ ڈالا کہ اب ہم تو زمین ک دائرے سے اونچے گذر گئے۔ ہمیں اس سے تعلق کی کیا حاجت۔ نیو دیوار سے جدا کرلی، اور نتیجہ وہ ہوا جو قرآن عظیم نے فرمایا، فانھار بہ فی نار جھنم اس کی عمارت اسے لے کر جہنم میں ڈھے پڑی۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔ اسی لیے اولیاے کرام فرماتے ہیں، صوفی جاہل شیطان کا مسخرہ ہے۔ اسی لیے حدیث میں آیا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد' ایک فقیہہ، شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ بے علم مجاہدے والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے۔ منھ میں لگام، ناک میں نکیل ڈال کر جدھر چاہے کھینچے پھرتا ہے۔ حضور غوث پاک 'فتوح الغیب' میں ارشاد فرماتے ہیں ''جس حقیقت کی گواہی شریعت نہ دے وہ زندقہ ہے۔'' اور امام غزالی 'احیاء العلوم' میں فرماتے ہیں ''جس حقیقت کو شریعت باطل بتائے وہ حقیقت نہیں بلکہ کفر ہے۔'' امام الطریقت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''صوفی اسے کہتے ہیں، جو ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں سُنّتِ نبویہ لیے ہو۔'' اب بھی جو شخص یہ کہے کہ شریعت اور ہے طریقت اور ہے، اولیاے کرام، صوفیاے عظام کے ارشاد کے بموجب وہ مردود ہے۔''

جسمِ پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا نام شریعت ہے، قلب پاک کے احوال کا نام طریقت ہے، سرِ پاک کے احوال کا نام حقیقت ہے۔ اور روح پاک کے حالات کا نام معرفت ہے۔ غرض کہ ذاتِ پاکِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان چاروں کا مرکز ہے۔''

یہ تھا امام احمد رضا کے قلم سے نکلا ہوا شریعت و طریقت کا وہ مغز کہ یہ جہاں کہیں بھی ہوں گے شریعت کی توانائی بھی وہیں رہے گی اور طریقت کی تازگی بھی۔ امام احمد رضا نے اپنے زورِ قلم اور طبع رسا سے اس طرح انہیں اوراق پر سجادیا ہے کہ جو ان سے قریب ہوتا ہے یا ان کو اپنے سے قریب کر لیتا ہے وہ بھی چمک اُٹھتا ہے۔ روحانیت کا تمام حسن، طریقت کی تمام جمالیاتی قدریں اس میں سمٹ آتی ہیں۔ ایسی علم ریز اور عمل خیز بحث وہی کر سکتا ہے جو خود شریعت کا جامع اور طریقت کا ماہر ہو۔ جس کے قلب پر شریعت کا نقش و نگار اور قلب پر طریقت کا باغ و بہار جلوہ بار ہو، جو نکتہ رس عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ باریک بین صوفیِ کامل بھی ہو۔ علم اور عمل جب گلے ملے ہیں، شریعت و طریقت جب ہم آہنگ ہوئے ہیں تب امام احمد رضا صوفیِ باصفا ہوئے ہیں۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان کی یہ خوبیاں اضافی ہیں۔نہیں بلکہ بچپن ہی سے وہ ان اوصاف سے متصف تھے۔ان کے بچپنے کے وائف بولتے ہیں کہ وہ شروع ہی سے صوفی تھے۔اسی لیے اُن کی سیرت میں صرف علم کا دعویٰ نہیں، عمل کی دلیل بھی ہے۔نماز اور روزہ، احکام شرع میں دو ایسے احکام ہیں کہ جوان کا مکمل پابند ہوتا ہے وہ دوسرے احکام میں بھی ذرّہ برابر کوتاہی نہیں کرتا۔ اختصار کے پیش نظر ہم روزہ و نماز کا صرف ایک ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ وہ تقویٰ ہی نہیں ورع کی منزلِ بلند پر فائز تھے۔اور ان اولیاء الا المتقون کے مطابق متقی کامل اور ولی عارف تھے۔امام احمد رضا کی زندگی کا آخری رمضان ۱۳۳۹ھ میں تھا، اس وقت ایک تو بریلی میں سخت گرمی تھی، دوسرے عمر مبارک کا آخری حصہ اور ضعف و مرض کی شدت، شریعت اجازت دیتی ہے کہ شیخ فانی روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے۔اور ناتواں مریض کو اجازت دیتی ہے کہ قضا کرے۔لیکن امام احمد رضا کا فتویٰ اپنے لیے کچھ اور ہی تھا۔جو درحقیقت فتویٰ نہیں تقویٰ تھا۔انہوں نے فرمایا، بریلی میں شدتِ گرما کے سبب میرے لیے روزہ رکھنا ممکن نہیں۔لیکن پہاڑ پر ٹھنڈک ہوتی ہے۔یہاں سے نینی تال قریب ہے۔بھوالی پہاڑ پر روزہ رکھا جاسکتا ہے۔میں وہاں جانے پر قادر ہوں۔لہٰذا میرے اوپر وہاں جاکر روزہ رکھنا فرض ہے۔چنانچہ رمضان وہیں گذارے اور پورے روزے رکھے۔۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو وصال ہوتا ہے۔مرض مہینوں سے تھا اور ایسا کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں۔شریعت اجازت دیتی ہے کہ ایسا مریض گھر میں تنہا نماز پڑھ لے۔مگر امام احمد رضا جماعت کی پابندی کرتے۔چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد تک پہنچاتے، جب تک اس طرح حاضری کی قدرت تھی، جماعت میں شریک ہوتے رہے۔علامہ محمد احمد مصباحی نے اپنے استاذ محترم حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے حوالے سے جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

"ایک بار مسجد لے جانے والا کوئی نہ تھا، جماعت کا وقت ہوگیا۔طبیعت پریشان، ناچار خود ہی کسی طرح گھسٹتے ہوئے حاضر ہوئے اور باجماعت نماز ادا کی۔آج صحت و طاقت اور تمام تر سہولت کے باوجود ترکِ نماز اور ترکِ جماعت کے ماحول میں یہ واقعہ ایک عظیم درسِ عبرت ہے۔" (امام احمد رضا اور تصوف، ص ۵۶)

یہ انداز و ادا، یہ روشِ حیات، یہ جذبۂ عبودیت وہ استقامت علی الشریعۃ ہے جسے غوث اعظم نے کرامت کہا ہے۔اور یہی وہ کرامت ہے جس کے بارے میں سید المکاشفین حضرت محی الدین ابن عربی نے فرمایا کہ "اس میں استدراج اور مکر کا دخل نہیں، یہ اصل کرامت معنوی ہے۔" لیکن ان کی حیات میں بہت سی کرامات حسّی بھی موجود ہیں جو (۱) "امام احمد رضا اور تصوف" کے 'کرامات' والے حصے میں (۲) "تجلیاتِ امام احمد رضا" میں (۳) "سیرتِ اعلیٰ حضرت مع کرامات" میں (۴) "صوفیِ باصفا امام احمد رضا" میں (۵) خصوصیت کے ساتھ "حیاتِ اعلیٰ حضرت" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔امام احمد رضا کی کرامتوں میں یہ بھی عظیم اور نمایاں کرامت ہے کہ ان کے خلفا، تلامذہ اور مریدین اصحابِ کرامت ہوئے ہیں۔مثلاً:

(۱) ملک العلما حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ الباری، عرصے سے فشار الدم کے مرض میں مبتلا تھے اور بہت کمزور ہوگئے تھے۔لیکن ان کی عبادت و ریاضت میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی۔نہ اُن کے روزانہ کے معمولات میں کوئی فرق آیا۔زندگی کے آخری دن تک وہ علمی و دینی فرائض حسب معمول انجام دیتے رہے۔شب دوشنبہ ۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر جہر اللہ، اللہ کرتے، انہوں نے اپنی جان، جانِ آفریں کو اس طرح سپرد کی کہ کچھ دیر تک اہلِ

www.muftiakhtarrazakhan.com

خانہ کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ واصل بحق ہو چکے ہیں۔ (مقدمہ الجامع الرضوی، ص ۱۰)

(۲) صدر الشریعہ حضرت علامہ محمد امجد علی اعظمی، مصنف بہارِ شریعت، علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد برسات کی وجہ سے مزار شریف کا ایک حصہ کھل گیا، پورا باغ خوشبو سے معطر ہوگیا۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ یہ خوشبو نہ پہلے ہم نے کسی چیز میں پائی، نہ بعد میں اس کی نظیر نظر آئی۔ اعلیٰ حضرت کے خلف اصغر حضور مفتیِ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ ملفوظات کے دیباچے میں فرماتے ہیں "صحبت بغیر رنگ لائے نہیں رہتی۔ اور پھر اچھوں کی صحبت اور وہ بھی کون جنہیں سید العلما کہیں تو حق یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ جنہیں تاج العرفا کہیں تو بجا، جنہیں مجدد وقت اور امام اولیا کے تعبیر کریں تو صحیح، جنہیں حرمین طیبین کے علمائے کرام نے مدائح جلیلہ سے سراہا۔ انہ السید الفرد الامام کہا۔ ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ انہیں اپنا شیخ طریقت بنایا، ان سے سندیں لیں، اجازتیں لیں۔ انہیں اپنا استاذ بنایا، پھر ایسے کی صحبت، کیسی بابرکت صحبت ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ صحبت کی برکت نے انسان کردیا۔ میری جان، ان پاک قدموں پر قربان، جب سے یہ قدم پکڑے، آنکھیں کھلیں، اچھے بُرے کی تمیز ہوئی، اپنا نفع وزیاں سوجھا، منہیات سے تابمقدور احتراز کیا۔ اور اوامر کی بجا آوری میں مشغول ہوا۔ (الملفوظ، ج ۱، ص ۴) یہ اعتراف استفاضہ کافی ووافی ہے۔

(۳) اب آپ کو خود حضور مفتیِ اعظم ہند کی زندگی پر نظر ڈالیں۔ شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی زندگی، طریقت کی میزان پر تلی ہوئی زندگی اور کشف و کرامات سے بھری ہوئی زندگی، اس زندگی کے جلوے اب بھی بہت سی نگاہوں میں محفوظ ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں حضرت خواجہ غریب نواز کے بعد پورے برِ صغیر میں سب سے زیادہ جس بزرگ کی کرامتیں زبان زد خواص و عوام ہیں اور عمومی مجالس سے مخصوص محافل تک سُنی اور سنائی جاتی ہیں وہ حضور مفتیِ اعظم ہند کی کرامتیں ہیں۔ مفتیِ اعظم ہند کون ہیں؟ اعلیٰ حضرت کے دسترخوانِ تصوف کے ریزہ چیں، اعلیٰ حضرت کے مے کدے کی معرفت کے بادہ خوار۔ ظاہر ہے کہ جب زندگی کا یہ عالم ہے تو، زندگی ساز کا عالم کیا ہوگا۔ امام احمد رضا کے دورِ حیات میں طریقت ظلم و جہالت کے پنجے میں سسک رہی تھی، ایک تو انگریزوں کا ساختہ و پرداختہ گروہ تھا جو تصوّف کے وجود پر ہی سوالیہ نشان لگا رہا تھا، دوسری ٹولی نام نہاد صوفیوں کی تھی، جو اپنی ناروا حرکتوں سے تصوف کی مٹی پلید کررہی تھی، اور اپنی اس حرکتِ مکروہی پر وہ اتنے جری تھے کہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھے۔ امام احمد رضا نے تصوف کی یہ حالت زار دیکھی تو بحیثیت صوفی آپ تڑپ اُٹھے، اور تصوّف کے دفاع میں اپنی علمی و عملی فوج میدان میں اُتار دی۔ پھر کیا تھا کتابوں کا عسکری دستہ، رسائل کی وہ کمک بھیجی کہ خانقاہ سے لے کر درگاہ تک رضا کے نام کی دھوم مچ گئی۔ درگاہ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا کے سجادہ نشین حضرت خواجہ حسن نظامی کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ □

"بریلی کے مولانا احمد رضا خان صاحب جن کو اُن کے معتقد مجدد ماۃ حاضرہ کہتے ہیں، درحقیقت طبقۂ صوفیا کرام میں باعتبار علمی حیثیت کے منصبِ مجدد کے مستحق ہیں۔ انہوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکہ کی کتابیں لکھی ہیں جو سالہا سال سے فرقۂ وہابیہ کے زیرِ تحریر و تقریر تھیں، اور جن کے جوابات گروہ صوفیہ کی طرف سے کافی و شافی نہیں دیئے گئے تھے۔...... جماعت صوفیا علمی حیثیت سے مولانا موصوف کو اپنا بہادر صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے، اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔" (ہفت روزہ خطیب، دہلی۔ ۲۲ / مارچ ۱۹۱۵ء)

www.muftiakhtarrazakhan.com

آپ نے خانقاہوں اور صاحب خانقاہ کے تقدس کی خاطر پوری زندگی جہاد بالقلم فرما کر خانقاہی نظام کو درست کرنے کا انمول ضابطۂ حیات عطا فرمایا، اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ آج پھر بیش تر خانقاہیں، ہوا، ہوس، ہاو ہو میں مبتلا اپنے محسن کے لائحہ عمل سے جداگانہ ہے، ورنہ آج اگر پوری خانقاہیں امام اہلِ سنّت کو اپنا قاید اور محسن مان کر آپ کے بتائے اصول پر گامزن ہو جائیں تو آج بھی خانقاہیں رشد و ہدایت کا سرچشمہ بن سکتی ہیں۔ تصوف کا اصلی رمز آپ کی ذات سے فروغ پایا۔ اور آج اگر خانقاہیں محفوظ ہیں، مقابر ڈھائے نہیں گئے، آثارِ مقدسہ کی عظمت برقرار ہے تو یہ صدقہ ہے مجدد اعظم قدس سرہٗ کا۔ اس لیے کسی خانقاہ یا صاحب خانقاہ کو چھیڑے بغیر آپ ہی کی ذات پر ہر باطل اور بدمذہب حملہ کررہے ہیں۔ طریقت و تصوّف کے باب میں امام احمد رضا کی یہ بھی ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ مروّجہ سلاسل کی اجازت و خلافت آپ کو حاصل تھی۔ آپ کی بارگاہ کے عقیدت کیش نے جن سلاسل سے اجازت و خلافت طلب کی ہے، آپ نے انہیں اسی سلسلے کی اجازت و خلافت سے نوازا ہے۔ چار مشہور سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ ہوں یا دیگر سلاسل، آپ سبھی سلاسل کے امین و فیض بخش تھے۔ کچھ برسوں پہلے ادارہ قاری، دہلی نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ہاتھ کا قلمی خلافت نامہ شائع کیا تھا۔ حضرت محدّث بریلوی نے یہ چشتیہ سلسلہ کا خلافت نامہ، حضرت علامہ سید غلام علی بن حضرت مولانا سید نور محمد معینی قدس سرہٗ کو عطا فرمایا تھا۔ یہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دستاویزی سند سے خانقاہِ رضویہ اور اجمیر مقدس کے روحانی و عرفانی تعلقات کی بھرپور نشان دہی ہوئی ہے۔ امام احمد رضا نے فنِ تصوف کو بھی اپنی شاہ کار تصانیف سے گلزار بنا دیا ہے اور خانقاہی و درگاہی نظام و ادب پر بھی اپنے افکار کے جوہر دکھائے ہیں۔ درج ذیل کتابوں سے ان امور پر خوب روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً

(۱) کشف حقائق و اسرارِ دقائق (۲) الیاقوتۃ الواسطہ فی قلب عقد الرابطہ (۳) انھار الانوار من یم صلوۃ الاسرار (۴) ازھار الانوار من صباء صلوۃ الاسرار (۵) مقال عرفاء۔ ان کے علاوہ دیگر تصانیف میں بھی مضامینِ تصوف جابجا موجود ہیں۔ مثلاً

(۱) الملفوظ، جس کے جامع و مرتب حضور مفتی اعظم ہند ہیں مگر یہ آپ ہی کی مجلسی ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اس میں مسائلِ تصوف کے نہاں سے نہاں اور عیاں سے عیاں گوشے پر اپنے خصوصی انداز میں لفظوں کے گوہر لٹائے ہیں۔ (۲) الدولۃ المکیہ، جو علمِ غیب مصطفیٰ پر آپ کی تاریخی تصنیف ہے۔ اس میں وحدتِ وجود و شہود و معبود سے متعلق رقم طراز ہیں:

”حقیقی وجود صرف اللہ کے لیے ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا، سب سے سچی بات جو عرب نے کہی وہ لبید شاعر کا قول ہے، الاکل شئ ما خلا اللہ باطل، ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی، عوام کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور خواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں، اور اخص الخواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشہود نہیں، اور جو مقامِ نہایت تک پہنچ گئے، ان کے نزدیک یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی موجود نہیں، اور سب حق ہے، مدارِ ایمان اوّل پر ہے، مدارِ اصلاح دوم پر ہے، کمالِ سلوک سوم پر، وصول الی اللہ کا مدار چہارم پر، اللہ تعالیٰ ہمیں ان چاروں معانی سے حظ کامل عطا فرمائے، اپنے احسان و کرم سے۔ آمین۔ (الدولۃ المکیہ، ص ۳۲۴)

(۳) فتاویٰ افریقہ، اس میں آپ نے فلاح ظاہر، فلاح باطن، وقوع، امید، احسان، شیخ اتصال، شیخ ایصال، بیعتِ برکت، بیعتِ ارادت، شرائطِ مرشد وغیرہ پر جو نفیس و لذیذ بحث فرمائی ہے، اس کے بارے میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ آپ ہی کا حق و

www.muftiakhtarrazakhan.com

حصہ ہے۔ مرشد کی بحث میں فرماتے ہیں: کلام اللہ وکلام الرسول، وکلامِ ائمہ شریعت وطریقت وکلامِ علمائے دین، اہل رشد و ہدایت ہے۔ اسی سلسلۂ صحیحہ پر کہ عوام کاہادی کلام علما، علما کا رہنما کلامِ ائمہ، ائمہ کا مرشد کلامِ رسول، رسول کا پیشوا کلام اللہ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم۔ فلاح ظاہر ہو خواہ فلاح باطن، اسے اس مرشد سے چارہ نہیں، جو اس سے جدا ہے، بلاشبہہ کافر ہے یا گمراہ، اور اس کی عبادت برباد وتباہ۔ امام احمد رضا کی یہ وہ چند تصانیف، اور تصانیف میں جلوہ ریز علمی شہ پارے ہیں، جس نے تصوف کو نئی شان وشوکت عطا کی، اس کو اس کی رفعتِ گمشدہ، وعظمتِ برگشتہ سے آشنا کیا۔ نہ صرف مقام متعین کیا بلکہ مقام پر متمکن کیا، ورنہ کچھ ایسی چیزیں داخلِ تصوف ہو گئی تھیں، یا کر دی گئی تھیں جن کی وجہ سے پورا سرمایۂ تصوف تنقید وتضحیک کا ہدف بن کر رہ گیا تھا۔ امام احمد رضا کی ہمتِ مومنانہ، جرأتِ رندانہ، شفقتِ عارفانہ اور جسارتِ عاشقانہ نے ہر ملاوٹ سے تصوف کو پاک کر دیا۔ امام احمد رضا کے اس غیر معمولی جذبۂ تحفظِ تصوف کو سراہتے ہوئے اس کے ثمرات ونتائج پر ڈاکٹر وحید کوثر یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف اور اس کے مسائل پر جو کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، وہ نہ صرف تصوف کے دقیق مسائل کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں واضح کرتی ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ، یہ کتابیں ان لوگوں کے لیے بھی قابلِ مطالعہ ہیں جو تصوف کے متعلق صحیح معلومات نہیں رکھتے، اور ان کے لیے بھی، جو تصوف کو قرآن وحدیث سے بالکل جدا سمجھتے ہیں۔ آپ کی ان تصانیف سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ تصوف سے متعلق پھیلے ہوئے غلط خیالات کو روکا جا سکا، تو دوسری طرف بھگتی تحریک کے راستے سے، ہندو فلسفے کے اثرات جو اسلامی تصوف پر نمایاں ہو رہے تھے، ان پر بند باندھا جا سکا۔ اس وقت خانقاہی نظام کے بعض جہلا نے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ بھی اسلامی تصوف کا جز وہیں، حالانکہ بعض مسلمان صوفیوں نے معرفت کی باتیں عوام کو سمجھانے کے لیے روزمرہ کی تشبیہوں اور عام زندگی سے متعلق واقعات کا سہارا لیا تھا، اس لیے کہ عرفانِ الٰہی کو سمجھنا ہندستان کے نومسلم طبقے کے لیے مشکل تھا۔ ان مسلمان صوفیوں کی روایت ذرا آگے بڑھی تو گمرہی پھیلنے لگی۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف کے ذریعہ اس گمرہی کا سدّ باب فرمایا۔ آپ کی تصانیف سے صوفی کے صحیح مفہوم اور اس کے پہچان کی کسوٹی ہاتھ آ سکی۔'' (قلمی نسخہ، صوفیِ باصفا، امام احمد رضا، ص ۲۸،۲۹)

ہر مرید اپنے پیر پر اعتمادِ کلّی رکھے یہ کمالِ عقیدت ہے، اور پیر اپنے مرید پر اعتماد رکھے یہ معراجِ کمال ہے۔ حضور خاتم الاکابر کو اپنے مریدِ باوفا امام احمد رضا کے علمی تبحر اور فکری رسوخ پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنے ولی عہد حضرت نوری میاں سے فرمایا، دیکھو! ہماری اور ہمارے خاندان کے اکابر کی جو کتابیں شائع ہوں، مولانا عبدالقادر بدایونی اور مولانا احمد رضا کو دکھائی جائیں۔ یہ جیسے اصلاح کریں، قبول کی جائیں، پھر اشاعت ہو، ایک طرف یہ تواضع کی انتہا ہے تو دوسری طرف چاہتوں کا نقطۂ عروج کہ پیر اپنے مرید سے اپنی اور خاندان کی کتابوں پر اصلاح چاہے، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ یہاں تو ؎

تو من شدی، من تو شدم، تو تن شدی، من جاں شدم
تا کس نہ گوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری

کا حسین منظر نظر آ رہا ہے، روزِ اوّل ہی مرشد گرامی نے توجۂ شیخی ڈال کر، اپنے رنگ میں ایسا رنگ دیا کہ جب حجرۂ

www.muftiakhtarrazakhan.com

بیعت سے باہر آئے تو پہچان مشکل تھی کہ ان میں پیر کون ہے؟ اور مرید کون؟ صرف داڑھی کی سفیدی اور سیاہی سے دونوں میں امتیاز کیا جاسکا۔ وہ کیسا صاحبِ تصرف پیر ہوگا جو ایک ہی نظر میں قلبِ ماہیت کر دے، اور ایک جست میں وہاں پہنچادے جہاں پہنچنے کے لیے برسوں کی ریاضت درکار ہوتی ہے۔ مگر یہ ماہرہ مقدسہ کی شان ہے۔ ہر دور میں اس خانقاہ کے افق سے ولایت کا نیرِ درخشاں طلوع ہوا ہے۔ آج بھی جہاں کا ذرّہ مہتاب بن کر اُبھرتا اور آفتاب بن کر چمکتا ہے۔ جو اَبر وہاں سے اُٹھتا ہے وہ کشت زارِ انسانیت پر ٹوٹ ٹوٹ کر برستا ہے۔ آخر وہ کون سا جوہر اس صدف میں پنہاں ہے کہ وہاں کا فیض یافتہ اقران وافاضل پر فائق وممتاز ہوجاتا ہے۔ طریقت کے جس ہیرے نے امام احمد رضا کی قدر وقیمت روحانی دنیا میں اتنی بڑھادی کہ موجودہ تمام خانقاہوں کی بھی وہ آبرو بن گئے، سلوک کا نشانِ عظمت اور تصوف کا طرۂ امتیاز بن گئے۔ ہم نے جو تجسس وتفحص سے پایا ہے وہ صرف دو چیزیں ہیں، ایک ''ادب'' اور دوسری ''تواضع''۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۳۷۴) یہ دونوں وہاں ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ روح میں اتار دی جاتی اور اگر ضرورتِ مجاہدہ نہیں تو نظر کے پیمانے سے پلا دی جاتی۔ یہ وہ نشہ تھا کہ تُرشی کی کیا مجال جو اُتار دے۔ ان دو جوہروں سے لیس اور فیضِ قادری سے فیض یاب ہوکر جب مراحلِ دنیا میں قدم رکھتا تھا تو جہاں وہ بیٹھ جاتا چراغِ ہدایت جل اُٹھتا تھا، جدھر نکل جاتا سربلندی وسرفرازی کا کارواں اُتر پڑتا تھا۔ امام احمد رضا کی عالمی شہرت اور آفاقی مقبولیت اسی گوہرِ مقصود کی محسوس برکتیں ہیں، ادب وتواضع نے انہیں اتنا بلند کر دیا کہ بلندیاں ان کا منہ تکتے رہ گئیں، عظمتیں فرشِ راہ بنتی اور رفعتیں تحت قدم بچھتی چلی گئیں اور وہ ہراِیں وآں سے بلاخوف وخطر گذر گئے۔ یہ تو بلا وجہ لوگوں نے مشہور کر دیا ہے کہ وہ بڑے سخت مزاج اور متشدد تھے، تھے، مگر کب؟ رزمِ حق وباطل کے وقت، ورنہ حلقۂ یاراں میں وہ ریشم سے زیادہ نرم تھے۔ ادب جس کی فطرت میں اور تواضع جس کی طبیعت میں داخل وشامل ہو وہ تُند خو کیسے ہوسکتا ہے۔ چند واقعات، ناگہانی حالات، عینی مشاہدات حاضر ہیں، آپ خود فیصلہ کیجیے کہ وہ کیا ہیں؟ انسان! یا فرشتہ؟

کسی زندگی معلوم کرنے کے لیے اس کے پڑوسیوں کا بیان خاص طور سے قابل غور ہوتا ہے، پڑوسیوں سے کچھ نہ کچھ نزاع ہو ہی جاتی ہے، اس لیے بعض ایسے بھی ملتے ہیں کہ اپنے دنیوی نقصان کے باعث اپنے نیک پڑوسیوں کی بھی بے جا شکایت کرتے ہیں۔ مگر امام احمد رضا کے پڑوسی بھی اُن کے معترف نظر آتے ہیں:

(۱) محمد شاہ خان ایک معزز زمیندار اور اعلیٰ حضرت کے پڑوسی تھے۔ عمر اعلیٰ حضرت سے زیادہ تھی۔ سید ایوب علی صاحب اور سید قناعت علی صاحب نے ایک دن دیکھا کہ یہ اپنی زمینداری وسن رسیدگی کے باوجود بڑے ادب سے آستانۂ رضویہ کی جاروب کشی کررہے ہیں۔ سید قناعت علی صاحب کو گوارا نہ ہوا، آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے جھاڑو لینا چاہی مگر حاجی صاحب نہ مانے اور فرمانے لگے، صاحبزادے یہ میرا فخر ہے کہ اپنے شیخ کے آستانۂ عالیہ کی جاروب کشی کروں۔ عمر میں، مَیں حضور سے بڑا ہوں، ان کا بچپن دیکھا اور جوانی دیکھا، اور اب بڑھاپا دیکھ رہا ہوں، ہر حالت میں یکتائے زمانہ پایا، تب ہاتھ میں ہاتھ دیا، بڑھاپے میں تو ہر کوئی بزرگ ہوجاتا ہے، انہیں بچپن سے یکتائے روزگار دیکھ رہا ہوں۔

(۲) ایک صاحب داخلِ سلسلہ ہو کر کسی وظیفہ کے خواہش مند ہوئے۔ ان کی داڑھی حدِّ شرع سے کم تھی۔ فرمایا، جب داڑھی شرع کے مطابق ہوجائے گی، وظیفہ بتادیا جائے گا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر درخواست کی۔ فرمایا، کسی التماس کی ضرورت نہیں۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

جب داڑھی شرع کے مطابق ہو جائے گی خود وظیفہ بتادیا جائے گا۔ نفل پر واجب مقدم ہے۔

(۳) کسی عالم نے بہ نیت اعتکاف مسجد میں قیام کیا۔ اور پان وغیرہ بھی کھایا، اُگال دان بھی رکھا۔ بعض لوگ جوان کی نیتِ اعتکاف سے باخبر نہ تھے، معترض ہوئے۔ اعلیٰ حضرت کے پاس سوال آیا۔ اعتراض کرنے والوں کو حکم مسئلہ اور مرتبۂ عالم بتاتے ہوئے تنبیہ کی۔ آخر میں یہ بھی لکھا، ''علما کو چاہیے کہ اگر چہ خود نیت صحیحہ رکھتے ہوں، عوام کے سامنے ایسے افعال جن سے ان کا خیال پریشان ہو نہ کریں۔ کہ اس میں دو فتنے ہیں۔ جو معتقد نہیں، ان کا معترض ہونا، غیبت کی بلا میں پڑنا، عالم کے فیض سے محروم رہنا اور جو معتقد ہیں ان کا اس کے افعال کو دستاویز بنا کر بے علم نیت خود مرتکب ہونا۔ عالم فرقۂ ملامتیہ سے نہیں کہ عوام کو نفرت دلانے میں اس کا فائدہ ہو۔ مسندِ ہدایت پر ہے۔ عوام کو اپنی طرف رغبت دلانے میں ان کا نفع ہے۔ احیاناً ایسے افعال کی حاجت ہو تو اعلان کے ساتھ اپنی نیت اور مسئلہ شریعت عوام کو بتادے۔

(۴) غربا کی دل جوئی کا بڑا خیال تھا۔ مخلص غربا کی دعوت نہ رد کرتے، نہ بعد میں کوئی حرفِ شکایت زبان پر لاتے بلکہ خدام کو حیرت ہوتی کہ کھانا کیسے تناول فرمایا؟ تو ارشاد ہوتا، ایسی خلوص کی دعوت ہو تو میں روزانہ قبول کرنے کو تیار ہوں۔

(۵) خدمتِ دینی پر اپنوں کی مدح اور غیروں کی قدح، انسان کو عُجب و کبر، یا نفسانی غصۂ انتقام میں مبتلا کر دیا کرتے ہیں۔ مگر امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں ''بخدا میں نہ اُن اکابر علما و اولیا کی مدح پر اِتراتا ہوں، نہ ان دشمنانِ خدا اور رسول کی گالیوں سے غصہ میں آتا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس ناچیز کو اس قابل بنایا کہ اس کے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ناموس کی حفاظت میں گالیاں سنے۔ جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے ہیں، اتنی دیر تو میرے آقا کی بدگوئی سے باز رہتے ہیں۔

(۶) مولانا سید شاہ ابو سلمان محمد عبد المنان قادری جو ابتدائً اعلیٰ حضرت کے مخالف تھے، انہوں نے یہ تحریری بیان دیا کہ ''اعلیٰ حضرت اخلاقِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زندہ مثال ہیں۔ آپ کی زیارت نے تمام و کمال، فقیر پر یہ ثابت کر دیا کہ جو کچھ بھی آپ کی تعریفیں ہوتی ہیں، وہ کم ہیں۔''

(۷) علمائے اسلام کی توقیر و تعظیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیتے۔ علامہ شامی اور محقق علی الاطلاق جیسے اکابر کی باتوں پر کلام کرتے ہیں مگر ادب اور تواضع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ جبکہ آج اکابر پر اس طرح حرف گیری کی جاتی ہے کہ وہ طفلِ مکتب معلوم ہوں۔ یہ ان لوگوں کا حال ہے جنہیں امام احمد رضا کے علوم کا پچاسواں حصہ بھی نصیب نہیں۔ ایک جگہ ردالمحتار میں علامہ شامی نے فرمایا، اس اعتراض کا حل ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ اعلیٰ حضرت نے جدالممتار میں اس پر لکھا۔ ''وظھر لنا ببرکۃ خدمتہ کلماتکم'' آپ کے کلمات پر کام کرنے کی برکت سے ہمیں سمجھ میں آ گیا۔

(۸) ایک بار پیلی بھیت آتے وقت ٹرین میں تاخیر تھی، تو اسٹیشن پر آرام کرسی بیٹھنے کو دی گئی۔ فرمایا، یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے۔ تشریف رکھا مگر پشت نہ لگائی اور وظائف میں مشغول رہے۔

(۹) رمضان میں بعد افطار صرف پان کھالیتے اور سحری کے وقت ایک چھوٹے سے پیالے میں فیرینی تناول فرماتے۔ زمانۂ اعتکاف میں ایک دن ملازم بچہ، دو گھنٹے کی تاخیر سے پان لے کر آیا۔ حضرت نے اس کو ایک چپت مار کر فرمایا، اتنی دیر میں لایا۔ اس ایک چپت مارنے پر انہیں رات بھر فکر رہی۔ آخر سحر کے وقت اسے بلوایا۔ اور فرمایا کہ ''رات جو تاخیر ہوئی اس میں تمہارا

www.muftiakhtarrazakhan.com

قصور نہ تھا، بھیجنے والے کی کوتاہی تھی۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ تمہیں چپت ماری۔ اب تم میرے سر پر چپت مارو۔ ٹوپی اُتار کر اصرار فرماتے رہے۔ بچہ دم بخود کانپنے لگا۔ ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔ حضور میں نے معاف کیا۔ فرمایا، تم نابالغ ہو۔ تمہیں معاف کرنے کا حق نہیں، چپت مارو۔ پھر اپنا بکس منگوا کر مٹھی بھر پیسے نکالے اور فرمایا، یہ پیسے تم کو دوں گا، چپت مارو۔ آخر خود اس کا ہاتھ پکڑ کر بہت سی چپتیں اپنے سر پر لگائیں۔ اور پھر اسے پیسے دے کر رخصت کیا۔

(۱۰)　وقتِ وصال سے کچھ ایام پہلے کا چشم دید واقعہ مولانا جعفر شاہ پھلواروی لکھتے ہیں کہ نمازِ جمعہ کے بعد اپنے ضعف و مرض کی حالت میں، درد و اثر بھری آواز میں چند وداعی کلمات کچھ اس طرح کہے، ''میری طرف سے تمام اہلِ سنت مسلمانوں کو سلام پہنچادو۔ اور میں نے کسی کا قصور کیا ہے تو میں اس سے بڑی عاجزی سے، اِس کی معافی مانگتا ہوں۔ مجھے خدا کے لیے معاف کردو یا مجھ سے کوئی بدلہ لے لو۔''
(امام احمد رضا اور تصوف، ص ۵۹ تا ۶۶، ملخصاً)

ادب و تواضع جو اسلام کا خاص عنوان اور تصوف کی جان ہے، کاش ہمارے علما و صوفیا، درس گاہیں اور خانقاہیں پھر ان جوہروں سے آباد ہو جائیں۔ صرف ان دو چیزوں کے اُٹھ جانے سے ؎ رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی، کا سماں نظر آنے لگا ہے۔ خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن کی کیفیت پیدا ہو چلی ہے۔ درسگاہ سے تجلّیات اور خانقاہ سے تاثیرات رخصت ہو گئی ہیں۔ محبت، مروّت، وفا، شفقت ماضی کی روایات کے کھنڈرات میں جیسے گم ہیں۔ جہاں پیار کا ساگر چھلکتا تھا، وہاں ایک بوند کو لوگ ترس رہے ہیں۔ یہ ادب و تواضع ہی تھا جس نے تا زندگی امام احمد رضا کو اخلاص پرست، اخلاق دوست اور انسانیت نواز رکھا، اور اولیاے کرام کی بارگاہ کا ایسا والہ و شیدا بنادیا کہ خاصانِ خدا پر کہیں سے بھی، کسی نے بھی، کوئی بھی جسارت کی تو فوراً دفاع فرمایا۔

ایک طرف شانِ اولیاے کرام کو مصنوعی تصوف کی دہلیز پر بھینٹ چڑھنے سے بچایا تو دوسری طرف جرح و قدح کی صلیب پر صوفیاے اسلام کو مصلوب ہونے سے محفوظ رکھا۔ ؎ بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا

یہ سرکار غوث اعظم کے ایک ارشاد کا ترجمہ ہے۔ بعض حضرات کو اس پر اعتراض ہوا۔ اسی طرح ؎ حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو، میں لفظ شہنشاہ پر ایک صاحب کو ممانعت کا خدشہ ہوا۔ دونوں کا مفصل جواب ایک رسالے میں جمع فرمادیا۔ 'فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللّٰہ' رسالہ کا نام ہے۔ اعتراض کے جواب میں دلائل کی موسلا دھار بارش اور بارگاہِ محبوبانِ خدا سے پیہم نوازش کا منظر دیکھنا ہو تو ایک بار وہ رسالہ ضرور پڑھیے۔ حضرت مخدوم جہاں، تاجدارِ بہار شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، فردوسی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ پر کسی نے اعتراض کیا۔ اس کے جواب میں مکمل ایک رسالہ 'مجب العوار عن مخدوم بہار' تصنیف فرمایا۔ سارے اعتراض کی اس طرح قلعی کھول دی کہ معترض کو نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کا وظیفہ یاد دلا دیا۔ اور حضور مخدوم بہار کی عظمت اپنی اصل شان و وقار کے ساتھ ضیا بار ہو گئی۔ کتاب کا ایک نسخہ لے کر بہار شریف تشریف لائے، اور بصد عقیدت آستانہ عرش نشان پر پیش فرمایا۔ بزرگانِ دین کی بارگاہ سے بے لوث عقیدت کا یہ صلہ آپ کو ملا کہ ان خاصانِ خدا نے بھی اپنی توجہ باطنی اور مرحمت خصوصی سے آپ کو خوب خوب نوازا۔ یہ الطافِ خسروانہ نہیں تو اور کیا ہے کہ مزار کسی بھی بزرگ کا ہو، معمولاتِ اہلِ سنت بجالائیے تو لوگ کہتے ہیں، بریلوی ہے۔ اولیاے کرام کے کرم کی فصل ایسی لہلہائی خصوصاً تاج دارِ بغداد،

www.muftiakhtarrazakhan.com

قطب ربانی، حضور غوث اعظم جیلانی نے وہ توجہ فرمائی کہ اپنا نائب بنالیا۔ قطب الارشاد کے منصب پر فائز کر دیا۔ مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند رضی اللہ عنہ رقم طراز ہیں:

''حضور شیخ المشائخ شاہ سید علی حسین اشرفی میاں، قدس سرہٗ العزیز وضو فرمار ہے تھے، کہ یکبارگی رونے لگے۔ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی کہ کیا کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے؟ مَیں آگے بڑھا، تو فرمایا، بیٹا! مَیں فرشتوں کے کاندھے پر قطب الارشاد کا جنازہ دیکھ کر رو پڑا ہوں۔ چند گھنٹے کے بعد بریلی کا تار ملا، تو ہمارے گھر میں کہرام پڑ گیا، حضرات والد صاحب کی زبان پر بے ساختہ تاریخ وصال جاری ہو گئی، 'رحمۃ اللہ علیہ'۔'' (قاری کا امام احمد رضا نمبر، ص ۲۵۹)

اس واقعہ سے متحقق ہو گیا کہ منزلِ ولایت میں اعلیٰ حضرت مرتبۂ قطب الارشاد پر فائز ہیں۔ بہت سے واقعات اس سلسلے میں موجود ہیں کہ اربابِ باطن کو سرکارِ غوثیت سے یہی بتایا گیا کہ ہمارا نائب بریلی میں احمد رضا ہے۔ مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے ؎

تمہیں پھیلا رہے ہو علم حق اکنافِ عالم میں امامِ اہلِ سُنت نائبِ غوث الوریٰ تم ہو

قطب کون ہوتا ہے، اس کے فرائض کیا ہوتے ہیں، اس کا دائرۂ کار و اختیار کیا ہوتا ہے، نائب غوث اعظم ہونا کتنا عظیم منصب ہے؟ ان سب پر سلطان التارکین حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ ''لطائف اشرفیہ'' میں یوں روشنی ڈالتے ہیں:

''حق تعالیٰ نے بعض اولیا کو اپنی بارگاہِ عالی کا نائب بنایا ہے۔ اور انہیں اہلِ عالم کے اُمور کی اصلاح، و بنی آدم کے حاجات کی تدبیر و تکمیل کا کام سونپا ہے۔ یہ حضرات امور کی انجام دہی میں باہم ایک دوسرے کے محتاج اور ایک دوسرے کے تعاون سے کام کرنے والے ہوتے ہیں۔ البتہ قطب تمام اہلِ عالم میں سے وہ ذاتِ واحد ہے، ہر وقت زمانے میں جس پر اللہ کی نظر رہتی ہے۔ اور وہ اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے۔ وہ قطبیت کبریٰ جو قطب الاقطاب کا مرتبہ ہے، پر فائز ہوتا ہے۔ اور یہ باطنی نبوت ہے۔ پس وہ یعنی قطب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکملیت کے ساتھ مختص ہونے کی وجہ سے آپ کے باطن پر، اور آپ کا وارث ہوتا ہے۔

جب تک یہ ولایت میں قطب نہ ہوں، برکات و حسنات کا ظہور اور دنیاوی معاملات کی درستگی ممکن نہ ہوگی۔ واصلین بارگاہِ الٰہیہ جو اہل اللہ ہیں، دو قسم پر ہیں۔ ان میں سے ایک قسم وہ ہے، جنہیں دنیا کی محبت سے کوئی تعلق نہیں۔ احوالِ شریعت پر سلامتی کے ساتھ چلتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہیں جنہوں نے دنیا کو طالبانِ دنیا کے لیے چھوڑ دیا ہے، اور آخرت کو مؤمنوں پر ایثار کر دیا ہے۔ اور حق تعالیٰ کے مشاہدے میں مستغرق رہتے ہیں۔ انہیں کے لیے قطبیت کے مراتب ہیں۔ دنیا کا حل و عقد، انہیں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ وہی دعوت الی اللہ کے اہل ہوتے ہیں۔ جب دین کے معاملے میں کوئی خرابی دیکھتے ہیں، اسے دور کرنا چاہتے ہیں۔ البتہ قطب الاقطاب تمام عالم میں ایک شخص ہوتا ہے، چند ہم معنی الفاظ اس متبرک نام کے لیے بولے جاتے ہیں، غوث اعظم، قطب الدائرہ، انسانِ کامل، قطب الاقطاب، قطب الاعلیٰ، مظہر کلی، جہانگیر۔ کوئی اُمت چار سو ابدالوں سے خالی نہیں رہتی۔ ان چار سو میں سے چالیس اوتاد ہیں۔ ان چالیس میں سے چار نقبا ہیں۔ ان چار میں سے

www.muftiakhtarrazakhan.com

ایک قطب ہے۔اور کافروں کی سلامتی مؤمنوں کی برکت سے۔اوتاد کی سلامتی نقبا کی برکت سے اور نقبا کی سلامتی قطب کی برکت سے۔'' (لطائف اشرفی، ملخصاً،ص ۵۶ تا ۸۴)

حضور مخدوم سمنانی کے اس گلریز، فکر خیز اور معلومات انگیز بیان سے اتنا ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ قطب، نائبِ غوث اعظم ہوتا ہے۔اس کے فرائض واختیارات اتنے وسیع اور وقیع ہوتے ہیں کہ زمانے کی طناب اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ملکی وملّی انتظام کی باگ ڈور ان کے قبضے میں رہتی ہے۔حالات میں انقلاب ان کے اشارے اور ایما سے آتا ہے۔بحیثیت قطب اعلیٰ حضرت جب نائبِ غوث اعظم ہیں تو ان تصرّفات واختیارات کی روشنی میں اُن کی حیات اور کارناموں کو دیکھنا اور سمجھنا چاہیے۔ان کی زندگی کا مطالعہ صرف مولانا یا امام کی حیثیت سے نہیں بلکہ صوفیِ باصفا، نائبِ غوث الوریٰ کی حیثیت سے ہونا چاہیے۔تبھی جا کر ان کی قرار واقعی عظمت کا اعتراف ہوگا۔ان کے اختیارات وتصرّفات سے کماحقہٗ آگہی مل سکے گی۔

اسی طریقے سے ان کی ذات کا عرفان اور صفات سے انصاف ہو پائے گا۔یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جو جس کا نائب ونمائندہ ہوتا ہے، وہ ہر لمحہ اس کی فکر ونظر میں ہوتا ہے۔نائب کی تعریف سے اصل کو خوشی ہوتی ہے اور اس کی دل آزاری سے اصل کو بے زاری۔تو ظاہر ہے۔بحیثیت نائبِ غوث اعظم اعلیٰ حضرت کی تعریف وتحسین سے غوث اعظم یقیناً خوش ہوں گے اور اُن کی توہین یا تضحیک سے بلاشبہ غوث اعظم ناراض۔اب اگر کسی کو یہ دیکھنا ہو کہ غوث اعظم اس سے خوش ہیں یا ناراض، تو وہ اپنا محاسبہ کرے کہ اعلیٰ حضرت اس سے راضی ہیں یا ناراض۔راضی کرنے کے جو اسباب ہیں ان کو نظر میں رکھے، عمل میں لائے۔اور ناراض کرنے کے جو وجوہات ہیں ان سے حتی المقدور دور رہے، گریز کرے۔ورنہ ؎

خدا پناہ میں رکھے جلالِ مومن سے نگاہ بدلی کہ عالم میں انقلاب ہوا

اسی لیے اعلیٰ حضرت کے ہم عصر تمام علما ومشائخ اپنی آسمان چھوتی عزت وشہرت کے باوصف اعلیٰ حضرت کے مدّاح ہی نظر آتے ہیں۔شمع رضا کے گرد ہالہ وپروانہ بننے ہی میں فخر محسوس کرتے ہیں۔مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی فرماتے ہیں ؎

ہیں سیّارہ صفت گردش کناں اہلِ طریقت یاں وہ قطب وقت اے سرخیل جمع اولیا تم ہو

امام احمد رضا نے فنائی الغوث ہو کر خود کو فنا فی الرسول کر لیا تھا۔اکثر مشائخ کی رائے ہے کہ جب کوئی خوش نصیب عاشق فنا فی الرسول کا عظیم منصب پالیتا ہے۔تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ ہر وقت اس کے سامنے رہتا ہے۔اسی لیے اعلیٰ حضرت ہر وقت سرشارِ ذکر مصطفیٰ رہتے۔اپنی ہر ادا کو ادائے رسول کے مطابق ڈھالنے میں لگے رہتے۔اطاعتِ رسول کی انہوں نے ایسی مثال قائم کی ہے جو رہتی دنیا تک باعثِ صدر شک وتقلید رہے گی۔شریعت کی پابندی نے طریقت کے دَروا کر دیے۔طریقت نے حقیقت کی منزل آئینہ کر دی۔حقیقت نے جلوۂ محبوب میں گُم کر کے معرفت کی لذت سے آشنا کر دیا۔

کہتے ہیں کہ وہ جس راہ سے گزر جاتا ہے اس راہ کے در و دیوار ذاکر ہو جاتے ہیں۔وہ صوفیِ باصفا امام احمد رضا، جس نے اپنا انوکھا بچپن، نرالی جوانی اور انمول بڑھاپا، جس شہر میں گزارا ہو، اور تقریباً ۶۵ سال جس سرزمین کو اپنی فکر نو بہار اور علم شاہ کار سے سینچا ہو، جہاں ملک العلما جیسے نابغہ فاضل، صدر الشریعہ جیسے عظیم فقیہ اور صدر الافاضل جیسے عہد ساز مدبّر ڈھلتے ہوں۔جہاں

www.muftiakhtarrazakhan.com

علما، عرفا اور صوفیا کی بارات پر بارات اُترتی ہو، اہلِ دل کے جمگھٹے لگے رہتے ہوں۔ اس شہرِ محبت کی عظمت کو سمجھنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ عالمِ اسلام کے سُنّی مسلمانوں کا مرکزِ عقیدت ہے۔ کسی بھی عوامی جلسے میں آپ پکاریئے "ہمارا مرکز" ہر چہار جانب سے یہی جواب آئے گا "بریلی شریف"۔ بریلی کے جن ذرّوں کو امام احمد رضا نے اپنے تلوا کا جلوہ بخش دیا تھا وہ آج بھی شمس و قمر سے آنکھ مچولی کر رہے ہیں۔

جن ذرّوں نے بوسے تیرے قدموں کے لیے تھے
ان ذرّوں کو سورج کی کرن چوم رہی ہے

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور ان کا اخلاقی پیکر

از : مفتی محمد مجاہد حسین حبیبی
سکریٹری: آل انڈیا تبلیغ سیرت، کلکتہ۔ مغربی بنگال

شیخ الاسلام والمسلمین، عاشقِ محبوبِ رب العالمین، اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت، امام احمد رضا خاں عبد المصطفیٰ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات بلاشبہ اسلامیانِ عالم کے لیے عظیم نعمتِ خداوندی ہے۔ خلاقِ عالم نے آپ کے سر مجددیت کا سہرا باندھ کر خلق کی رشد وہدایت کا بارگراں سپرد فرمایا۔ دیکھنے میں تو آپ ایک فرد تھے لیکن اپنی ذات میں انجمن تھے، درجنوں علوم وفنون کے حامل اور ان میں منفرد تھے، جس زاویے اور جس جہت سے دیکھا جائے، آپ اپنی مثال آپ تھے، آپ کی زندگی کا مرکز ومحور سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے، جس پر آپ کی جملہ تصانیف وکتب شاہد عدل ہیں۔

ایک طرف جہاں آپ کا نعتیہ دیوان "حدائقِ بخشش" اس کا جیتا جاگتا نمونہ ہے، وہیں دوسری طرف آپ کا ترجمۂ قرآن کنزالایمان شانِ الوہیت اور سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت وعظمت کا محافظ وپاسبان ہے۔ فتاویٰ رضویہ اور دیگر کتب بھی اپنی نظیر آپ ہیں، دانش ورانِ قوم اور اہلِ علم حضرات نے آپ کی تصانیف کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ پچھلی کئی صدیوں میں آپ جیسا نابغۂ روزگار پیدا نہیں ہوا، اس حقیقت کا اعتراف جہاں اپنوں کو ہے، وہیں اغیار نے بھی اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا ہے، گویا آپ کی غیر معمولی ذہانت وفطانت اور استحضارِ علم مسلّمات میں سے ہے، فضل وکمال کے ایسے بلند مقام پہ فائز ہونے کے باوجود آپ حد درجہ خوش اخلاق اور منکسر المزاج تھے، عاجزی وفروتنی آپ کے رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی، غربا پروری محتاجوں اور ضرورت مندوں کی امداد کا جذبۂ صادق آپ کے انگ انگ میں بسا تھا۔ کسر نفسی کا یہ عالم کہ حجام تک کو بھائی کہہ کر مخاطب فرماتے، غرضیکہ ان کی ہر ہر ادا آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ کی سچی تصویر تھی۔ آیئے اسی پاکیزہ ہستی کے اخلاق حسنہ میں سے چند درخشاں پہلوؤں کا جائزہ لیں اور ان پہلوؤں کی ضیابار کرنوں سے اپنی تاریک زندگی کو منور کریں۔

ان کا سایہ اک تجلّی ان کا نقشِ پا چراغ
وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

احترام سادات:

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد امجاد یعنی ساداتِ کرام کا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا حد درجہ اکرام واحترام فرماتے تھے۔ ذیل کے واقعات سے ان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہیں: ''ایک نوعمر لڑکا اُمورِ خانہ داری میں امداد کے لیے اعلیٰ حضرت کے گھر ملازم ہو گیا، کچھ دنوں بعد اعلیٰ حضرت کو معلوم ہوا کہ نیا ملازم تو سیّد زادہ ہے، آپ نے تمام اہلِ خانہ کو تاکید کی کہ خبردار! اس سیّد لڑکے سے کوئی کام مطلقاً نہ لیا جائے، کیونکہ یہ مخدوم زادہ ہیں، بلکہ ان کی خاطر تواضع میں کسی طرح کی کمی نہ آئے، ان کی حسب منشا ہر چیز خدمت میں پیش کرتے رہنا، غرضیکہ صاحب زادے کو پورا پورا آرام پہنچایا جائے، تنخواہ جو مقرر کی ہے وہ حسب وعدہ دیتے رہنا لیکن تنخواہ سمجھ کر نہیں بلکہ بطور نذرانہ پیش ہوتا رہے۔'' (حیاتِ اعلیٰ حضرت، قدیم، از: ملک العلما ظفر الدین بہاری، ص: ۲۰۱)

اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ ہدیۂ قارئین ہے۔ پڑھیے اور سیّدوں کے تعلق سے اعلیٰ حضرت کے والہانہ لگاؤ کا اندازہ لگائیے۔

''کسی روز ایک سیّد صاحب نے زنان خانے کے دروازے پر آ کر آواز دی ''دلواؤ سیّد کو'' اعلیٰ حضرت نے اپنی آمدنی سے اخراجاتِ اُمورِ دینیہ کے لیے دوسو روپے ماہ وار مقرر فرمائے تھے، اس ماہ کی رقم اسی روز آپ کو ملی تھی، سیّد صاحب کی آواز سنتے ہی فوراً وہ روپوں والا آفس بکس لے کر دوڑے اور سیّد صاحب کے سامنے پیش کر کے فرمایا: حضور یہ نذرانہ حاضر ہے، سیّد صاحب کافی دیر تک اس رقم کو دیکھتے رہے، پھر ایک چونّی اُٹھا کر فرمایا: ''بس لے جائیے'' اعلیٰ حضرت نے خادم سے فرمایا۔ جب ان سیّد صاحب کو دیکھو تو فوراً ایک چونّی ان کی نذر کر دینا تا کہ انھیں سوال کرنے کی زحمت نہ اُٹھانی پڑے۔''

(مجدّدِ اسلام، از: مولانا محمد صابر نسیم بستوی، ص ۱۶۲)

مندرجہ بالا دونوں واقعات سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ سادات کی تعظیم و تکریم میں آپ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔ نشست و برخاست بلکہ ہر معاملے میں سادات کا خاص خیال رکھا کرتے تھے۔ علامہ ظفر الدین بہاری تحریر فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کے یہاں دستور تھا کہ میلاد شریف کے موقع پر سیّد حضرات کو آپ کے حکم سے دوگنا حصّہ ملا کرتا تھا۔ ایک دفعہ سیّد محمود جان صاحب کو تقسیم کرنے والے کی غلطی سے اکہرا حصّہ ملا۔ اعلیٰ حضرت کو معلوم ہوا تو فوراً تقسیم کرنے والے کو بلوایا اور اس سے ایک خوان شیرینی کا بھروا کر منگوایا۔ پھر معذرت چاہتے ہوئے سیّد صاحب موصوف کی نذر کیا اور تقسیم کرنے والے کو ہدایت کی کہ آئندہ ایسی غلطی کا اعادہ نہ ہو، کیونکہ ہمارا کیا ہے، سب کچھ ان حضرات کے ہی عالی گھرانے کی بھیک ہے۔''

(حیاتِ اعلیٰ حضرت، قدیم، از: ملک العلما ظفر الدین بہاری، ص: ۲۰۳)

ایک دفعہ نمازِ جمعہ کے بعد ایک طالب علم نے ایک سیّد صاحب کو نام لے کر پکارا ''قناعت علی، قناعت علی''، اعلیٰ حضرت نے پکارنے والے طالب علم کو بلایا اور فرمایا:

''عزیزم سیّد صاحب کو اس طرح پکارتے ہو، سادات کی تعظیم کا آئندہ خیال رکھیے اور جس عالی گھرانے کے یہ افراد ہیں اس کی عظمت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیے، اس کے بعد حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سادات کا اس درجہ احترام ملحوظ رکھنا چاہیے کہ قاضی اگر کسی سیّد پر حد لگائے تو یہ خیال تک نہ کرے کہ میں اسے سزا دے رہا ہوں بلکہ یوں تصور کرے کہ شہزادے کے پیروں میں کیچڑ بھر گئی ہے، اسے دھو رہا ہوں۔'' (حیاتِ اعلیٰ حضرت، قدیم، از: ملک العلما ظفر الدین بہاری، ص: ۲۰۴)

تیری نسلِ پاک میں ہے بچّہ بچّہ نور کا
تو ہی عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

www.muftiakhtarrazakhan.com

والدہ کا احترام:

مذہب اسلام نے والدین کو جن اعزازات سے نوازا ہے اس سے بھلا کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے والدین کو راضی کر لیا، اس نے اللہ کو راضی کر لیا۔ بایں وجہ سرکارِ اعلیٰ حضرت ہمیشہ والدین کی تکریم فرماتے رہے، والد صاحب علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد ہر کام سے پہلے والدہ سے اجازت لیتے:

''حضرت شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب کا بیان ہے کہ جب مولانا (اعلیٰ حضرت) کے والد ماجد نقی علی خان صاحب (المتوفی ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) کا انتقال ہوا۔ اعلیٰ حضرت اپنے حصۂ جائداد کے خود مالک تھے مگر سب اختیار والدہ ماجدہ کے سپرد تھا، وہ پوری مالکہ اور متصرفہ تھیں، جس طرح چاہتیں صرف کرتیں، جب مولانا کو کتابوں کی خریداری کے لیے کسی غیر معمولی رقم کی ضرورت پڑتی تو والدہ ماجدہ کی خدمت میں درخواست کرتے اور اپنی ضرورت بتاتے، وہ اجازت دیتیں اور درخواست منظور کرتیں تو کتابیں منگواتے۔'' (حیاتِ اعلیٰ حضرت (قدیم)، از: ملک العلما ظفر الدین بہاری، ص: ۴۲)

احترامِ والدہ کا ایک اور بے مثال واقعہ پیش خدمت ہے۔ حضرت مولانا حسنین رضا خاں تحریر فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت قبلہ حضرت حجۃ الاسلام کو گھر کے دالان میں پڑھانے بیٹھے، وہ پچھلا سبق سُن کر آگے سبق دیتے تھے۔ پچھلا سبق جو سُنا، تو وہ یاد نہ تھا، اس پر اُن کو سزا دی، اعلیٰ حضرت کی والدہ محترمہ جو دوسرے دالان کے کسی گوشے میں تشریف فرما تھیں، انھیں کسی طرح اس کی خبر ہو گئی، وہ حجۃ الاسلام کو بہت چاہتی تھیں، غصّہ میں بھری ہوئی آئیں اور اعلیٰ حضرت قبلہ کی پشت پر ایک دو ہنٹر مارا اور فرمایا، تم میرے حامد کو مارتے ہو، اعلیٰ حضرت فوراً جھک کر کھڑے ہو گئے اور اپنی والدہ محترمہ سے عرض کیا کہ امّاں اور ماریئے۔ جب تک آپ کا غصّہ فرو نہ ہو، یہ کہنے کے بعد انھوں نے ایک دو ہنٹر مارا، اعلیٰ حضرت سر جھکائے کھڑے رہے، یہاں تک کہ وہ خود واپس تشریف لے گئیں، اس وقت تو جو غصّہ ہونا تھا ہو گیا، مگر اس واقعہ کا ذکر جب کرتیں تو آب دیدہ ہو کر فرماتیں کہ دو ہنٹر مارنے سے پہلے میرے ہاتھ کیوں نہ ٹوٹ گئے کہ ایسے مطیع و فرماں بردار بیٹے کو جس نے خود کو پٹنے کے لیے پیش کر دیا، دوسرا ہنٹر کیسے مارا۔'' (سیرتِ اعلیٰ حضرت مع کرامات، از: مولانا حسنین رضا خان، ص: ۹۱)

غریبوں کی امداد و اعانت:

اعلیٰ حضرت کی زندگی غربا پروری اور اُن کی امداد و اعانت سے عبارت تھی۔ آپ بلا تردّد اہلِ ضرورت کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ اپنی نجی ضرورت کی چیزیں بھی ضرورت مندوں کو دینے سے گریز نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں چند واقعات ہدیۂ قارئین ہیں، پڑھیے اور سبق حاصل کیجیے:

''جناب ذکاء اللہ خاں صاحب کا بیان ہے کہ سردی کا موسم تھا، بعد نمازِ مغرب اعلیٰ حضرت حسبِ معمول پھاٹک میں تشریف لا کر سب لوگوں کو رخصت کر رہے تھے، خادم کو دیکھ کر فرمایا: آپ کے پاس رزائی نہیں ہے؟ میں خاموش ہو رہا، اس وقت اعلیٰ حضرت جو رزائی اوڑھے ہوئے تھے، وہ خادم کو دے کر فرمایا کہ اسے اوڑھ لیجیے، خادم نے بصد ادب و احترام قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور فرمانِ مبارک کی تعمیل کرتے ہوئے وہ رزائی اوڑھ لی۔'' (حیاتِ اعلیٰ حضرت، قدیم، از: ملک العلما ظفر الدین بہاری، ص ۵۰)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ پیش خدمت ہے، جو مذکورہ بالا واقعہ کے بعد درپیش ہوا:

www.muftiakhtarrazakhan.com

''اس واقعہ کے دو تین دن بعد اعلیٰ حضرت کے لیے ایک نئی رزائی تیار ہو کر آ گئی۔ اسے اوڑھتے ہوئے ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک رات مسجد میں کوئی مسافر آیا، جس نے اعلیٰ حضرت سے گزارش کی کہ میرے پاس اوڑھنے کے لیے کچھ نہیں ہے، آپ نے وہ نئی رزائی اس مسافر کو عطا فرما دی۔'' (حیاتِ اعلیٰ حضرت (قدیم)، از: ملک العلما ظفر الدین بہاری، ص: ۵۰)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی سخاوت اور غربا پروری کی گرد و نواح میں بڑی دھوم تھی۔ اس سلسلے میں علامہ بدر الدین احمد قادری رقم فرماتے ہیں:

''کاشانۂ اقدس سے کوئی سائل خالی واپس نہ ہوتا، بیوگان کی امداد اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے لیے آپ کی جانب سے ماہ وار رقمیں مقرر تھیں اور یہ امداد صرف مقامی لوگوں کے لیے ہی نہ تھی، بلکہ بیرون جات میں بذریعہ منی آرڈر امدادی رقم روانہ فرمایا کرتے تھے۔'' (سوانح اعلیٰ حضرت، از: علامہ بدر الدین احمد قادری، ص: ۹۰)

بیرون ملک کے لوگوں کی امداد کے سلسلے میں ایک ایمان افروز واقعہ پیش خدمت ہے:

''ایک دفعہ مدینہ طیبہ سے ایک شخص نے پچاس روپے طلب کیے، لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت اعلیٰ حضرت کے پاس ایک روپیہ بھی نہیں تھا، اعلیٰ حضرت نے بارگاہِ رسالت میں التجا کی کہ حضور، مَیں نے کچھ بندگانِ خدا کے مہینے (ماہوار وظیفے) آپ کی عنایت کے بھروسے پر اپنے ذمے مقرر کر لیے ہیں، اگر کل پچاس روپے کا منی آرڈر کر دیا گیا تو بروقت ہوائی ڈاک سے پہنچے گا، یہ رات آپ نے بڑی بے چینی سے گزاری، علی الصبح ایک سیٹھ صاحب حاضر بارگاہ ہوئے اور مولوی حسنین رضا خاں صاحب کے ذریعہ مبلغ اکاون روپے بطور نذرانۂ عقیدت حاضر خدمت کیے، جب مولوی صاحب موصوف نے اکاون روپے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں جا کر پیش کیے تو آپ پر رقت طاری ہوگئی اور مذکورہ بالا ضرورت کا انکشاف فرمایا، ارشاد ہوا، یہ یقیناً سرکاری عطیہ ہے، اس لیے کہ اکاون روپے کے کوئی معنی نہیں سوائے اس کے کہ پچاس روپے بھیجنے کے لیے فیس منی آرڈر بھی تو چاہیے، چنانچہ اسی وقت منی آرڈر کا فارم بھرا گیا اور ڈاک خانہ کھلتے ہی منی آرڈر روانہ کر دیا گیا۔'' (حیاتِ اعلیٰ حضرت (قدیم)، از: ملک العلما ظفر الدین بہاری، ص: ۵۲)

اللہ اللہ! غربا و مساکین کی امداد و اعانت کے ایسے واقعات و معاملات کم ہی دیکھنے کو ملیں گے۔ مگر اعلیٰ حضرت نے زندگی بھر محتاجوں کی دادرسی فرمائی اور ایسے ایسے ذرائع اختیار کیے جو عام لوگوں کے ذہن سے بالاتر ہیں۔

خیر یہ تو آپ کی حیاتِ طیبہ کے معمولات ہیں، وصال فرمانے سے پہلے آپ نے جو وصیت نامہ تحریر کروایا، اس میں بھی غریبوں کی امداد و اعانت اور دادرسی کا خاص حکم فرمایا ہے۔ افرادِ خانہ سے آپ نے فرمایا کہ میرے وصال کے بعد میرے ایصالِ ثواب کے لیے بطورِ خاص غریبوں کی امداد کرنا اور اُن کی خاطر مدارات کرنا۔

وصیت نامہ کے الفاظ حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب کی زبانی کچھ اس طرح ہیں:

''فاتحہ کے کھانے سے اغنیا کو کچھ نہ دیا جائے، صرف فقرا کو دیں اور وہ بھی اعزاز اور خاطر داری کے ساتھ، نہ جھڑک کر، غرض کوئی بات خلافِ سنّت نہ ہو، اعزّہ سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو تین بار ان اشیا میں سے کچھ بھیج دیا کریں، دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو، مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ خواہ بکری کا شامی کباب پراٹھے اور بالائی، فیرنی

www.muftiakhtarrazakhan.com

اُردکی پھریری دال مع ادرک ولوازم، گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی، انار کا پانی، سوڈے کی بوتل، دودھ کا برف، اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے یوں کر دیا کرو جیسے مناسب جانو، مگر بطیب خاطر، میرے لکھنے پر مجبور نہ ہو۔" (وصایا شریف، ص:۱۱)

غریبوں کی دل جوئی:

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم غریبوں کا اعزاز فرمایا کرتے تھے اور اُن کی دل جوئی کا خاص خیال فرماتے تھے، سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی سُنّتِ مبارکہ وعادتِ کریمہ کا عکس سیّدی اعلیٰ حضرت میں نظر آتا تھا، آپ غریبوں کی امداد و اعانت فرماتے اور انھیں خاص اہمیت دیتے تھے، اگر کوئی غریب عدم استطاعت کے باوجود آپ کی دعوت کرتا تو آپ محض اُن کی دل جوئی کے لیے دعوت قبول فرمالیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں دو واقعات ہدیۂ قارئین ہیں:

"ایک صاحب تشریف لائے اور اعلیٰ حضرت اور اُن کے بعض ساتھیوں کی دعوت کر کے چلے گئے، دوسرے دن گاڑی آگئی، اعلیٰ حضرت کے ساتھ اس روز مولانا ظفرالدین صاحب بھی تھے، مکان پہ گاڑی پہنچی تو میزبان بھی منتظر ملے، گاڑی سے اُتارا اور اپنے مکان میں چارپائی پر لے جا کر بٹھا دیا، ہاتھ دُھلانے کے بعد ڈھلیاں میں روٹیاں اور رکابیوں میں گائے کے گوشت کا قیمہ رکھ دیا، کھانا شروع ہوا، مولانا ظفرالدین صاحب کو خیال آیا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ تو گائے کا گوشت نہیں کھاتے، ان کے لیے سخت مضر ہے، اگر گوشت شوربے کا پکاتے تو اعلیٰ حضرت شوربہ کھا لیتے، اور قیمہ میں بلا گوشت کھائے چارہ ہی نہیں۔ (مولانا) اسی خیال میں اُلجھے ہوئے تھے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ نے از خود فرمایا کہ مولانا ایک دعا حدیث شریف میں وارد ہے کہ مسلمان اگر پڑھ کر جو کچھ کھائے وہ کھانا ہرگز ضرر نہ دے گا۔ وہ دعا یہ ہے: بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْئٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ مولانا سمجھ گئے کہ میرے دل کے خطرے کا جواب دے دیا ہے اور اس دعا کی بھی تعلیم فرمائی ہے۔" (سیرتِ اعلیٰ حضرت مع کرامات، از: مولانا حسنین رضا خان، ص: ۹۲)

اسی قسم کا ایک اور واقعہ پیشِ خدمت ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ محض دل جوئی کے لیے غریبوں کی دعوت قبول فرمالیا کرتے تھے اور ان کے یہاں خلافِ معمول وطبیعت غذا کھانے سے بھی گریز نہیں کیا کرتے تھے چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک کمسن بچے نے خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ کل آپ کی میرے گھر دعوت ہے، والدہ نے آپ کو کھانے پہ بلایا ہے، اعلیٰ حضرت نے بچّے کی دعوت قبول فرمالی اور حاجی کفایت اللہ صاحب سے فرمایا: وہ اچھی طرح بچّے کے گھر کا پتہ دریافت کر لیں تاکہ وقتِ مقررہ پر آسانی سے گھر پہنچا جا سکے۔ اس کے بعد معاملہ حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب کی زبانی کچھ یوں ہے:

"(اعلیٰ حضرت) جس وقت ان کے مکان پہ پہنچے تو صاحب زادے اپنے دروازے پر کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت کو دیکھتے ہی یہ کہتے ہوئے اندر کو بھاگے، ارے مولوی صاحب آ گئے۔ ان کے دروازے پر ایک چھپر پڑا تھا، جس کے سایے میں اعلیٰ حضرت اور حاجی کفایت اللہ صاحب کچھ دیر منتظر کھڑے رہے، اس کے بعد ایک بوسیدہ چٹائی آئی اور ایک دلیا میں باجرہ کی گرم گرم روٹیاں آئیں، مٹی کی رکابی میں ماش کی دال آئی جس میں مرچوں کے ٹکڑے ٹوٹے ہوئے پڑے تھے، یہ رکھ کر صاحب زادے نے کھانے کو کہا۔ فرمایا: ہاتھ دھونے کے لیے پانی تو لائیے، وہ پانی لینے مکان میں گئے، حاجی صاحب نے یہ عرض کیا: یہ مکان تو نقارچی کا ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے ان سے کبیدہ خاطر ہو کر فرمایا: ابھی سے

www.muftiakhtarrazakhan.com

کیوں کہہ دیا، کھانے کے بعد کہتے، اتنے میں صاحب زادے پانی لے کر آ گئے۔ آپ نے ان سے پہلا سوال یہ کیا کہ آپ کے والد کہاں ہیں اور کیا کام کرتے ہیں؟ پردے کی آڑ سے ان کی ماں نے عرض کیا کہ میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ پہلے نوبت بجاتے تھے، اس کے بعد انھوں نے توبہ کر لی تھی اور اب تو کمانے والا صرف یہ لڑکا ہے۔ جو راجوں کے ساتھ مزدوری کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے خدا کا شکر ادا کیا اور ان لوگوں کے لیے دعاء خیر و برکت فرمائی۔"

(سیرتِ اعلیٰ حضرت مع کرامات، از: مولانا حسنین رضا خان، ص:۹۱)

دورِ حاضر کے علما و مشائخ خاص طور پر ان واقعات سے عبرت حاصل کریں، جو دولت مندوں کے یہاں تو خوب دعوت کھاتے ہیں لیکن اگر کوئی غریب انھیں اپنے گھر دعوت دے تو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

دنیا سے بے رغبتی:

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں مال کو فتنہ قرار دیا ہے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی محبت کو تمام برائیوں کی جڑ قرار دیا ہے۔ بایں سبب سرکارِ اعلیٰ حضرت مال و دولت اور دنیاوی جاہ و اقتدار سے کوسوں دور رہتے تھے، نہ تو از خود آپ نے ان چیزوں کی طلب فرمائی اور نہ ہی کسی دوسرے کے دینے سے آپ نے لینا گوارہ فرمایا۔

حضرت سیف الاسلام مولانا منور حسین جنھوں نے کئی سال بریلی شریف میں گزارا ہے اور حضور حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ کی صحبت بھی پائی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے سوداگری محلے کے کئی بزرگوں سے سنا کہ نظام حیدر آباد، دکن نے کئی بار لکھا کہ حضور کبھی میرے یہاں تشریف لا کر ممنون فرمائیں یا مجھے ہی نیاز کا موقع عنایت فرمائیں۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کا عنایت فرمایا ہوا وقت اُسی کی اطاعت کے لیے ہے، مَیں آپ کی آؤ بھگت کا وقت کہاں سے لاؤں۔" (تصویت الایمان، از: مولانا منور حسین، ص:۶۹)

یہ امر واقعی ہے کہ جس ذات نے خداوند قدوس کی خوش نودی اور دین متین کی خدمت کو اپنا مطمحِ نظر بنا لیا ہوا سے کسی والیِ ریاست کی بارگاہ میں حاضری کی کیا حاجت۔ خیر یہ تو اعلیٰ حضرت کا عمل ہے، آپ کے خلفِ اکبر کا عمل ملاحظہ ہو، سیف اللہ مولانا منور تحریر کرتے ہیں:

"حضرت مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ جن سے مجھے چند دن فیض حاصل کرنے کا موقع ملا، بڑے حسین و جمیل، بڑے عالم اور بے انتہا خوش اخلاق تھے، ان کی خدمت میں بھی نظام حیدر آباد نے دار الافتا کی نظامت کی درخواست کی اور اس سلسلے میں کافی دولت کا لالچ دلایا، تو آپ نے فرمایا کہ مَیں جس دروازۂ کریم کا فقیر ہوں، میرے لیے وہی کافی ہے۔"

(تصویت الایمان، از: مولانا منور حسین، ص:۶۹)

مذکورہ بالا دونوں واقعات سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ اور آپ کے اہلِ خانہ، دنیاوی جاہ و حشمت اور مال و زر کے حصول سے کوسوں دور تھے۔ اس سلسلے میں مزید دو واقعات ہدیۂ قارئین ہیں:

"ایک مرتبہ نواب رام پور نینی تال جا رہے تھے۔ اسپیشل بریلی شریف پہنچے تو حضرت شاہ مہدی حسن میاں صاحب نے اپنے نام سے ڈیڑھ ہزار کے نوٹ ریاست مدار المہام کی معرفت بطور نذر اسٹیشن سے حضور کی خدمت میں بھیجے اور والیِ ریاست کی

www.muftiakhtarrazakhan.com

جانب سے مستدعی ہوتے ہیں کہ ملاقات کا موقع دیا جائے۔ حضور کو مدار المہام صاحب کے آنے کی خبر ہوئی تو اندر سے دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے کھڑے مدار المہام صاحب سے فرمایا کہ میاں کو میرا اسلام عرض کیجیے گا اور یہ کہیے گا، یہ اُلٹی نذر کیسی؟ مجھے میاں کی خدمت میں نذر پیش کرنا چاہیے نہ کہ میاں، مجھے نذر دیں، یہ ڈیڑھ ہزار ہوں یا جتنے ہوں، واپس لے جائیے۔ فقیر کا مکان نہ اس قابل کہ کسی والیِ ریاست کو بلا سکوں اور نہ مَیں والیانِ ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔"

(حیاتِ اعلیٰ حضرت (قدیم)، از: علامہ ظفر الدین بہاری، ص: ۱۹۲)

اسی قسم کا ایک واقعہ نواب حامد علی خاں صاحب کا بھی جو افادہ کے لیے ہدیۂ قارئین ہے:

"نواب حامد علی خاں صاحب کے متعلق معلوم ہوا کہ کئی بار انھوں نے اعلیٰ حضرت کو لکھا کہ حضور رام پور تشریف لائیں تو مَیں بہت ہی خوش ہوں گا۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو مجھی کو زیارت کا موقع دیجیے، آپ نے جواب میں فرمایا کہ چونکہ آپ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مخالف شیعوں کے طرف دار اور ان کی تعزیہ داری اور ماتم وغیرہ کی بدعادات میں معاون ہیں، لہٰذا مَیں نہ آپ کو دیکھنا جائز سمجھتا ہوں، نہ اپنی صورت دکھانا ہی پسند کرتا ہوں۔" (تصویبت الایمان، از مولانا منور حسین، ص ۷۰)

مذکورہ بالا واقعے سے ہمارے علما اور مشائخ کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اور صاحبانِ ثروت و امارت کی دعوت قبول کرتے ہوئے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ کہیں یہ اللہ اور اس کے رسول یا صحابہ اور بزرگانِ دین کا گستاخ تو نہیں۔

اخوت اسلامی اور مساوات کی پاس داری:

اعلیٰ حضرت شریعت وسنّت کے سچے ترجمان تھے۔ آپ فرمانِ قرآن اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کے سبب تمام مسلمانوں کو بھائی کی حیثیت سے دیکھا کرتے تھے، ہر ایک کے ساتھ اخوت ومحبت کا معاملہ فرماتے۔ اس سلسلے میں ایک ایمان افروز واقعہ ہدیۂ قارئین ہے:

"ایک صاحب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت بھی کبھی کبھی ان کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضور ان کے یہاں تشریف فرما تھے کہ ان کے محلّے کا ایک بے چارہ غریب مسلمان ٹوٹی ہوئی پرانی چار پائی پر، جو صحن کے کنارے پر پڑی ہوئی تھی، جھجکتے ہوئے بیٹھا ہی تھا کہ صاحب خانہ نے نہایت کڑے تیوروں سے اس کی طرف دیکھنا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ ندامت سے سر جھکائے اُٹھ کر چلا گیا۔ حضور کو صاحب خانہ کی اس مغرورانہ روش سے سخت تکلیف پہنچی مگر کچھ فرمایا نہیں، کچھ دنوں کے بعد وہ حضور کے یہاں آئے، حضور نے اپنی چار پائی پہ جگہ دی، وہ بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں کریم بخش حجام، حضور کا خط بنانے کے لیے آئے، وہ اس فکر میں تھے کہ کہاں بیٹھوں؟ آپ نے فرمایا کہ بھائی کریم بخش! کھڑے کیوں ہو؟ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور ان صاحب کے برابر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ وہ بیٹھ گئے۔ پھر تو ان صاحب کے غصّے کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے سانپ پھنکاریں مارتا ہے اور فوراً اُٹھ کر چلے گئے، پھر کبھی نہ آئے، خلافِ معمول جب عرصہ گزر گیا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ اب فلاں صاحب تشریف نہیں لاتے ہیں۔ پھر خود ہی فرمایا: مَیں بھی ایسے متکبر اور مغرور شخص سے ملنا نہیں چاہتا۔" (حیاتِ اعلیٰ حضرت، قدیم، از: ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری، ص: ۴۰)

❖❖❖

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور احترام سادات

از : مولانا غلام مصطفےٰ نعیمی
چیف ایڈیٹر ماہنامہ سواد اعظم دہلی

فضا میں گھلی ہوئی خوشبو سے بام و در مہک رہے تھے، چہار جانب نور کی چھٹکی سے سارا سماں روشن و منور تھا، رنگ و نور کی جھما جھم برسات سے ہر انسان شرابور تھا، مسرت و شادمانی کے دھنک رنگوں سے ہر چہرہ گلنار بنا ہوا تھا، فضا میں بلند ہونے والی آوازوں سے ہوائیں بھی مخمور و مدمست ہو رہی تھیں، پورا ماحول نور و عرفان کی کی لطیف کرنوں کا گہوارہ بنا ہوا تھا... ذکر خدا و رسول کی دل نواز صدائیں عاشقوں کے کانوں میں رس گھول رہی تھیں... یہ نظارہ ایک انوکھی محفل میلاد کا تھا... اور یہ مبارک محفل اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے در دولت پر منعقد ہوئی تھی... اس محفل کا انتظار ساکنانِ شہر بڑی شدت سے کیا کرتے تھے... اُمرا ہوں یا غربا، عوام ہوں یا خواص، مالک ہو یا مزدور ہر شخص اس دن کے انتظار میں محوِ انتظار رہتا تھا... کہ کب ماہ ربیع النور آئے اور امام عشق و محبت کے آستانہ پر سجنے والی ''میلاد مصطفےٰ'' میں شرکت کی سعادت میسر آئے... جیسے ہی محفل سجتی دیوانوں کا ہجوم مانند پروانہ امنڈ پڑتا... حالت یہ ہوتی کہ مکان میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی... کانوں میں عشق رسالت مآب کی صدائیں رس گھولتیں اور آنکھیں امام عشق کے دیدار شربت سے شادکام ہوتیں... کیا نظارہ ہوتا تھا کہ عشق اور امام عشق کا حسین سنگم ہوتا تھا... ؎

پھوٹی پڑتی ہیں نہاں خانہ دل میں
میٹھی میٹھی ،مدھم سی، سریلی لہریں

آج ایک بار پھر یہ محفل سجی ہوئی ہے... ذکر خدا اور نعت مصطفےٰ کے نغموں سے ہوا بھی مشک بار ہو رہی ہے... سرور وجذب کی کیفیت میں سرشاری کے ساتھ محفل میلاد اپنے اختتام کو پہنچتی ہے... اور شرکائے محفل میں تقسیم شیرنی کا مرحلہ شروع ہوتا ہے... ذکر رسالت کی حلاوت سے روحیں سرشار ہو چکی تھیں... اور اب امام عشق و محبت کے خلوص و محبت سے لبریز شیرنی سے لطف اندوزی کا حسین موقع نصیب ہو رہا تھا... ایسے حسین مواقع آسانی سے کہاں میسر ہوتے ہیں جہاں قلب و روح کے ساتھ زبان بھی لطف و کرامت کی بارش میں شرابور ہو جائے... ؎

سرشار ہو ذہن و دل، مہک اٹھیں روحیں
ایسے کھانے کہاں روز ملا کرتے ہیں

شیرنی کے روپ میں درِ امام کی سوغات تقسیم ہوتی رہی... دیوانے ادب و نیاز مندی کے ساتھ سوغات حاصل کر رہے

www.muftiakhtarrazakhan.com

تھے۔۔۔اثنائے تقسیم جب خادم نے ایک شخص کو، دوسروں کی طرح نیاز پیش کی۔۔تو لینے والے نے ادب کے ساتھ تبرک تو لے لیا مگر چہرے پر افسردگی وملال کی گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں۔۔۔گلاب کی طرح گلنار چہرہ اچانک سے مرجھا سا گیا۔۔چاند جیسا رخ اچانک جیسے گہنا گیا۔۔۔ایسا لگا کہ بھری بہار میں بادِخزاں چل گئی۔۔۔بھاری دل، نم آنکھیں اور بوجھل قدموں کے ساتھ امام عشق ومحبت کی بارگاہ میں حاضری دی۔۔۔اور اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں اس طرح گویا ہوئے:

حضور! بارگاہ اعلیٰ حضرت میں ''سادات کرام کی قدرووقعت کے تفرد کی مثالیں زمانے میں دی جاتی ہیں۔لیکن آج خادم نے اس سیدزادے کو عام لوگوں کی طرح اکہرا حصہ دے کر اس تفرد کو ختم کر دیا۔''

سیدزادے کی زبان سے نکلنے والے یہ الفاظ محفل میں گونجے اور ایک سکوت سا چھا گیا۔۔۔امام ماہی بے آب کی طرح مچل اٹھے۔۔۔بڑی لجاجت کے ساتھ سیدزادے سے فرماتے ہیں۔۔۔سیدزادے دل کو چھوٹا نہ کریں۔۔۔یہ سبھی کچھ آپ کا ہی ہے۔۔۔فوراً ہی خادم کی طلبی ہوئی۔۔۔رخ امام کی سرخی اور آثار غضب دیکھ کر خادم عرق ندامت سے تربتر ہو گیا۔۔۔سیدزادے سے معذرت خواہی کرتے ہوئے بارگاہ امام میں بے توجہی کا عذر پیش کیا۔۔۔عذر سن کر سرخی غائب ہو گئی اور رنگ کرم غالب آیا۔۔۔والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس کی تفسیر چہرۂ امام پر صاف پڑھی جاسکتی تھی۔۔۔والعذر عند کرام الناس مقبول کے تحت خادم کے عذر کو قبول فرمایا اور خادم کو حکم دیا کہ ایک سینی [خوان] میں جتنے حصے آسکیں، بھر دیئے جائیں۔۔۔اور اس سینی کو سر پر اٹھا کر بصد شوق وعقیدت سید صاحب کے دولت خانہ پر بکمال ادب پہنچایا جائے۔۔۔

مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے
دل پہ جب چوٹ لگی، رنگ اُتنا نکھرا

سادات کرام کی محبت ونسبت کا احترام دیکھ کر سیدزادے کا چہرہ کھل اٹھا اور بارگاہ امام میں عرض کیا حضور! مقصود بندہ حصول شیرنی نہیں ''تحفظ تفرد بارگاہ رضا'' تھا جو بحسن وخوبی قائم رہا۔۔۔آپ کی بارگاہ میں ہمیشہ ہی سادات کرام کو خصوصی اعزاز دیا جاتا ہے اسی لئے جب بھی کوئی چیز تقسیم کی جاتی ہے تو ''نسبت رسالت کے لحاظ میں سادات کو دوگنا حصہ دیا جاتا ہے۔''

آج جب محفل میں خادم کی بے توجہی اور ذہول سے وہ خصوصی اعزاز نہ ملا تو دل پر ایک ملال سا آیا اسی لئے آپ کی بارگاہ میں اظہار درد کر دیا۔۔۔کیوں کہ دردِ دل اپنوں کے علاوہ کس سے بیان کیا جائے۔۔۔اتنا سن کر فرط محبت سے امام کی آنکھوں میں آنسو تیر جاتے ہیں۔۔۔رُندھے ہوئے گلے کے ساتھ فرماتے ہیں سید صاحب ''شہزادہ کی دل جوئی ہماری سعادت ہے۔۔۔اگر آپ نے اضافی شیرنی قبول نہ کی تو اب ہمارے دل پر ملال آئے گا۔۔۔''

اللہ اللہ! عشق کے رنگ بھی کتنے عجیب ہیں، جہاں ذرا سی ٹیس پر دل بے چین وبے قرار ہو جاتا ہے۔۔۔تو وہیں محبت کی ایک نگاہ اور پیار کے دو بول سے چشمہ محبت میں غوطہ زنی کرنے لگتا ہے۔۔۔یہ عشق کی آگ بھی کیا آگ ہے۔۔۔جب تک یہ آگ نہ بھڑکے تب تک دل عاشق کی آگ بجھنے میں نہیں آتی چین نہیں آتی۔۔۔

جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

جانبین سے اٹھنے والی محبت کی میٹھی پھہاریں ماحول کو لالہ زار بنا رہی ہیں۔۔۔حاضرین محفل عشق ومحبت کے یہ ناقابل

www.muftiakhtarrazakhan.com

فراموش حیرت انگیز نظارے دیکھ رہے ہیں... چشم فلک دیکھ رہا ہے کہ ''احمد رضا'' کو ''امام عشق ومحبت'' کیوں کہا جاتا ہے... موجودین میں ہر ایک شخص اپنے مقدر پہ نازاں ہے کہ اس یادگار تاریخی نظارے کا حصہ بنا...

دلوں میں عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتے پھوٹ پڑے... ''مودت قربیٰ'' کی قرآنی تفسیر کو ماتھے کی نگاہوں سے ملاحظہ کیا... جس امام کے لبوں سے نکلنے والے جملوں کو مانند جواہرات قلب وذہن میں بسایا جاتا ہے... اس امام کے محبت آمیز اصرار کو بھلا ایک سیدزادہ کیوں کر ٹال سکتا تھا... اس لئے سید صاحب نے بصد خلوص امام کی سوغات عشق کو قبول کیا... خادم نے سینی کو سر پر اٹھایا اور باادب باملاحظہ چل دیا... اس طرح امام کی بارگاہ سے سیدزادے کو شاہانہ طریقے سے رخصت کیا گیا۔

دنیا والو! دیکھ لو... احمد رضا کے عشق کو دیکھ لو... اور خوب دیکھ لو... یہی وہ عشق تھا جس نے ایک ہندی عاشق کے ذکر کو حرمین شریفین کے تقدس مآب علما نے خوش عقیدگی کی علامت بنالیا... جس کا ترانہ محبت ''مصطفےٰ جان رحمت'' شرق تا غرب گونج رہا ہے... نسبت رسالت کا یہی وہ جذبہ صادقہ تھا جس کے تحفظ کے لئے تاجدار بریلی وقت کے بڑے بڑے سورماؤں سے ٹکرا گئے... اور آج بھی ان کے عشق رسالت کے فیضان سے سنیت سرسبز وشاداب ہے... محبت کی کھیتیاں ہری بھری ہیں... دلوں میں چراغ مصطفوی کی ضیا بار کرنیں نہاں خانہ دل کو منور وتابناک بنائے ہوئے ہیں...

آیئے اپنے امام کے صد سالہ عرس پر تحفظ عظمت رسالت کی مہم کو ہر سو عام کردیں... ؎

جہاں میں عام پیغام شہ احمد رضا کردیں
پلٹ کر پیچھے دیکھیں پھر سے تجدید وفا کردیں

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور ان کا مقام ولایت

از: مفتی ضیاء المصطفیٰ قادری، جمشید پور

اللہ عزوجل نے سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی علیہ الرحمۃ الرضوان کو شریعت وطریقت کا مجمع البحرین بنایا تھا۔ فضل خدا اور کرم مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور فیضان غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان جہاں شریعت کے بحر ناپیدا کنار تھے اور اجلہ علما وفقہا نے علم شریعت میں آپ کی امامت وسیادت کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور استفادہ فرمایا، وہیں آپ کے علم طریقت کے فیضان سے عرب وعجم کے بے شمار اہل علم وفضل وتشنگان علم طریقت نے سیرابی حاصل کی۔ آپ کی شخصیت جس طرح اپنے دور میں علم شریعت میں عدیم المثال ہے، اسی طرح آپ کے ہم عصروں میں علم طریقت میں بھی کوئی شخصیت آپ کا ہم پلہ نظر نہیں آتی؛ یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدنا وارث علی شاہ علیہ الرحمۃ والرضوان جیسے مشہور ومستند ولی کامل نے آپ کو ''اعلیٰ حضرت'' کا خطاب عطا فرمایا اور حضور اشرفی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان جیسے امام طریقت نے آپ کو اپنے زمانے کا ''قطب الارشاد'' فرمایا۔ بلاشک وشبہ جس طرح آپ علم شریعت میں ساری دنیا کے علمائے دین کے مرجع اور مقتدیٰ تھے اسی طرح علم طریقت میں بھی سارے اہل طریقت میں بھی سارے اہل طریقت کے مرجع اور مقتدیٰ تھے، فضل خدا کرم مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور عنایات غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ ولایت کے سب سے اعلیٰ مقام نائب غوث زمن، قطب الاقطاب، اور قطب الارشاد کے منصب پر فائز ہوئے اور جملہ اولیائے زمانہ کے سردار قرار پائے۔ آئندہ سطور میں راقم السطور اپنے اس دعوے پر اولیائے کرام کے اقوال سے دلائل وبراہین پیش کرنے کی سعادت حاصل کرے گا۔

سرکار اعلیٰ حضرت پیدائشی ولی:

سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی سیرت وسوانح سے متعلق کتابوں کا جس نے بھی مطالعہ کیا ہے اور جو بھی آپ کے احوال وکوائف سے واقف ہے ذرہ برابر شک نہیں ہوسکتا کہ سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان پیدائشی ولی تھے اور آثار ولایت بچپن ہی سے آپ کی ذات بابرکات سے ظاہر ہوتے تھے اور جد امجد علامہ رضا علی خان علیہ الرحمہ اور والدین کریمین رحمہما اللہ ان آثار وکرامات کو ملاحظہ فرماتے تو بے انتہا فرحت وانبساط کا اظہار فرماتے اور اللہ عزوجل کا شکر بجالاتے۔

بالائے سرش زہوش مندی　　　　می تافت ستارۂ بلندی

آپ کے بچپن کا مشہور واقعہ ہے کہ جب آپ کے استاذ آپ کو ناظرہ قرآن پاک پڑھا رہے تھے، تو قرآن مجید میں ایک جگہ کتابت کی غلطی سے زیر کی جگہ پر لکھا ہوا تھا، آپ کے استاذ آپ کو کتابت کے مطابق پڑھاتے، لیکن آپ کی زبان مبارک سے ہر بار زبر ہی نکلتا پورا واقعہ فاضل بہاری علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''سیدنا ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ کاشانۂ اقدس پر ایک مولوی صاحب چند بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ حضور بھی ان

www.muftiakhtarrazakhan.com

سے کلام اللہ شریف پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ مولوی صاحب کسی آیت کریمہ میں بار بار ایک لفظ حضور کو بتاتے تھے، مگر آپ کی زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ زبر بتاتے تھے اور آپ زیر پڑھتے تھے۔ یہ کیفیت حضور کے جدامجد حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب قطب الوقت رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھ کر حضور کو اپنے پاس بلا لیا اور کلام پاک منگوا کر دیکھا تو اس میں کاتب سے اعراب کی غلطی ہوگئی تھی، زیر کی جگہ زبر لکھ دیا تھا، اور اسی طرح بے تصحیح طبع ہوگیا تھا، یعنی جو حضور رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے نکلتا تھا، وہی صحیح تھا حضور سے حضرت جدامجد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مولوی صاحب جس طرح تم کو بتاتے تھے اس طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ عرض کیا: میں ارادہ کرتا تھا کہ اس طرح پڑھوں، مگر زبان پر قابو نہ پاتا تھا۔ حضرت جدامجد قدس سرہ العزیز نے فرمایا: خوب اور تبسم فرما کر سر پر ہاتھ پھیرا اور دل سے دعا دی۔ پھر ان مولوی صاحب سے فرمایا: یہ بچہ صحیح پڑھ رہا تھا، حقیقتاً کاتب نے غلط لکھ دیا ہے۔ پھر قلم فیض رقم سے اس کی تصحیح فرمادی۔'' (حیات اعلیٰ حضرت)

سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی ذات اقدس کو اللہ تعالیٰ عزوجل نے کارعظیم کے لیے منتخب فرمایا تھا اس لیے آپ کو پیدائشی ولی بنا کر دنیا میں پیدا فرمایا اور دنیا میں تشریف لانے کے ساتھ ہی آپ سے کرامات اور خوارق عادات کا ظہور ہونے لگا تھا، جسے دیکھ کر اہل نظر سمجھ لیتے تھے کہ یہ کوئی عام بچہ نہیں، بلکہ آگے چل کر اسے آسمان شریعت وطریقت کا آفتاب وماہتاب بننا ہے۔ آپ کی ایک مشہور کرامت یہ بھی ہے کہ ساڑھے تین سال کی عمر میں آپ نے نہایت فصیح عربی میں گفتگو فرمائی، حیات اعلیٰ حضرت میں ہے:

''مولوی عرفان علی صاحب قادری رضوی بلیاپوری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی مسجد کے سامنے کھڑا تھا اس وقت میری عمر ساڑھے تین سال کی ہوگی، ایک صاحب اہل عرب کے لباس میں ملبوس جلوہ فرما ہوئے، یہ معلوم ہوتا تھا کہ عربی ہیں۔ انھوں نے مجھ سے عربی زبان میں گفتگو فرمائی میں نے فصیح عربی میں ان سے گفتگو کی۔ اس بزرگ ہستی کو پھر کبھی نہ دیکھا۔'' (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۶)

مندرجہ بالا واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پیدائشی ولی تھے کیوں کہ ساڑھے تین سال کے بچے کا فصیح عربی زبان میں کلام کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے جب کہ وہ بچہ عجمی ہو اور عربی نہ اس کے گھر کی زبان ہو نہ علاقے کی۔

سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات بابرکات سے نہ صرف یہ کہ بچپن ہی سے کرامات کا صدور ہوتا تھا، بلکہ پیدائشی طور پر آپ تقویٰ وپرہیزگاری کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے اور کیوں نہ ہو جب کہ آپ پیدائشی ولی تھے؟ لہذا پیدائشی متقی بھی۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ عزوجل کا فرمان ہے ''ان اولیاءہ الا المتقون'' اللہ کے ولی صرف اس کے متقی بندے ہی ہوتے سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے بچپن کے تقویٰ کا بے مثال نمونہ ملاحظہ کریں:

''سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے رمضان المبارک کا مقدس مہینہ ہے اور حضور اعلیٰ حضرت کے پہلے روزہ کشائی کی تقریب ہے، آفتاب نصف النہار پر ہے۔ ٹھیک تمازت کا وقت ہے حضور کے والد ماجد آپ کو اسی کمرے میں لے جاتے ہیں اور کواڑوں کی جوڑیاں بند کر کے ایک فیرنی کا پیالہ اٹھا کر دیتے ہیں کہ اسے کھالو عرض کرتے ہیں: میرا تو روزہ ہے، کیسے کھاؤں؟ ارشاد ہوتا ہے بچوں کا روزہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ لو کھالو! میں نے کواڑ بند کر دیے ہیں، کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

آپ عرض کرتے ہیں: جس کے حکم سے روزہ رکھا ہے وہ تو دیکھ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی حضور کے والد ماجد کی چشمان مبارک سے آنسو کا تار بندھ گئے اور کمرہ کھول کر باہر لے آئے۔" (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۱۰)

امام احمد رضا اور مقامات سلوک:

ہر عالم ربانی کے لیے علم شریعت وطریقت کا جامع ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی عالم ربانی ہو ہی نہیں سکتا امام مالک رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں "من تفقہ ولم یتصوف فقد تفسق، ومن تصوف ولم یتفقہ فقد تزندق" (جس نے علم فقہ حاصل کیا اور علم تصوف وطریقت حاصل نہ کیا وہ فاسق ہو گیا اور جس نے علم تصوف حاصل کیا اور علم شریعت حاصل نہ کیا زندیق ہو گیا)
امام احمد رضا خاں قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو عالم ہی نہیں، بلکہ اعلم علمائے زماں تھے آپ تصوف وطریقت سے دور کیسے رہ سکتے تھے؛ اس لیے آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں، ذاتی مطالعے اور والد گرامی کی عنایتوں سے مرشد گرامی کی بارگاہ میں پہنچنے سے قبل ہی علم طریقت میں تبحر حاصل کر لیا تھا اور مقامات سلوک کے گیارہ درجات والد گرامی ہی نے آپ کو طے کرا دیے تھے۔
خود سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان ارشاد فرماتے ہیں:
"ایک بار میں نے (خواب میں) دیکھا کہ حضرت والد ماجد کے ساتھ ایک سواری ہے۔ بہت نفیس اور اونچی بھی تھی۔ والد ماجد نے کمر پکڑ کر سوار کیا، اور فرمایا: گیارہ درجے تک تو ہم نے پہنچا دیا آگے اللہ مالک ہے۔ میرے خیال میں اس سے مراد غلامی ہے سرکار غوثیت رضی اللہ عنہ کی۔" (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۳۰۵)
والد محترم علامہ مفتی نقی علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ فیض سے علم شریعت وطریقت کا سنگم بن کر مرشد کامل خاتم الاکابر سیدنا آل رسول احمدی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں پہنچے تو مرشد کامل نے اپنی نگاہ فیض سے ایسا نوازا کہ یکتائے روزگار بن گئے۔

امام احمد رضا مرید نہیں مراد:

سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے پیرومرشد کے مرید ہی نہیں بلکہ مراد تھے۔ بزرگوں نے مرید کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں: ایک مرید جو طالب صادق بن کر مرشد کامل کی تلاش میں لگے اور پھر مرشد کامل کی بارگاہ میں پہنچ کر اپنی ظاہری وباطنی تربیت کے لیے اپنے آپ کو مرشد کے حوالے کر دے ایسے مرید کو "مرید صادق" کہتے ہیں۔
مرید کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے کہ خود پیر اپنے اس مرید کے انتظار میں سراپا اشتیاق ہو۔ مرشد خود اپنے اس مرید پر فخر کرے۔ ایسے مرید کو مرید نہیں مراد کہتے ہیں، جیسا کہ حضرت بابا فریدالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی کے مرید محبوب یزدانی حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یوں ہی سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے پیرومرشد حضرت خاتم الاکابر سیدنا آل رسول احمدی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مرید ہی نہیں بلکہ مراد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے والد گرامی کے ساتھ تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی کے مشورے پر ان کی معیت میں مارہرہ شریف حاضر ہوئے تو پیرومرشد نے مرید فرماتے ہی تمام سلاسل کی اجازت وخلافت اور سند حدیث اور تبرکات آپ کے حوالے فرما دیا۔ یہ دیکھ کر سیدنا ابوالحسین نوری میاں علیہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

الرحمۃ والرضوان نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ حضور آپ کی بارگاہ میں طویل عرصہ تک ریاضت ومجاہدہ کے بعد خلافت واجازت دی جاتی ہے، تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ان کو بیعت کرتے ہی خلافت دے دی گئی؛ تو حضرت پیرومرشد نے فرمایا لوگ میلا کچیلا دل لے کے آتے ہیں، اس کی صفائی کے لیے ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ دونوں حضرات صاف ستھرا، پاکیزہ دل لے کر آئے تھے، ان کو صرف اتصال نسبت کی ضرورت تھی وہ مرید ہوتے ہی حاصل ہوگئی۔ پھر پیرومرشد نے اپنے اس قابل صد افتخار مرید پر فخر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''مجھے اس بات کی بہت فکر رہتی تھی کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے آل رسول تو میرے لیے کیا لایا ہے، تو میں بارگاہ الٰہی میں کیا چیز پیش کروں گا لیکن آج وہ فکر میرے دل سے دور ہوگئی ہے؛ کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا، اے آل رسول! تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں عرض کردوں گا الٰہی! تیرے لیے احمد رضا لایا ہوں۔ علاوہ ازیں پیرومرشد کی بارگاہ فیض سے خلافت واجازت کے حصول کے باوجود سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کسی کو مرید نہیں فرماتے تھے، بلکہ سیدنا نوری میاں علیہ الرحمہ کی اور دوسرے بزرگوں کی خدمت میں بیعت کے لیے بھیج دیا کرتے تھے۔ بہت دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ پیرومرشد خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: ''آپ سلسلے کا دائرہ کیوں تنگ کرتے ہیں، کیوں نہیں مرید کیا کرتے؟'' پھر جب آپ نے اپنے پیرومرشد کے حکم سے مرید کرنا شروع کیا تو آپ اور آپ کے شہزادوں اور خلفا کے ذریعے سلسلۂ قادریہ کو ہندوستان میں وہ عروج حاصل ہوا جو کسی سلسلے کو نہ ہوا اور آج اہل ہند و پاک، بنگلہ دیش و نیپال کے مسلمانوں کی اکثریت سلسلۂ قادریہ کے فیضان سے مستفیض ہے۔

امام احمد رضا مقام غوثیت پر:

سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان جہاں اہل شریعت کے امام بلکہ امام الائمہ ہیں، وہیں اہل طریقت کے بھی امام ومقتدیٰ ہیں۔ طریقت وسلوک میں فضل خدا اور کرم مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم وسرکار غوثاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظر کرم سے آپ ولایت کے سب سے عظیم منصب ''نائب غوث اعظم'' اور غوثیت اور قطب الاقطاب اور قطب الارشاد کے منصب پر فائز ہوئے۔ علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''شریعت میں وہ اگر امام ابوحنیفہ کے قدم بقدم ہیں، تو طریقت میں حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نائب اکرم ہیں۔'' (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱ص:۱۱۱)

غوثیت اور قطب الاقطاب یا قطب الارشاد ولایت کا وہ مقام ہے جس پر اخص الخاص اولیاے کرام ہی فائز ہوتے ہیں۔ غوث وقطب الاقطاب اپنے زمانے میں ساری دنیا کے جملہ اولیاے کرام کے سردار اور سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نائب مطلق ہوتے ہیں اور بیک وقت ایک ہی ہوتے ہیں، دو نہیں ہوسکتے۔ مقام غوثیت کے سلسلے میں خود سرکار اعلیٰ حضرت کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے:

''بغیر غوث کے زمین وآسمان قائم نہیں رہ سکتے۔ غوث کو مراقبے سے حالات منکشف نہیں ہوتے، بلکہ انھیں ہر حال یوں ہی مثل آئینہ پیش نظر ہے۔ ہر غوث کے وزیر ہوتے ہیں۔ غوث کا لقب عبداللہ ہوتا ہے اور وزیر دست راست عبدالرب اور وزیر دست چپ عبدالملک۔ اس سلطنت میں وزیر دست چپ، وزیر راست سے اعلیٰ ہوتا ہے، بخلاف سلطنت دنیا، اس

www.muftiakhtarrazakhan.com

لیے کے یہ سلطنت قلب ہے اور دل جانب چپ۔ غوث اکبر و غوث ہر غوث حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ صدیق اکبر حضور کے وزیر دست چپ تھے اور فاروق اعظم وزیر راست۔ پھر امت میں سب سے پہلے درجۂ غوثیت پر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فائز ہوئے اور وزارت امیر المومنین فاروق اعظم و عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو عطا ہوئی، اس کے بعد امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو غوثیت مرحمت ہوئی اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ و مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم وزیر ہوئے، پھر امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت عنایت ہوئی اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہ اور امام حسن رضی اللہ عنہ وزیر ہوئے، پھر مولیٰ علی کو اور امامین محترمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وزیر ہوئے، پھر امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درجہ بدرجہ امام حسن عسکری تک یہ سب حضرات مستقل غوث ہوئے۔ امام حسن عسکری کے بعد حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جتنے حضرات ہوئے، سب ان کے نائب ہوئے ان کے بعد سیدنا غوث اعظم مستقل غوث، حضور تنہا غوثیت کبریٰ کے درجہ پر فائز ہوئے۔ حضور غوث اعظم بھی ہیں اور سید الافراد بھی، حضور کے بعد جتنے حضرات ہوئے سب ان کے نائب ہوئے، حضور کے بعد جتنے ہوئے اور اب تک جتنے ہوں گے حضرت امام مہدی تک سب نائب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے پھر امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت کبریٰ عطا ہوگی۔'' (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۲، ص:۴۰۷)

مندرجہ بالا عبارت سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ مقام غوثیت وہ مرتبۂ ولایت ہے جو ولایت کا آخری مقام ہے اس کے بعد فقط مرتبۂ صدیقیت و نبوت ہے اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ سیدنا سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سے تاہنوز اور تاظہور امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی مستقل غوث نہیں ہوگا، جتنے غوث ہوں گے سب سیدنا سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نائب ہوں گے۔ پھر غوث کے انتخاب کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''غوث کی جگہ امامین سے غوث کر دیا جاتا ہے اور امامین کی جگہ اوتاد اربعہ سے، اور اوتاد کی جگہ بدلا سے، بدلا کی جگہ پر ابدال سبعین سے، اور ان کی جگہ تین سو نقبا سے، پھر اولیا سے، اور اولیا کی جگہ عامۂ مومنین سے کر دیا جاتا ہے، کبھی بلا لحاظ ترتیب کافر کو مسلمان کر کے بدل کر دیتے ہیں ان کا مرتبہ ابدال سے زیادہ ہوتا ہے۔'' (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۲، ص:۴۰۸)

مندرجہ بالا تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ قطب الارشاد، قطب الاقطاب اور غوث زمن کا ولایت کی دنیا میں مقام و مرتبہ کیا ہے اور قطب الارشاد کی اہمیت کتنی ہے۔ اب ان معیاروں کی روشنی میں جب ہم سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی روحانی و عرفانی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو صاف صاف واضح ہوجاتا ہے کہ آپ کا مقام و مرتبہ درجات ولایت میں آخری ہے، آپ نائب غوث اعظم اور غوث زمن اور قطب الاقطاب اور قطب الارشاد ہیں۔ یہ فقط کسی مرید کا اپنے مرشد کے بارے میں حسن اعتقاد نہیں بلکہ امر واقع ہے۔

اشرفی میاں علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت کو قطب الارشاد فرمایا:

''چودھویں صدی کے مشہور و معروف مرشد برحق، تاجدار سلسلۂ اشرفیہ و قادریہ حضرت مولانا شاہ علی حسین اشرفی علیہ الرحمۃ والرضوان کچھوچھہ شریف کا فرمان مشہور و معروف ہے جو حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی روایت سے معروف ہے۔ سیدنا محدث اعظم ہند سیدنا محمد اشرفی الجیلانی کچھوچھوی کا فرمان ہے کہ جب سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کا وصال

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہوا تو میں کچھوچھہ شریف میں حضور اشرفی میاں صاحب قبلہ کو وضو کرا رہا تھا، حضور اچانک رونے لگے تو میں نے پوچھا کہ حضور کے اچانک رونے کا سبب کیا ہے تو ارشاد فرمایا ''میں نے فرشتوں کے کاندھے پر قطب الارشاد کا جنازہ دیکھا تو میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔''

سیدنا اشرفی میاں علیہ الرحمہ خود ولی کامل ہیں اور مشہور مقولہ ہے کہ ''ولی را ولی می شناسد'' اس لیے آپ نے سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے مرتبۂ ولایت کو ظاہر فرمایا۔

سرکار اعلیٰ حضرت قطب الاولیا ہیں:

مبلغ اسلام، خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم میرٹھی علیہ الرحمہ نے حرمین طیبین کی حاضری سے واپسی کے بعد سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور کی شان میں ایک نہایت عالی شان منقبت نہایت خوش آوازی سے پڑھ کر سنائی اور ان اشعار میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے مرتبۂ ولایت کو ظاہر فرمایا چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہل طریقت کا　　جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیا تم ہو

ہیں سیارہ صفت گردش کناں اہل طریقت پاک　　وہ قطب وقت اے سرخیل جمیع اولیا تم ہو

تمھیں پھیلا رہے ہو علم حق اکناف عالم میں
امام اہل سنت نائب غوث الوریٰ تم ہو

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا! القاب و آداب کے تناظر میں

از: مولانا محمد صابر رضا رہبر مصباحی

کسی بھی ذات کی مقبولیت و عبقریت کا صحیح اندازہ اس کے تئیں ان کے ہم عصروں کے مثبت و منفی خیالات سے ہی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ شخصیت کتنی معیاری اور ملک گیر و ہمہ گیر مقبولیت کی حامل ہے۔ جس شان و شوکت اور عزت و عظمت کے ساتھ اُس کے ہم عصر اُس کا تذکرہ کریں گے وہ ذات اتنی ہی باعظمت و با رفعت ہوگی۔ یہ ایک ایسی کسوٹی ہے جہاں انصاف کا پیمانہ کبھی بھی نہیں بدلتا۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی کچھ دیر کے لئے اپنی انانیت کے نشے میں دُھت ہو کر اس کی عبقریت سے منکر ہو جائے مگر حقیقیت و سچ کا جادو اس کے بھی سر چڑھ کر بولتا ہے۔ پھر اسے انانیت کے خول سے باہر نکل کر بہر حال حقیقت کا اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے اور کسی بھی شخص کی ہمہ گیریت و مقبولیت کے لئے یہی کافی ہے۔ مجدد مائۃ ماضیہ مؤید طاہرہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضلِ بریلوی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ بھی انہیں خوش قسمت ہستیوں میں سے ہیں جن کی عظمتوں کے ترانے اپنے تو اپنے غیر بھی گانے پر مجبور ہو گئے۔ آپ کی ہمہ جہت و ہمہ گیریت کیا تھی اور آپ کے ہم عصروں کے درمیان آپ کی کیا حیثیت تھی اس کا اندازہ آداب و القابات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، جن کے ذریعے وہ آپ کو یاد کرتے اور آپ کا تذکرہ کرتے تھے۔ یہ موضوع مستقل ایک کتاب کا متقاضی ہے جب کہ سر دست ہمیں ایک مختصر سا مضمون سپردِ قلم کرنا ہے۔ اس لئے ہم قارئین سے معذرت کرتے ہوئے فقط چند مشاہیر شخصیات و قابلِ ذکر افراد کے اقوال و نظریات کو زینتِ قرطاس کرنے کی سعی کریں گے۔

۱۔ قطب المشائخ شاہ ابوالحسین احمد نوری عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ مارہرہ شریف:

”چشم و چراغِ خاندانِ برکاتیہ مارہرہ مولانا احمد رضا خاں صاحب دَامَ عُمُرُھُمْ وَ عَلَیْہِمْ! از ابوالحسین۔ بعدہ، دعا، فقرہ مقبولیت محررہ القابات سطر بالا واضح ہو کہ یہ خطاب حضرت صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ کو دیا تھا۔ باوجودیکہ میں لائق نہ تھا، چوں کہ اب میں بظاہر اسباب، انواعِ امراض میں مبتلا ہوں تو اب سوائے آپ کے حامی کار اس خاندان عالی شان کا خلفا میں کوئی نہ رہا، لہٰذا میں نے یہ خطاب آپ کو بایمائے غیبی پہنچا دیا، بطوع ورغبِ قلب یہ خطاب آپ کو دیا اور بخش دیا۔“ (حیاتِ آلِ رسول احمدی مارہروی، ص ۹۸ تا ۹۹)

۲۔ تاج العلما، سیّد شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری مارہرہ شریف:

”حامیِ سنّت، قاطعِ بدعت، ماحیِ فتن، جامعِ کمالات، منبعِ برکات، لازالت شمس افادتھم طالعۃ. مولانا المعظّم!“ (احکامِ شریعت، سوم ص ۴؛ فتاوٰی رضویہ مع تخریج و ترجمہ، ج ۲، ص ۲۶۳)

۳۔ تاج الفحول حضرت سیّد عبدالقادر بدایونی:

”مولانا الابجل الاکمل“ (مکتوباتِ علما و اہلِ صفا، ص ۶۲ تا ۶۳)

www.muftiakhtarrazakhan.com

۴۔ حضرت سیّد شاہ اسماعیل شاہ جی میاں مارہرہ شریف:

"فخر الافاضل، صدر الاماثل، افضل العلما، اجل الفضلا، مجمع الفضائل والفواضل، مدقق دقائقِ شریعت و محققِ حقائقِ طریقت۔" (مفاضاتِ طیبہ، ص ۱۴ تا ۱۵ و ۴۸ تا ۴۹)

۵۔ حضرت علامہ شاہ عبدالصمد چشتی پھپھوند شریف:

"معین الاسلام والمسلمین، قامع اساس المحدثین" (مکتوباتِ علماو کلامِ اہلِ صفا، ص ۳۳)

۶۔ حضرت مولانا سیّد شاہ ابراہیم قادری رزّاقی بغداد شریف:

"العالم الفاضل، البحر المتقاطر" (دبدبۂ سکندری، رام پور، ۲۰؍جولائی ۱۹۱۴ء ص ۳، ماخوذ از خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا)

۷۔ تاجدارِ ترہت، علامہ شاہ ابوالولی محمد عبدالرحمٰن محؔی قادری، پوکھریرا شریف، سیتامڑھی بہار:

"مفتیِ علام، وحید العصر، فرید الدہر، مفتیِ اسلام، مرجعِ عام، امامِ انام، بیخ کنِ مجدیاں، صف شکنِ بدمذہبیاں" (الصوارم الہندیہ، ص ۴۶)

۸۔ حضرت مولانا قاضی سیّد احمد میاں، راجستھان:

"قدوۃ العلما، زبدۃ الفقہا" (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲، ص ۱۲۴)

۹۔ حضرت مولانا اسرار الحق دہلوی، گجرات:

"افضل العلما، اکمل الکملا، آیت من آیۃ اللہ، برکت من برکۃ اللہ، مجددِ دین، نائبِ سیّد المرسلین۔" (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲، ص ۱۹۹)

۱۰۔ حضرت مولانا عبدالسلام ہمدانی، امرتسر:

"بحضور فیض گنجور، سراپا رحمتِ یزداں، رئیس العلماء والفضلاء (مقدمہ، خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا، ج ۱، ص ۱۹، از ڈاکٹر امجد رضا امجد)

۱۱۔ حضرت مولانا عبدالسلام جبل پوری:

"عالی منقبت، اعلم العلماء المتبحرین، افضل العلماء المتصدرین، سند النبلاء المدرّسین، مسند الکملاء المفتین، شیخ الاسلام و المسلمین، مجتہدِ زمانہ، فریدِ آدانہ، صاحبِ حجتِ قاہرہ، مویّدِ سنّت زاہرہ، مجددِ زمانۂ حاضرہ، بحرا لعلوم، کاشف السرو المکتوم، قبلۂ عالم، حضرت مولانا و مقتدانا و سندنا، مرشدنا، وذخرنا لیومنا وغدنا، وسلیتنا و برکتنا فی الدنیا والدین، آیۃ من آیات اللہ رب العالمین، نعمۃ اللہ علی المسلمین، تاج المحققین، سراج المفتین ذوالمقامات الفاخرہ، والکمالات الزاہرۃ الباہرہ، صدر الشریعہ، اعلیٰ حضرت، آقائے نعمت، و العلامۃ الاجل، الابجل الاکمل، حلال عقدۃ لاینحل، مقتدائے اہلِ سنّت، قبلہ و کعبہ،

www.muftiakhtarrazakhan.com

سیّدی و سندی و ثقتی و مرشدی و کنزی و ذخری لیومی وغدی، مظہرِ سر الهداية واليقين، مويّد الشريعه المحمديه، مجددِ معالم السنة السنيه، روض الانوار و البحر الاسرار، شيخ الاسلام والمفتی العلام الامام ملك العلماء الاعلام قبلتنا فی الكونين و كسبتنا فی الدارين روحی فداه لازالت الشموس افضاله طالعة و بدور جلاله لامعة، قبلتنا فی الکونین، وسلیتنا فی الدارین، سرکارِ افخم، آقائے نعم، قبلۂ حاجاتِ ما، کعبۂ ایمانِ ما، برهان الفضلاء المدققين، خير الاحقين بالمهرة، المجتهدين السابقين، مكرم كرام العرب و العجم، العلامة المعتمد المستند، قطب المكان، غوث الزمان، اعلی حضرت امامِ اہل سنّت، قبلۂ جانم، کعبۂ ایمانم، مفیض الكلمات الربانيه على حجة الله البالغة على العالمين، سيّد العلماء المتبحرين، فخر الكملاء الراسخين خير الحقة السابقين، تاج المفسرين، سراج الفقهاء و المحدثين، حجة الخلف بقية السلف، ملك العلماء الاعلام، خاتمة الائمة المحققين المدققين قطبِ ربّانی، غوثِ صمدانی، حجة الله البالغة على العالمين، مولانا الشيخ الاستاذ۔ (صحائفِ رضویہ و عرائضِ سلامیہ، ص ۲۴ تا ۶۸، ماخوذ از خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا، ج۱، ص ۴۵۴ تا ۵۰۰)

۱۲۔ ملک العلما حضرت علامہ سیّد ظفر الدین فاضل بہاری:

''بحضور اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، آقائے نعمت، دریائے رحمت، قبلہ وکعبہ'' (فتاویٰ رضویہ، لاہور، ج ۵، ص ۳۱۵ تا ۳۱۶؛ ایضاً، ج۱۰، ص ۴۵۹ تا ۴۶۰)

۱۳۔ علامۃ الدہر حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری:

''علم الہدیٰ، سمی باسمه الذی بشر بہ عیسیٰ، بزیادة لفظ معناه المرتضیٰ'' (فتاویٰ رضویہ، ج ۲۰، ص ۳۸۲)

۱۴۔ مولانا انور حسین صاحب، ریاستِ رام پور:

''بحضرتِ اقدس علامۂ محقق وفہامۂ مدقق، فاضلِ بریلوی'' (فتاویٰ رضویہ، ج۹، ص۱۶۹)

۱۵۔ حضرت مولانا آصف رضوی صاحب، کانپور:

''حامی السنۃ، ماحی البدعۃ، یا حبیب محبوب اللہ روحی فداک، قبلۂ کونین وکعبۂ دارین، محی الملۃ والدین'' (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲، ص ۴۲۲، ایضاً، ج ۶، ص ۱۵۹۔ شہنشاہ کون، ص ۱۰، بحوالۂ خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا)

۱۶۔ حضرت مولانا عتیق احمد صاحب پیلی، بھیت، یوپی:

''بحضرت اعلم العلما، افضل الفضلا، اکمل الکملا، آفتاب آسمانِ شریعت، ماہتابِ درخشانِ طریقت، نور بخشِ قلوبِ مومنین، روشن فرمائے دنیا ودیں، حاکمِ محکمِ ایماں، ماتحت حبیب الرحمٰن، فضیلت پناہ، حقیقت آگاہ، امام العلما، حامی دینِ متین واہلِ سنّت، ماحیِ ضلالت وکفر وبدعت، صاحب حجتِ قاہرہ، مجددِ مائۃ حاضرہ، آیۃ من آیات اللہ، حاج الحرمین الشریفین، مولانا و مقتدانا'' (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۰، ص ۶۷۳؛ مکتوباتِ علماو کلامِ اہلِ صفا، ص ۸۱ تا ۸۲)

www.muftiakhtarrazakhan.com

۱۷۔ حضرت مولانا محمد عبدالغفور صاحب، مدراس:

"امام العلماء المحققین، مقدام الفضلاء المدققین" (تحفۂ حنفیہ پٹنہ، شمارہ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ، ص ۵۰، ماخوذ از خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا، ج ۲، ص ۱۵۶)

۱۸۔ مولانا شاہ ابوالرجا غلام رسول قادری، صدر جمعیۃ الاحناف، کراچی:

"جنابِ تقدس مآب، مجمعِ مکارمِ اخلاق، منبعِ محاسنِ اشفاق، سراپا اخلاقِ نبوی، مظہرِ اسرارِ مصطفوی، سلطان العلماء اہلِ سنت، برہان الفضلاء الملۃ، قدوۂ شیوخ الزمان، مولانا المخدوم، بحرالعلوم، اعلیٰ حضرت، امام الشریعۃ والطریقۃ، مجددِ مائۃ حاضرہ" (فتاویٰ رضویہ، ج ۸، ص ۴۴۳ تا ۴۴۴)

۱۹۔ حضرت مولانا شاہ گیلانی، شمس آباد، پاکستان:

"حضرت مجدد المائۃ الحاضرۃ الفاضل البریلوی، غوث الانام، مجمع العلم والحلم والاحترام، امام العلماء، مقدام الفضلا، لازوال بالافادۃ والافاضۃ والعزم والاکرام (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲، ص ۳۴۳)

۲۰۔ حضرت مولانا شاہ کریم رضا قادری گیا:

"تابعِ شریعت، غرمنقاد ملتِ بیضا، جامعِ فضائلِ صوریہ و معنویہ، قدوۃ العلماء الاعلام، عمدۃ الفضلاء الکرام، ماحیِ بدعت، حامیِ سنت، راس العلما، تاج الفضلا" (تحفۂ حنفیہ، پٹنہ شمارہ محرم الحرام ۱۳۱۷ھ، ص ۳۴؛ فتاویٰ رضویہ، ج ۹، ص ۲۶۹ تا ۲۷۰)" ناصرِ ملتِ مصطفویہ، حامیِ مذہبِ حنفیہ، عالمِ اہلِ سنت، دافع و ماحیِ شرک و بدعت، ناصر الاسلام والمسلمین، حامیِ شرعِ متین، اعلیٰ حضرت، جناب مولانا و مخدومنا، قبلہ و کعبہ، فخرِ علماء دوراں، محسودِ زمانیاں، قامع الشرکۃ والبدعۃ، ملک العلما، بحرالعلوم، محی السنہ، ممیت البدعۃ، محسودِ اقراں، فاضلِ لبیب، کاملِ اریب، فخر العلما، صدر الکبرا، مولانا و مقتدانا، سیّدی و مقتدی، مخدومی و مولائی" (مکتوباتِ علما و کلامِ اہلِ صفا، ص ۷۰، ماخوذ از خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا، ج ۲، ص ۴۸)

۲۱۔ حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی، پیلی بھیت:

"امام الدہر وہمام العصر، عالمِ ربانی و فاضلِ حقانی، بحرالعلوم، مولانا، سیدنا، امام المتکلمین وہمام المحدثین، خیر اللحقہ بالمہرۃ السابقین" (مکتوباتِ علما و اہلِ صفا: ۱۰۷ تا ۱۰۸)

۲۲۔ مولوی محمد علی مونگیری ناظمِ ندوہ:

"مجمع الکمالات والفضائل، ذوالکمالات العلیہ" (مراسلت سنت و ندوہ، ص ۳ تا ۵، بحوالہ مقدمہ خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا، ج ۱، ص ۹۳، از ڈاکٹر امجد رضا امجد)

۲۳۔ شیخ سیّد اسمٰعیل خلیل، محافظ کتب حرم، مکۃ المکرمہ:

"افاضل علما کے بھروسہ، اماثل فقہا کے پیشوا، بالتخصیص جملہ محدثین کے استاذ، ساتوں طبقوں میں محققین کے سردار، میرے آقا، سیّد، بھروسہ با اعتماد استاذ، جائے پناہ، آج دنیا میں، کل حشر میں میرے لئے ذخیرہ، سیّدی المولوی، حضرت جناب، سیّدی خاتمۃ الفقہاء والمحدثین" (الاجازۃ المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ، بریلی، ص ۱۰۷ تا ۱۰۸، الدولۃ المکیۃ، لاہور، ص ۱۵۵ تا ۱۵۶)

www.muftiakhtarrazakhan.com

۲۴۔ شیخ عبدالقادر کردی المکی:

"حضرت مولانا، فاضل، فضیلت والوں کے پیشوا، سیّدی" (الاجازۃ المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ، ص ۱۰۵)

۲۵۔ جلیل القدر حضرت علامہ سیّد مامون المدنی:

"وہ استاذ ہیں، یکتائے علامہ ہیں، جائے پناہ، بہت سمجھدار اور تیز فہم ہیں، جن کا قلم جادوں کی طرح فریفتہ کرتا ہے، جن کی باتوں کا لطف نسیمِ سحر پر فوقیت رکھتا ہے، وہ ایسے کمالاتِ عالیہ کے مالک ہیں کہ ہم ان کی کنہ کا تصوّر نہ بذریعہ رسم کر سکتے ہیں، نہ بذریعہ حد، وہ اس لائق ہیں کہ کہا جائے کہ ان جیسا فی زمانہ کوئی نہیں کیوں کہ ان کا فضل و کمال اس آگ سے زیادہ مشہور ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر جلائی جاتی ہے، حضرت جنابِ مکرم، محترم، یگانۂ اقران۔" (الاجازۃ المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ، ص ۱۱۳ تا ۱۱۵)

۲۶۔ حضرت سیّد شاہ احمد علوی الوجیہی گجرات:

"مجمع البرکات، حامیٔ شرعِ مبین، مولانا و اولٰنا مولوی۔" (فتاوٰی رضویہ، ج ۵، ۳۹۰ تا ۳۹۱)

۲۷۔ مولوی مرزا محمد اسمٰعیل بیگ، چھتیس گڈھ:

"سر آمد علمائے متکلمین، سر کملا دین، جنیدِ عصر، شبلیٔ دہر، حامیٔ شریعت، ماحیٔ بدعت، مجددِ مأتہ حاضرہ، مؤیدِ ملتِ طاہرہ" (فتاوٰی رضویہ، ج ۱۴ ص ۴۱۴)

۲۸۔ مولانا اکرام الدین بخاری، خطیب و امام مسجدِ وزیر خاں، لاہور:

"جنابِ مستطاب، محمدت مآب، قدوۃ الابرار و اسوۃ الاخیار، زین الصالحین و زبدۃ العارفین، علامۃ العصر و فرید الدہر، عالمِ اہل السنۃ، مجددِ مأتہ حاضرہ، استاذِ زمان و مقتدائے جہاں، لازوال نتیجۂ خاطرہ، درۃ تاج الفیضان، ثمرۂ شجر بضمیرہ باکورات بستان العرفان۔" (فتاوٰی رضویہ، ج ۱۱ ص ۴۸۸)

۲۹۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب، بنارس:

"عالمِ سنّت و اہلِ سنّت، ناصرِ ملّت، علامۂ زماں، محققِ دوراں، رأس العلماء، رئیس الفضلا" (فتاوٰی رضویہ، ج ۹، ص ۵۷۲ تا ۵۷۳)

۳۰۔ حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ نقشبندی، رام پور:

عالی مرتبت والا شان، سمو المکافۃ والمکان" (سلامۃ اللہ لاہل السنۃ لدفع اہل الفتنۃ، ص ۵۷؛ دبدبۂ سکندری، رام پور، یکم جون ۱۹۱۴ء، ص ۱۳ تا ۱۴، ماخوذ از خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا، ج ۱، ص ۳۶۷)

۳۱۔ حضرت مولانا خلیل الرحمٰن، پکی باغ، بنارس:

"معدنِ عالمِ صوری و مخزنِ اسرارِ معنوی، حضرت مولانا حافظ" (فتاوٰی رضویہ، ج ۹، ص ۵۳۳)

۳۲۔ پروفیسر حاکم علی نقشبندی، مجددی، لاہور:

"آقائے نامدار، مؤیدِ ملّتِ طاہرہ، مولانا بالفضل اولانا" (فتاوٰی رضویہ، ج ۱۴، ص ۴۱۹)

۳۳۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب، الہ آباد:

www.muftiakhtarrazakhan.com

"سامی منزلت، جامع الکمالات العلمیۃ والعملیۃ، حاوی الفنون الاصلیۃ والفرعیۃ، مخدوم المعظّم، مطاعی المفخم، نیاز کیشان، سیّدی و مولائی" (مکتوبات علماو کلام اہل صفا، ص ۷۷)

۳۴۔ حضرت مولانا چودھری عبدالحمید، سہارن پور:

"اعلیٰ حضرت، عظیم المرتبت، مجدد مأتہ حاضرہ، مؤید ملّت ظاہرہ" (فتاوٰی رضویہ مع ترجمہ وتخریج، ج ۱۲، ص ۱۸۰ تا ۱۸۲)

۳۵۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب، احمد آباد:

"حضرت مولانا العلام والبحر القمقام، حامی السنہ، قامع البدعہ، بقیۃ السلف حجۃ الخلف" (فتاوٰی رضویہ، ج ۱۲، ص ۱۳۱)

۳۶۔ حضرت مولانا عبداللطیف، کاٹھیاوار:

"زبدۃ العارفین، قدوۃ السالکین، بحر العلوم ظاہری وباطنی۔" (مکتوبات علماو کلام اہل صفا، ص ۶۶)

۳۷۔ حضرت مولانا الٰہی بخش صاحب:

"قبلۂ شفقت ومرحمت وکعبۂ عاطفت ورافت، واسطۂ حصول عزّت دوجہاں، وسیلۂ وصول سعادت جاوداں ابداللہ فضالھم ونوالھم، دامت شموس عنایاتھم، اباز غہ ناصیہ، فدویت واردات رابفازہ، مفاخرت وسعادت، مانند گل رنگین ساختہ، بگزارش مدعا پرداختہ" (فتاوٰی رضویہ، ج ۹، ص ۴۰۸)

۳۸۔ مولانا محمد عبدالباقی برہان الحق جبل پوری:

"اعلیٰ حضرت، امام اہل سنّت، مجدد مأتہ حاضرہ، بحر العلوم، علامہ، محقق بریلوی" (الدلآئل القاہرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ، ص ۱۶، رضا اکیڈمی، ممبئی)

۳۹۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل، محمود آباد:

"امام اہل سنّت، مجدد مأتہ حاضرہ، مؤید ملّت طاہرہ" (الدلآئل القاہرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ، ص ۳۳)

۴۰۔ حضرت مولانا ابوسراج عبدالحق رضوی:

"حضرت عظیم البرکت، عالم اہل سنّت، قامع بدعت و محی سنّت، مولانا و بالفضل اولانا المولوی" (الدلآئل القاہرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ، ص ۴۰)

۴۱۔ حضرت مولانا مفتی محمد ریاست علی، شاہجہاں پور:

"عالم اکمل، فاضل اجل، حامی دین غرا، مولانا ومولوی" (الدلآئل القاہرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ، ص ۴۲)

۴۲۔ مولانا محمد شفاعت الرسول حنفی قادری، رام پور:

"اعلیٰ حضرت، مجدد دین وملت، قامع شرک وبدعت، مجدد مأتہ حاضرہ مؤید ملّت طاہرہ امام اہل سنّت" (الدلآئل القاہرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ، ص ۴۴)

۴۳۔ مولانا شاہ حکیم ابوالعلا عبداللہ، گورکھ پور:

"مولانا المعظم ومخدومنا المکرم، حامی دین متین، ماحی کفر ومبتدعین" (مکتوبات علماو کلام اہل صفا، ص ۶۶)

www.muftiakhtarrazakhan.com

۴۴۔ حضرت مولانا عبدالمجید صاحب:

"فیض درجت، مجمع الفضائل، منبع الفواضل، کاشفِ دقائقِ شرعیہ، واقفِ حقائقِ عقلیہ و نقلیہ، محی السنۃ النبویۃ، معراج الاحادیث المصطفویۃ، صاحب التحقیقات الرائقۃ، زبدۃ السعادات الفائقۃ (فتاوی رضویہ، ج ۱۳، ص ۱۵۵ تا ۱۵۶)

۴۵۔ حضرت مولانا سیّد غلام امام صاحب، بدایوں:

"سرِّ جمیلِ اہلِ فضل و کمال و مسلم الشرف والعلا، ابقاھم اللہ دائم البقا" (فتاوی رضویہ، ج ۶، ص ۲۰۳)

۴۶۔ حضرت مولانا سیّد غلام محمد صاحب قادری:

"امام المحققین، مقدام الفضلاء المدققین، حضرت سیّدنا و مخدومنا و مولانا و مولوی و حاجی و قاری" (فتاوی رضویہ، ج ۸، ص ۴۶۴ تا ۴۶۵)

۴۷۔ مولانا ابوالمنظور محمد غوث بخش، ریاستِ بہاول پور:

"اسمِ درجت، مدراء سجال العلوم علی العموم، حضرت مولانا مخدومنا، قبلہ آمال و آمالِ اخیار عباد اللہ المتعال" (فتاوی رضویہ، ج ۱۹، ص ۳۷۰ تا ۳۷۱)

۴۸۔ مولانا فضل الرحمٰن، امام جامع مسجد فیروز پور، پنجاب:

"حضرت مولانا و بالفضل والکمال اولانا، مظہرِ علوم دینی و مصدرِ فیوض دنیوی، مخدوم و مکرم و معظم" (فتاوی رضویہ، ج ۶، ص ۶۴۸ و ج ۱۱، ص ۱۲۱)

۴۹۔ مولانا فضل حق چشتی ملتانی، شاہ پور پنجاب:

"سلطان العلماء المتبحرین، برھان الفضلاء و المتصدرین، کنز الھدایہ والیقین، شیخ الاسلام والمسلمین، مولانا، مفتی العلامہ" (فتاوی رضویہ، ج ۸، ص ۱۲۳)

۵۰۔ حضرت مولانا شاہ کرامت اللہ صاحب دہلوی:

"مولانا مخدوم و مکرم، جامعِ کمالاتِ ظاہریہ و باطنیہ، مولانا و مولوی" (مکتوباتِ علما و کلام اہلِ صفا، ص ۸۶ تا ۸۷)

۵۱۔ حضرت مولانا محمد کریم اللہ خاں صاحب، رام پور:

"مولانا و مکرمنا و معظمنا، مولوی" (مکتوباتِ علما و کلام اہلِ صفا، ص ۸۷ تا ۸۸)

۵۲۔ مولانا شیخ لعل نور عالم صاحب گوجرانوالہ:

"حامیِ سنّت، قامعِ بدعت، عالمِ اہلِ سنّت و جماعت، مرجعِ علما و فضلا" (فتاوی رضویہ، ج ۱۶، ص ۴۳۱ تا ۴۳۲)

۵۳۔ حضرت علامہ سیّد حیدر شاہ قادری بھیڑ والہ:

"مجدد مأۃ حاضرہ، صاحبِ حجتِ قاہرہ، امام الحنفیہ، شیخ الاسلام، بحر العلوم، علامۂ

www.muftiakhtarrazakhan.com

ذخار (الصوارم الہندیہ، ص ۵۶، راجستھان)

۵۴۔ مولانا ابوالفیض محمد عبدالاحد حنفی رضوی ابنِ محدث سورتی:

"امام العلما، سیّد الاولیا، وارثِ سیّد الرسول، نائبِ خاتم الانبیا علیہم الصلاۃ والسلام اعلیٰ حضرت، عظیم البرکۃ والملۃ والشریعۃ والطریقۃ، محی الاسلام والدین، مجددِ مأتہ حاضرہ، عالمِ دین وسنّت، امامِ اہلِ سنّت مولانا، مولوی، حاجی، قاری، مفتی" (الصوارم الہندیہ، ص ۴۷، راجستھان)

۵۵۔ حضرت مولانا سیّد میاں صاحب قادری کھیڑہ:

"حضورِ پُرنُور، امامِ اہلِ سنّت، مجددِ دین وملّت، اعلیٰ حضرت، مولانا، مولوی، حافظ، قاری، مفتی" (الصوارم الہندیہ، ص ۷۶، راجستھان)

۵۶۔ حضرت مولانا امام الدین رضوی:

"اعلیٰ حضرت، عالمِ اہلِ سنّت، ناظمِ ملّت، مفتیِ شریعت، حامیِ طریقت، صاحبِ حجتِ قاہرہ، مؤیدِ ملّتِ زاہرہ، مجددِ مأتہ حاضرہ مولانا مولوی" (اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور علمائے کوٹلی لوہاراں، ص ۳۰)

۵۷۔ حضرت مولانا ضیاء الدین قادری:

"سیدی، سندی، مخدومی، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امامِ اہلِ سنّت، مجددِ دین وملّت، علامہ، حافظ، شاہ" (اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور علمائے کوٹلی لوہاراں، ص ۴۳)

۵۸۔ مولانا محمد ادریس صاحب لکھنو:

"جامع الفضائل، فخر العلما، صدر الحکما، نیرِ اوجِ فضائل، مولانا" (مکتوباتِ علما وکلامِ اہلِ صفا، ص ۶ تا ۷)

۵۹۔ حضرت مولانا عبدالوہاب، کانپور:

"جامع المعقول والمنقول، واقف الفروع الاصول" (فتاویٰ رضویہ، ج ۹، ص ۲۳۹)

۶۰۔ حضرت مولانا محمد اللہ دین یارخان، مہاراشٹر:

"فیض مآب، حاوی المعقول والمنقول، کاشف دقائق فرع واصول" (فتاویٰ رضویہ، ج ۳، ص ۶ تا ۷)

۶۱۔ حضرت مولانا کریم اللہ خان صاحب رام پور:

"مولانا ومکرّمنا ومعظّمنا ومفخمنا" (مکتوباتِ علما وکلامِ اہلِ صفا، ص ۸۷ تا ۸۸)

۶۲۔ حضرت مولانا محمد مظہر حسین صاحب سنبھل:

"حامی سنّت وجماعت، ماحی بدعت وضلالت، ذوالمجد والایقان" (مکتوباتِ علما وکلامِ اہلِ صفا، ص ۹۶)

۶۳۔ حضرت مولانا مفتی نذیر احمد خاں احمد آباد:

"عالی مرتبت، قاطعِ بنیانِ ملحدین، قامعِ اساسِ مبتدعین، جامعِ کمالاتِ علمیہ وعملیہ، حاویِ علومِ اصولیہ وفروعیہ" (مکتوباتِ علما و

www.muftiakhtarrazakhan.com

کلامِ اہلِ صفا، ص ۱۰۳)

۶۴۔　حضرت شمس العلما مولانا محمد نعیم الدین لکھنوی۔

''عزیزِ جسم و جاں، فضائل و شمائلِ نشاں'' (فتاویٰ السنۃ لالجام الفتنۃ، طبع بریلی، ص ۵۰ تا ۵۱، ماخوذ از خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا، ج ۲، ص ۴۲۵)

۶۵۔　مولانا شاہ عبد اللہ صاحب، زیبِ سجادہ دربارِ عالیہ بھرچونڈی شریف:

''تاج الفقہا، سراج العلماء المدققین، حامی السنۃ والدین، غیاث الاسلام والمسلمین، مجددِ مأتہ حاضرہ (فتاویٰ رضویہ، ج ۹، ص ۵۷۹)

۶۶۔　مولانا شاہ عبد الخالق صاحب، مدرّس مدرسۂ محمدیہ، حیدر آباد:

''حضرت مولانا العلام الحبر حامی السنہ، قامع البدعہ بقیۃ السلف، حجۃ الخلف (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲، ص ۱۳۱)

۶۷۔　مولانا قاضی عبد الوحید صاحب فردوسی، عظیم آباد پٹنہ:

''عالمِ اہلِ سنّت، دافع و ماحیِ رسوم شرک و بدعت، ناصر الاسلام والمسلمین، حامیِ شرعِ متین، فخر العلماء والفضلاء، محسودِ زمانیاں، مولانا، مخدومنا، قبلہ وکعبہ'' (مکتوباتِ علما وکلامِ اہلِ صفا، ص ۶۹)

۶۸۔　مولانا شاہ عبد الغفار قادری حنفی، بنگلور:

''جامعِ معقول ومنقول، حاویِ فروع واصول، جامعِ شریعت وطریقت، واقفِ حقیقت ومعرفت، مخدومنا، مولانا ومولیٰ''
(تحفۂ حنفیہ، شمارہ ماہِ شعبان ۱۳۲۱ھ ماخوذ از خطوطِ مشاہیر، بنام امام احمد رضا، ج ۲، ص ۶۱ تا ۶۲)

۶۹۔　حضرت مولانا عبد السمیع صاحب میرٹھی:

''مخدوم و مکرم، ناصر الاسلام، سراپا رحمت، مؤیّدِ عقائد ملفسا (مکتوباتِ علما وکلامِ اہلِ صفا، ص ۳۱)

۷۰۔　حضرت مفتی عمر الدین صاحب ممبئی:

''حضرت مولانا المعظّم، ذی الفضل الاعظم، حامی دین مبیں۔ (مکتوباتِ علما وکلامِ اہلِ صفا، ص ۸۳)

۷۱۔　حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب کاٹھیاوار:

''زبدۃ العارفین، قدوۃ السالکین، بحر العلوم ظاہری و باطنی۔ (ہفت روزہ، دبدبۂ سکندری، رام پور، ۲۰ جولائی ۱۹۱۴ء، بحوالہ خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا)

۷۲۔　حضرت مولانا سیّد اسماعیل شاہ جی میاں، مارہرۂ مطہرہ:

''صدر الاماثل، مجمع الفضائل والفواضل، مدقق دقائقِ شریعت و محقق حقائقِ طریقت، افضل العلما، اجل الفضلا (مفاوضۂ طیبہ، ص ۴۰)

مذکورۂ بالا سطور کے مطالعہ کے بعد یقیناً آپ اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ امامِ اہلِ سنّت، مجددِ دین وملّت اعلیٰ حضرت

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا نہ صرف علم وفن کے تاجور تھے بلکہ اہلِ علم وفن کے مرجع ومرکز بھی تھے۔ آپ کے ہم عصر علما ومشائخ نے جن القابات وآداب سے آپ کا تذکرہ کیا ہے اس سے آپ کی ہمہ گیر عظمت ورفعت کا بخوبی پتا چلتا ہے۔ اس حقیقت کو عقیدت کیشی اور مبالغہ آرائی کے خانے میں ڈال کر سچائی کا خون ہرگز نہیں کیا جا سکتا اور جو لوگ اس بات پر بضد ہیں انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ مجھے سخت حیرت ہے ان جدیدیت کے متوالوں پر جو وقتی شہرت ورفعت کی حرص میں اپنے بزرگوں کے دامنِ حرمت کو داغ دار کر کے ہی اپنی خود ساختہ عزّت ورفعت کا شیش محل بنانے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ انہیں ہدایت دے۔ آمین!

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور داڑھی کی شرعی حد

از: سید اولادرسول قدسی مصباحی

نیویارک، امریکہ

یہ حقیقت کوہ گراں کی طرح اٹل ہے کہ برصغیر میں احقاق حق اور ابطال باطل کی جو درخشانی نظر آتی ہے یہ مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ والرضوان کی بے لوث، اور نا قابل فراموش قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ آپ نے آخری سانس تک اپنے ناموس کی پرواہ کیے بغیر ناموس مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت وصیانت میں جہاں کوئی کسر باقی نہیں رکھی، وہیں گوناگوں مسائل کی تنقیح وتوضیح میں بھی دلائل وبراہین کے انبار لگادئے۔ معترض کے ہر جملے کا ایسا دندان شکن جواب دیا کہ اس کا ہر وار بے کار ہوکر رہ گیا۔ آپ نے کئی سوالوں کے جوابات میں چند صفحات نہیں بلکہ پورا کا پورا رسالہ قلم بند فرمایا۔ ان رسائل کو فتاویٰ رضویہ کی جلدوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ آج کی کیا تخصیص؟ صبح قیامت تک آپ کی خدمات بھلائی نہیں جاسکتیں۔ اس حقیقت سے انکار وہی کرے گا جس کا ذہنی توازن یا تو برقرار نہ ہو یا وہ عملی میدان میں قلاش ہو، یا پھر اس کے سینے میں حسد وتعصب کی گہری کائی جمی ہو۔ سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے عہد زریں سے لے کر ماضی قریب تک تمام اہل حق، مستند ومعتبر بزرگوں نے نہ صرف یہ کہ آپ کے احسانات کا بصمیم قلب اعتراف کیا، بلکہ آپ کے نقوش قدم پر چلنا اپنے لیے مایۂ افتخار اور بقائے ایمان کا ضامن سمجھا۔ اپنے متوسلین ومعتقدین کا تادم حیات مسلک اعلیٰ حضرت پر سختی سے گامزن رہنے کی تلقین فرمائی اور اس بات کا بھی برملا اعلان واظہار کیا کہ جس مسئلہ میں سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی تحقیق انھیں مل جائے اس پر سر تسلیم خم کردیا جائے۔

اگر کوئی بدعقیدہ یا بدمذہب آپ کی ذات، مسلک یا آپ کی تحقیق پر شب خون مارنے کی لاحاصل کوشش کرے تو کوئی حیرت واستعجاب کی بات نہیں، لیکن یہاں المیہ یہ ہے کہ آج اس محاذ میں وہ لوگ نظر آرہے ہیں۔ جو اپنے آپ کو سنت کی کشتی کا سب سے بڑا ناخدا سمجھ رہے ہیں۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ جب بھی کسی نے ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھانے'' کا روپ دھارا یا بہ لفظ دیگر اپنوں میں رہ کر نفاق کا بیج بویا تو اسے ہمارے اسلاف نے کبھی نہیں بخشا۔ اس کا ہر ممکن تعاقب کرکے اس کے ناپاک حربوں کو چاروں شانے چت کردیا۔ ہمارے اسلاف نے ایسے شر وفساد پھیلانے والوں کو کیفر کردار تک پہنچانے اور اسے اس کی علمی اوقات دکھانے میں یہ نہیں دیکھا کہ سامنے والا اپنا ہے یا غیر، صاحب علم ہے یا اہل قلم، صاحب جبہ ودستار ہے یا نمائشی تقویٰ شعار، جماعت کا نام نہاد پیشوا ہے یا روحانیت کا ٹھیکدار۔

کئی سالوں سے ہندو پاک کے کچھ مولویوں نے ایک مشت داڑھی کے وجوب کو متنازع فیہ بنا رکھا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے دور میں بھی جب کبھی اس سلسلے میں یہ آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور اقوال

www.muftiakhtarrazakhan.com

فقہا کی غلط سلط تعبیریں کی گئیں، تو آپ کا قلم خاموش نہ رہا، بلکہ آپ نے مخالف کے اقوال کاسدہ اور دلائل فاسدہ کا رد بلیغ فرمایا۔ چناں چہ ۱۳۱۰ھ میں آپ نے ''لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ'' نامی ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا: جس میں آپ نے دلائل باھرہ سے ثابت فرمایا کہ ایک مشت داڑھی مستحب وسنت نہیں، بلکہ واجب ہے۔ اگر ہم اس سلسلے میں غور کریں تو قرآن مقدس کے سورۂ طٰہٰ کی چورانویں آیت سے بھی ایک مشت داڑھی کا وجوب اشارۃ النص سے ثابت ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قال یبنوم لا تاخذ بلحیتی ولا برأسی انی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرائیل ولم ترقب قولی۔ (سورۂ طٰہٰ: ۹۴)

کہا: اے میرے ماں جائے! نہ میری داڑھی پکڑو اور نہ میرے سر کے بال۔ مجھے یہ ڈر ہوا کہ تم کہو گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور تم نے میری بات کا انتظار نہ کیا۔

مذکورہ آیت میں داڑھی پکڑنے کا ذکر ہے۔ یہ چنداں بتانے کی ضرورت نہیں کہ داڑھی اس وقت پکڑی جاسکتی ہے جب کہ کم از کم چار انگل ہو۔ اور ایک مشت داڑھی چار انگل پر ہی ہوتی ہے۔ سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فتاویٰ رضویہ میں ''لا تاخذ بلحیتی'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہاں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ آیت کریمہ میں ''لحیہ'' کا فقط ذکر ہی نہیں، بلکہ داڑھی بڑھانے کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی انبیاء کرام بالخصوص ان اٹھارہ رسولوں میں ہیں جن کا نام پاک اس رکوع میں بالتصریح ذکر فرما کر ان کی اقتداء کا حکم ہوا: قال سبحٰنہ:

''ومن ذریته داؤد وسلیمٰن وایوب ویوسف وموسیٰ وھرون وکذالك نجزی المحسنین۔ یعنی پاک پروردگار نے ارشاد فرمایا اور ان کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون علیہم السلام ہوتے ہیں اور ہم یوں ہی نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔''

''اولئك الذین ھدی الله فبھدیھم اقتدہ۔ یعنی یہ انبیاء وہ ہیں جنھیں اللہ عزوجل نے راہ دکھائی تو تو انھیں کی راہ کی پیروی کر۔

علاوہ ازیں جہاں تک رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی داڑھی شریف کا معاملہ ہے اس سلسلے میں سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے جامع الترمذی۔ باب ماجاء فی الاخذ من اللحیۃ'' سے حدیث نقل فرمائی:

''ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان یاخذ من لحیته من عرضها وطولها۔ یعنی حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی داڑھی مبارک کے بال عرض وطول سے لیتے تھے۔''

اس نقل حدیث کے بعد آپ لکھتے ہیں:

''کہ علما فرماتے ہیں یہ اس وقت ہوتا تھا جب ریش اقدس ایک مشت سے تجاوز فرماتی بلکہ بعض نے یہ قید نفس حدیث میں ذکر کی کما نقل عن التنویر والمفاتیح والغرائب۔

حدیث مذکورہ کی تائید میں آپ نے ''مرقاۃ المفاتیح'' کی مندرجہ ذیل یہ عبارت بھی پیش فرمائی:

''قیل الحدیث فی شرح الشرعة بقوله اذازاد علی قدر القبضة وجعله فی التنویر من نفس الحدیث وزاد فی الشرعة وکان یفعل ذالك فی الخمیس او الجمعة ولا یترکه مدة طویلة۔ یعنی حدیث

www.muftiakhtarrazakhan.com

میں ''قیدالشرعۃ'' کی شرح میں یہ قول سے مذکور ہے، جب حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم داڑھی مبارک کے بال قدر مشت سے زائد ہو جاتے تو آپ زائد بالوں کو کتروا دیتے تھے اور تنویر میں قید مذکور کو نفس حدیث قرار دیا گیا ہے۔ اور الشرعۃ میں اتنا اضافہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بروز جمعہ یا جمعرات کو ایسا کرتے تھے اور زیادہ عرصہ نہیں چھوڑتے تھے۔''

واضح رہے کہ حضرت قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مایۂ ناز تصنیف ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفےٰ'' کے ضمن میں تحریر فرمایا ''کثر اللحیۃ تملؤ صدرہ۔'' یعنی سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک گنجان تھی جو سینۂ مبارک پہ چھائی ہوئی ہوتی تھی۔

بعض حضرات ایک مشت داڑھی ناپنے میں بھی جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ جاتے ہیں کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ داڑھی ایک مشت ہونی چاہیے تو پھر اس کی مقدار لب زیریں کے نیچے سے کہ ہاتھ رکھ کر چار انگل ناپی جائے گی۔ اس سلسلے میں سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے دلائل کے ذریعہ جہاں یہ فرمایا کہ مقدار ٹھوڑی کے نیچے سے لی جائے گی وہیں یہ بھی فرمایا کہ ''وہ جو بعض بے باک جہال لب زیریں کے نیچے سے ہاتھ رکھ کر چار انگل ناپتے ہیں کہ ٹھوڑی سے نیچے ایک ہی انگل رہے یہ محض جہالت اور شرع مطہر میں بے باکی ہے''۔

سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فتاویٰ رضویہ شریف (مترجم) جلد ۳، ص: ۵۷۱، میں داڑھی سے متعلق سوال پر کہ ''داڑھی کتروانا اور منڈانا اور چڑھانا جائز ہے یا نہیں'' فرماتے ہیں کہ:

''داڑھی حد مقدار شرع سے کم نہ کرانا واجب اور حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت دائمی اور اہل اسلام کے شعائر سے ہے اور اس کا خلاف ممنوع و حرام اور کفار کا شعار۔''

پھر اس کے بعد آپ نے صحیح المسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ کی ایک بہت ہی اہم حدیث پیش فرمائی:

''عشر من الفطرۃ قص الشارب واعفاء اللحیۃ رواہ المسلم۔ یعنی دس چیزیں سنت قدیمہ انبیاے عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہیں، ان میں سے مونچھیں کم کرنا اور داڑھی بڑھانا۔''

داڑھی کی حد شرع سے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بحوالہ اشعۃ اللمعات، کتاب الطہارۃ باب السواک ملاحظہ فرمائیں:

''حلق کردن لحیہ حرام است و روش افرنج وہنود وجوالقیان کہ ایشاں را قلندریہ نیز گویند، وگزاشتن آں بقدر قبضہ واجب است وآں کہ آنرا سنت گویند بمعنی طریقۂ مسلوک در دین ست یا بجہت آنکہ ثبوت آں بہ سنت است۔ داڑھی مونڈھنا حرام ہے اور یہ ہندوؤں اور جوالقیوں کا طریقہ ہے جو قلندریہ بھی کہلاتے ہیں اور داڑھی بمقدار ایک مٹھی چھوڑنا واجب ہے اور داڑھی کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ یہ سنت ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ دین میں ایک جاری طریقہ ہے یا یہ وجہ ہے کہ اس کا ثبوت سنت سے ہے جیسا کہ نماز عید کو سنت کہتے ہیں۔''

مذکورہ ''باب السواک'' میں حضرت محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ داڑھی کی حد شرع کے تناظر میں مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

www.muftiakhtarrazakhan.com

"مشہور قدر مشت ست چنانچہ کمتر ازیں نباید واگر زیادہ بر آں بگزارد و نیز جائز ست بشرطیکہ از حد اعتدال نگزرد"۔ یعنی مشہور مقدار ایک مشت ہے پس اس مقدار سے کم نہیں ہونی چاہیے اور اگر اس سے زیادہ چھوڑے تو بھی جائز ہے بشرطیکہ حد اعتدال سے نہ بڑھ جائے۔"

سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے ایک مشت داڑھی کے وجوب کے اثبات میں جہاں ابوداؤد، نسائی مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ کی حدیثیں پیش کیں جن میں مندرج ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی داڑھی مٹھی میں لے کر زائد بالوں کو کاٹ ڈالا کرتے تھے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی داڑھی کو اپنی مٹھی میں پکڑ کر مٹھی سے زائد حصہ کو کتر ڈالتے تھے، وہیں کتاب الآثار باب خف الشعر من الوجہ، میں مرقوم مندرجہ ذیل عبارت بھی پیش کی:

"اخبرنا ابو حنیفة عن الھیثم عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ کان یفیض علی لحیتہ ثم یقص ما تحت القبضة۔ یعنی ہم سے امام ابوحنیفہ نے ارشاد فرمایا ان سے ابوالھیثم نے ان سے حضرت عبداللہ بن عمر نے کی حضرت عبداللہ اپنی داڑھی مٹھی میں پکڑ کر زائد حصہ کتر ڈالتے تھے۔"

مذکورہ بالا روایت کے متعلق حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ لہ نا خذ وھو قول ابی حنیفة۔ یعنی ہم اسی کو لیتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے۔ علاوہ ازیں فقہ کی مختلف معتبر و مستند اور مشہور زمانہ کتابوں میں بھی واضح طور پر لکھا ہے کہ ایک مشت داڑھی واجب ہے۔ درمختار میں ہے "السنة لہ القبضة" یعنی ایک مشت داڑھی واجب ہے۔ لفظ سنت سے مغالطہ میں نہ پڑیں کیوں کہ ہم نے اس سے پہلے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی تشریح پیش کر دی ہے کہ یہاں سنت سے مراد طریقہ مسلوک ہے جو وجوب کے منافی نہیں۔

اسی طرح طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۴۱۱ پر بھی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"واللفظ للطحطاوی الاخذ من اللحیة وھو دون ذالك (ای بقدر المسنون) وھو القبضة کما یفعلہ المغاربة ومخنثة الرجال لم یبحہ احد واخذ کلھا فعل کھنود الھند ومجوس الاعاجم۔ یعنی داڑھی جب کہ ایک مشت سے کم ہو تو اس کا کاٹنا جیسا کہ بعض مغربی اور مخنث کرتے ہیں کسی کے نزدیک جائز نہیں اور کل داڑھی کا صفایا کرنا یہ کام تو ہندوستان کے ہندوؤں اور ایران کے مجوسیوں کا ہے۔"

اگر کتب احادیث وفقہ کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو داڑھی کے ایک مشت واجب ہونے پر کوئی اختلاف نہیں، بلکہ اختلاف اس پر ہے کہ ایک مشت کے بعد داڑھی کے زائد بال کو کاٹنا واجب ہے یا نہیں۔

اس سلسلے میں مختلف اقوال موجود ہیں۔ ان میں سب سے اہم درمختار کتاب الصوم باب ما یفسد الصوم، کی عبارت ذیل میں پیش کرتا ہوں جسے سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے فتاویٰ رضویہ میں تحریر فرمایا ہے:

"صرح فی النہار بوجوب قطع ما زاد علی القبضة بالضم ومقتضاہ الاثم بترکہ الا ان یحمل الوجوب علی الثبوت۔ یعنی نہایہ میں تصریح کی گئی ہے کہ داڑھی کے جو بال مقدار مشت سے زیادہ ہوں، انھیں کتر ڈالنا واجب ہے۔ "القبضة" میں "ق" پیش کے ساتھ ہے اس کا مقتضا یہ ہے اس کا ترک یعنی ایسا نہ کرنا گناہ ہے مگر یہ کہ یہاں وجوب سے ثبوت مراد لیا جائے۔"

www.muftiakhtarrazakhan.com

ایک مشت داڑھی سے زائد بال کو کاٹنا سنت ہے اس کی بھی ذیل میں اختبار شرح مختار کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:
"اَلتَّقْصِيْرُ فِيهَا سنة وهو ان يقبض. یعنی ایک مٹھی بھر داڑھی سے زائد بالوں کا کتر دینا سنت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر زائد حصہ کو کتر ڈالا جائے۔"

ستم بالائے ستم یہ کہ بعض مولویوں نے ایک مشت داڑھی سے زائد بال سے متعلق سنت و واجب کے اختلاف کو نظر انداز کر دیا اور ایک مشت داڑھی جو واجب ہے اس کا انکار کر دیا۔ سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز ایک مشت داڑھی کے وجوب سے متعلق بہت سارے دلائل پیش کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"بالجملہ ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا حاصل مسلک یہ ہے کہ ایک مشت تک داڑھی کا بڑھانا واجب ہے اور اس سے زائد رکھنا افضل اور اس کا ترشوانا سنت ہے۔"

سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے دور میں بھی بعض مولوی آیات قرآنیہ احادیث نبویہ اور اقوال فقہا کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے رہے اور اپنی جہالت وسفاہت کا ثبوت فراہم کرتا رہے۔ اس زمانہ میں بھی حیدر آباد سے جو استفتا آپ کے پاس بھیجا گیا تھا اس میں حدیث کے الفاظ میں ردو بدل کے ساتھ ساتھ مطالب ومفاہیم میں بھی خرد برد کرنے کی بڑی کوشش کی گئی اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثابت کرنا چاہا کہ داڑھی ایک مشت واجب نہیں۔ اس استفتا کے جواب میں آپ نے ایک مستقل مبرھن ومدلل رسالہ تحریر فرمایا جو "لمعة الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ" سے متعارف ومشہور ہے۔

استفتا میں سنن ابوداؤد کی حدیث من الفطرة المضمضة والاستنشاق الخ۔ پیش کرتے ہو جہاں لم یذکر اعفاء اللحیة تھا، وہاں لم یذکروا بنا دیا تا کہ تمام رجال سند کو شامل ہو، حالاں کہ حدیث میں صیغہ واحد لم یذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوداؤد نے سکوت کیا جب کہ امام ترمذی نے ھٰذا حدیث حسن کہا اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس کی تخریج فرمائی اسی طرح مذکورہ حدیث کے ضمن میں "اعفاء اللحی" یعنی داڑھی بڑھانے کے عدم ذکر سے یہ ثابت کرنا چاہا کہ داڑھی بڑھانا امور فطرت میں نہیں ہے۔

حالاں کہ یہاں من تبعیضیہ ھی۔ جس کا ترجمہ سیدی اعلیٰ حضرت نے یوں کیا "خصال فطرت سے بعض چیزیں یہ ہیں، تو معلوم ہوا کہ بعض اور بھی ہیں تو داڑھی بڑھانے کا اس میں ذکر نہ آنا حدیث ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مروی حدیث میں "اعفاء اللحی" یعنی داڑھیاں بڑھانے کا ذکر موجود ہے۔ مزید برآں کہ صحیحین شریفین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیث میں "اوفروا اللحی" (داڑھیاں بڑھاؤ) اور مسلم شریف کے اندر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث "ارخوا اللحی" ہے یعنی داڑھیاں بڑھاؤ باضابطہ مندرج ہے۔

اس کے برخلاف مستفتی نے حدیث پیش کر کے یہ بتانا چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی کا ذکر نہ کیا۔ حالاں کہ جو حدیث اس نے پیش کی ہے اس میں "قولھم" ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین میں جو اس حدیث کے رواۃ ہیں انھوں نے ذکر نہ کیا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا اس نے آثار موقوفہ ومقطوعہ کو قول رسول ٹھہرا دیا۔

سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے اپنے اس رسالے کے اندر مستفتی کی خیانتوں کی خوب نشاندہی کی اس کے بے

www.muftiakhtarrazakhan.com

جا استدلال کی تردید کی، ایک مشت داڑھی کا وجوب آیات، احادیث، نصوص اور اقوال فقہا سے ثابت کیا کہ داڑھی ایک مشت رکھنا ہر مسلمان مرد کے لیے واجب ہے۔ سزائیں اور وعیدیں بھی بیان فرمائیں تاکہ مسلمان داڑھی منڈانے یا کتروانے کی جسارت نہ کرے۔

اب اخیر میں بہ طور اختتام سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے جو باتیں تحریر فرمائی ہیں، انھیں ذیل میں ملاحظہ کریں اور ایک مشت داڑھی کے وجوب کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر خود بھی عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو بھی اس پر عامل بنائیں اور سیدی اعلیٰ حضرت کی تحقیق انیق کے خلاف بولنے یا لکھنے والے کسی باشد ملاؤں کو منھ نہ لگائیں:

"لہٰذا ہم بعض مضامین رسالہ اک جدول میں خلاصہ لکھتے ہیں، جنھیں اللہ و رسول پر ایمان اور روز قیامت پر ایقان ہے ملاحظہ کریں کہ قرآن و حدیث و نصوص ائمہ و علما کرام قدیم و حدیث میں داڑھی منڈانے کتروانے پر کیا کیا ہولناک سزائیں، وعیدیں، مذمتیں، تہدیدیں وارد ہیں۔ ایمانی نگاہ ہی کافی، اور جو تفصیل چاہے تو یہ فتویٰ واضح، اب جس میں عذاب الٰہی کی طاقت ہو نیچریان ہنود کی بات سنے، مجوس و ہنود کی صورت بنے، ان جانگزا آفتوں کو گوارا کرے اور جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو اپنا منھ اسلامی بنالے، شعائر اللہ کی حرمت بجالائے، شعائر کفر سے کنارہ کرلے۔ واللہ الھادی وولی الایادی (اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ دکھانے والا اور گوناگوں احسانات و انعامات کا مالک ہے)

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور فروغ اہل سنت

از: ڈاکٹر شفیق اجمل قادری، بنارس

امام احمد رضا محدث بریلوی کو علماے عرب وعجم نے اتفاق رائے سے چودہویں صدی ہجری کا مجدد تسلیم کیا ہے۔ آپ کے علم وفضل، زہد وتقویٰ، زور قلم، فقہی بصیرت، ذوق شعر وادب اور دینی فراست کا عرب وعجم معترف رہا ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے سیکڑوں علوم وفنون پر مشتمل ایک ہزار سے زاید کتابیں تحریر فرما کر امتِ مسلمہ کی رہنمائی کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ ایک طرف آپ نے جہاں بندگانِ خدا کی علمی پیاس بجھائی وہیں دوسری جانب آپ نے انہیں روحانیت کے جام سے بھی سرشار کیا۔ سلسلۂ قادریہ سے آپ کو خوب عقیدت ومحبت تھی اور خود کو سلسلۂ قادریہ سے وابستہ کر کے اسے برصغیر میں خوب فروغ بخشا۔ لاکھوں لاکھ بندگانِ خدا اس سلسلے میں آپ کے دامنِ کرم سے وابستہ ہوئے اور آپ کی ذات کے سبب یہ سلسلہ ''سلسلۂ قادریہ رضویہ'' اور ''خانقاہِ رضویہ'' کے نام سے پوری دنیا میں مشہور ہوا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی بلاشبہ ایک عبقری شخصیت تھے۔ آپ جس دور میں تشریف لائے وہ بڑا ہی پُرفتن دور تھا۔ تصوف ومعرفت پر ہر چہار جانب سے حملے ہو رہے تھے۔ بدعت کا عام رواج ہو گیا تھا۔ شریعتِ مطہرہ کی پامالی کی جارہی تھی۔ بدمذہبیت کے خطرناک جراثیم مومنِ صادق کے ایمان کو کھوکھلا کر رہے تھے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنے قول وفعل سے بنی نوع انسان کے عقیدہ وعمل کی اصلاح وفلاح کا عظیم کارنامہ انجام دیا اور آپ نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ اطاعتِ رسول میں گزار کر تمام مسلمانانِ عالم کو سُنتِ مصطفویٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح پیروی کا شعور بخشا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کو جب معرفت کی منزل طے کرنے کے لیے مرشد کامل کی ضرورت ہوئی تو ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں آپ اپنے والد ماجد مولانا شاہ محمد نقی علی خاں اور تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کے ہمراہ خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی کی خدمتِ بابرکت میں مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے اور سلسلۂ عالیہ قادریہ میں انہیں سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور ساتھ ہی اجازت وخلافت کی دولت سے بھی سرفراز ہوئے۔

خانقاہِ مارہرہ کا ہمیشہ سے یہ دستور تھا کہ بیعت کے بعد مریدین کو ریاضت ومجاہدے کے دشوار گزار مراحل سے گزارا جاتا اور ان کے میلے کچیلے دل کو ریاضت ومجاہدے کے ذریعے مصفیٰ ومجلیٰ کیا جاتا، پھر اگر وہ شیخ کے معیار پر کامل اُترتا تو اسے خلافت کی عظیم دولت سے سرفراز کیا جاتا، لیکن جب امام احمد رضا محدث بریلوی بیعت وارادت سے مشرف ہوئے تو ساتھ ہی آپ کو خلافت بھی دی گئی۔ اس پر حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری میاں نے حضرت شاہ آلِ رسول مارہروی سے دریافت کیا:

''حضور آپ کے یہاں تو طویل وبامشقت مجاہدات وریاضت کے بعد خلافت واجازت دی جاتی ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ان دونوں (امام احمد رضا اور ان کے والد ماجد مولانا نقی علی قدس سرہما) کو بیعت کرتے ہی خلافت دے دی گئی۔ تو

www.muftiakhtarrazakhan.com

حضرت نے ارشاد فرمایا میاں صاحب اور لوگ زنگ آلود میلا کچیلا دل لے کر آتے ہیں اس کی صفائی کی اور پاکیزگی کے لیے مجاہدات طویلہ اور ریاضت شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ دونوں حضرات صاف ستھرا دل لے کر ہمارے پاس آئے تو ان کو صرف اتصالِ نسبت کی ضرورت تھی۔ اور وہ مرید ہوتے ہی حاصل ہوگئی''۔ (۱)

آپ کو اپنے مرشد کی بارگاہ سے بیعت و خلافت کی دولت ملنے کے ساتھ ہی ساتھ تمام سلاسلِ طریقت (جن کی تعداد تیرہ بتائی جاتی ہے) اور تمام موروثی اوراد و وظائف کی اجازت بھی عطا ہوئی۔ ان کے علاوہ درج ذیل مصافحات کی سندات بھی آپ کو تفویض ہوئی تھیں۔

(۱) مصافحۃ الجنیۃ (۲) مصافحۃ المعمریۃ (۳) مصافحۃ الخضریۃ (۴) مصافحۃ المنامیۃ

خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آلِ رسول نے سلسلۂ قادریہ میں امام احمد رضا محدث بریلوی کے بیعت ہونے کے بعد آپ کے متعلق ارشاد فرمایا:

''آج وہ فکر میرے خیال سے دور ہوگئی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ آل رسول! تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو عرض کروں گا کہ اے الٰہی! میں تیرے لیے ''احمد رضا'' کو لایا ہوں۔'' (۲)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے شیخ کے وصال کے بعد امام الاولیا شاہ سیدنا ابوالحسین نوری (م ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء) سے علومِ باطنی کا اکتساب فرمایا۔

سلسلۂ قادریہ سے وابستہ ہوتے ہی آپ نے اسے خوب فروغ دیا۔ آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کے فرزندان اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے اس کی اشاعت میں ہمہ وقت کوشاں رہے۔ خانقاہِ رضویہ نے امام احمد رضا محدث بریلوی کے بعد عالمِ اسلام کو جو مشائخ دیئے ہیں ان میں سے چند مشاہیر مشائخ عظام کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں (ولادت ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء/ وفات ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء)، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ محمد مصطفی رضا خاں (ولادت ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء/ وفات ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء)، مفسر اعظم حضرت مولانا شاہ ابراہیم رضا خاں (ولادت ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء/ وفات ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء) اور اس وقت تاج الشریعہ حضرت مولانا شاہ اختر رضا خاں صاحب ازہری میاں قبلہ (ولادت ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) امام احمد رضا محدث بریلوی کے پیغام کو دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ سلسلۂ قادریہ رضویہ کے فروغ اور اس کی اشاعت میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

خانقاہِ رضویہ کے مشائخ عظام روحانی کمالات کے جامع تھے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی سے لے کر آج تک پورے تسلسل کے ساتھ اربابِ فضل و کمال، اساطینِ عشق و عرفان اور داعیانِ حق و صداقت اس خانقاہ میں پیدا ہوتے رہے اور اپنے اپنے عہد میں دعوت و ارشاد، تبلیغ و ہدایت، تزکیۂ نفوس اور تطہیر قلوب کی آفاقی خدمات انجام دیتے رہے اور ہر دور میں طالبانِ حق و معرفت اس خانقاہ میں حاضر ہو کر اپنی پیاس بجھاتے رہے۔

آج سلسلۂ قادریہ رضویہ کے فروغ کی ایک بہت بڑی وجہ یہی ہے کہ اس سلسلے میں بنیادی حقیقت ایمان کی پختگی اور شریعت و سنّت کی اتباع کا سب سے پہلے درس دیا جاتا ہے اور اوراد و وظائف کا اس کے بعد۔ کیونکہ اوراد و وظائف بھی اپنا اثر

www.muftiakhtarrazakhan.com

اسی وقت دکھاتے ہیں جب عامل کا ایمان درست ہو اور عقیدہ پختہ، ورنہ سب کچھ برباد ہو جاتا ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی اوراد و وظائف کی بھی اجازت اسی وقت دیتے ہیں کہ جب بندہ فرائض و واجبات کو مکمل طور پر ادا کرے۔ اس سلسلے میں آپ ''الوظیفۃ الکریمۃ'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اذکار و اشغال میں مشغولی سے پہلے اگر قضا نمازیں یا روزے ہوں ان کا ادا کرنا جس قدر ممکن ہو نہایت ضروری ہے جس پر فرض باقی ہو اس کے نفل و اعمالِ مستحبہ کام نہیں دیتے بلکہ قبول نہیں ہوتے جب تک فرض ادا نہ کرے''۔ (۳)

امام احمد رضا محدث بریلوی سلسلۂ قادریہ کی ایک اہم کڑی ہیں۔ مشائخ قادریہ رضویہ میں سے سیدنا موسیٰ کاظم (م ۱۸۲ھ) سے لے کر سیدنا احمد الجیلانی (م ۸۵۳ھ، تک سید علی رضا، م ۸۴۲ھ) کے علاوہ سبھی حضرات کی زندگیاں بغداد میں گزریں اور بعد وصال ان کے مزارات بغداد مقدس میں ہیں۔ شیخ بہاء الدین (م ۹۲۱ھ) مدفون دولت آباد کے واسطے سے ''سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ'' کی اشاعت ہندستان میں ہوئی۔ دہلی، کاکوری، لکھنؤ، جہان آباد، کالپی، مارہرہ اور بریلی کے مقامات اس اعتبار سے بابرکت ہیں کہ ان میں مشائخ قادریہ رضویہ نے علم و عرفان کی شمعیں روشن کیں اور مخلوقِ خدا کو واصلِ خدا کیا۔ ان حضرات میں ہر ایک بزرگ خواجہ و مقتدر زمانہ تھا۔ مگر جو عزت و شہرت امام احمد رضا محدث بریلوی کو عطا ہوئی وہ سب سے منفرد تھی۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کی شخصیت بڑی متحرک اور فعال تھی۔ طریقت و سلوک کی راہیں آپ نے خاندان مارہرہ کی رہنمائی میں طے کرتے ہوئے دنیا کو رشد و ہدایت کا پیغام دیا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کے تربیت یافتہ خلفا کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی۔ جنہوں نے تبلیغی، تدریسی، صحافتی، تصنیفی اور سیاسی غرضیکہ سبھی میدانوں میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کے خلفا کی ایک لمبی فہرست ہے جو عرب و عجم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پروفیسر مسعود احمد صاحب رقم طراز ہیں:

''مولانا بریلوی کے خلفا پاکستان و ہندستان، حجاز مقدس اور دوسرے بلادِ اسلامیہ میں پھیلے ہوئے تھے''۔ (۴)

امام احمد رضا محدث بریلوی کے خلفا و متوسلین نے نہ صرف برصغیر میں بلکہ اقوام عالم میں علم و عرفان کی دنیا آباد کی۔ مسلم دنیا کی اکثر آبادی میں آپ کے انوار پھیلے ہیں۔ آپ کے چند مشاہیر خلفا کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا قادری (م ۱۹۴۳ء)
۲۔ مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا قادری (م ۱۹۸۱ء)
۳۔ صدر الشریعہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی (م ۱۹۴۸ء)
۴۔ صدر الافاضل مولانا شاہ نعیم الدین مراد آبادی (م ۱۹۴۸ء)
۵۔ ملک العلما مولانا شاہ ظفر الدین قادری (م ۱۹۶۲ء)
۶۔ محدث اعظم مولانا شاہ احمد اشرف جیلانی (م ۱۹۲۵ء)
۷۔ شیخ المحدثین مولانا سید دیدار علی الوری (م ۱۹۳۳ء)
۸۔ مبلغ اسلام مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی (م ۱۹۵۴ء)
۹۔ قطب مدینہ مولانا شاہ ضیاء الدین مدنی (م ۱۹۸۱ء)

www.muftiakhtarrazakhan.com

۱۰۔ حضرت مولانا عبد السلام جبل پوری (م ۱۹۴۳ء)

۱۱۔ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف قادری (م ۱۹۵۹ء)

۱۲۔ حضرت مولانا برہان الحق جبل پوری (م ۱۹۸۵ء)

۱۳۔ حضرت مولانا تقدس علی خان (م ۱۹۸۸ء)

امام احمد رضا محدث بریلوی کو قرآن وسنت اور دیگر علوم عقلیہ ونقلیہ میں ملکہ حاصل تھا۔ اسی لیے وہ تصوف کے اسرار و رموز سے بھی مکمل طور پر واقف تھے۔ طریقت ومعرفت کے دقیق مسائل میں ارباب طریقت ان سے رجوع کیا کرتے تھے۔ فنِ تصوف میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے متعدد کتابیں تحریر فرمائیں: (۱) کشف حقائق واسرار دقائق (۲) التلطف بجواب مسائل التصوف (۳) نقاء السلافۃ فی البیعۃ والخلافۃ (۴) الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیۃ ...... وغیرہ

یہ وہ تصانیف ہیں جن میں تصوف کے اسرار ورموز اور حقیقت ومعرفت کا بحرِ زخار نظر آتا ہے۔ علمِ تصوف کے ساتھ ساتھ امام موصوف تصوف کے عملی میدان کے بھی شہسوار ہیں۔ ایسا نہیں کہ علوم تصوف کے دریا تو بہائے مگر خود کچھ نہ کر سکے۔ بلکہ تصوف کے وہ تمام مراحل جن سے گزر کر ایک صوفی درحقیقت صوفی بنتا ہے وہ سب کے سب امام احمد رضا محدث بریلوی نے طے کیے تھے۔ حال و وقت، مقام وتمکین، محاضرہ ومکاشفہ، قبض وبسط، انس وہیبت، قہر ولطف، نفی واثبات' مسامرہ ومحادثہ، علم الیقین، حق الیقین، علم ومعرفت اور شریعت ومعرفت کی وہ کون سی منازل ہیں جن کو آپ نے سر نہ کیا ہو۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے علومِ تصوف کو نہ کسی درسگاہ میں حاصل کیا اور نہ ہی کسی خانقاہ میں تزکیہ نفس کے لیے برسوں ریاضتیں کیں۔ لیکن کتاب وسنّت اور دینی علوم کی روشنی سے تصوف کے اسرار ورموز آپ پر آشکار ہو گئے۔ امام احمد رضا بریلوی اپنے عرفان کے حوالے سے خود رقم طراز ہیں:

''علم تصوف کہ اس کی انتہائی حد اگر چہ احاطۂ عقل میں آنے سے وریٰ ہے اور واصل الی اللہ ہونے کے بغیر وہاں تک نہیں پہنچا جا سکتا لیکن تعلیم ظاہری کی بدولت یا نظر وفکر میں کوشش کرنے کے سبب یا حسن تدبیر اور صحیح سوچ بچار کے ذریعہ جتنا تصوف حاصل ہو سکتا ہے اتنا ہے۔'' (۵)

امام احمد رضا محدث بریلوی اپنے نظریۂ تصوف میں متقدمین صوفیا کے دوش بدوش نظر آتے ہیں اور ہر ایک منزل پر شریعت کا لحاظ کامل طور پر ملحوظ رکھتے ہیں۔ وہ طریقت کو شریعت اور شریعت کو طریقت کے آئینہ میں دیکھنے اور پرکھنے کا اعلیٰ شعور رکھتے تھے۔ راہ سلوک کے لیے مرشد کامل کی ضرورت ہوتی ہے، تصوف کے منازل مرشد کامل کے بغیر طے نہیں کیے جا سکتے۔ اس سلسلے میں امام احمد رضا محدث بریلوی ارشاد فرماتے ہیں:

''قرآن وحدیث میں شریعت، طریقت، حقیقت سب کچھ ہے اور ان میں سے سب سے زیادہ ظاہر وآسان مسائلِ شریعت ہیں۔ ان کی تو یہ حالت ہے کہ اگر ائمہ مجتہدین ان کی شرح نہ فرماتے تو علما کچھ نہ سمجھتے اور علمائے کرام اقوالِ ائمہ مجتہدین کی تشریح وتوضیح نہ کرتے تو ہم لوگ ارشادِ ائمہ کے سمجھنے سے بھی عاجز رہتے۔ جب احکامِ شریعت میں یہ حال ہے تو صاف روشن ہے کہ دقائقِ معرفت بے مرشدِ کامل خود بخود قرآن وحدیث سے نکال لینا کس قدر محال ہے۔ یہ راہ سخت باریک اور بے شمع

www.muftiakhtarrazakhan.com

مرشد نہایت تاریک ہے۔ بڑے بڑوں کو شیطان لعین نے اس راہ میں ایسا مارا کہ تحت الثریٰ تک پہنچا دیا۔ تیری کیا حقیقت کہ بے رہبر کامل اس میں چلے اور سلامت نکل جانے کا ادعا کرے۔ ائمہ فرماتے ہیں آدمی اگر چہ کتنا ہی بڑا عالم، عامل، زاہد، کامل ہو اس پر واجب ہے کہ ولی عارف کو اپنا مرشد بنائے۔ بغیر اس کے ہرگز چارہ نہیں۔'' (۶)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے نام نہاد صوفی پیروں سے عوام کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک ضابطہ بیان کیا تاکہ جاہل پیر بھولے بھالے مریدوں کو احکامِ شریعہ سے نہ بہکا سکیں۔ آپ نے ایک ایسا خط کھینچا جس سے یہ مسئلہ اظہر من الشمس ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے چند شرطیں رقم کیں کہ پیر کو کیسا ہونا چاہیے:

''(۱) شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا ہو بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعے سے اتصال ناممکن (۲) سُنّی صحیح العقیدہ ہو بد مذہب نہ ہو (۳) عالم ہو۔ علمِ فقہ اس کی اپنی ضرورت کے قابل کافی اور لازم کہ عقائد اہلِ سنّت سے پورا واقف، کفر و اسلام اور ضلالت و ہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو۔ (۴) فاسق ملعن نہ ہو۔'' (۷)

مذکورہ بالا تمام شرطیں ایک کسوٹی ہیں۔ لگتا ہے امام احمد رضا نے اپنی عرفانی نگاہوں سے بارگاہ رسالت کو اس طرح دیکھا اور ایسی حاضری دی ہے جس سے بند دلوں کی کشود ہوتی ہے۔ پیر و مرشد کا تعلق اپنے مرید سے اتنا دل گیر اور ترالا ہوتا ہے جہاں سے رضائے الٰہی کے زینے حاصل ہوتے ہیں۔ اگر شیخ علم سے کورہ و بے بہرہ ہوگا تو اس کا پورا اثر مرید پر نمایاں ہوگا کیونکہ مرید پیر کا مظہر ہوتا ہے۔ یہ ساری کی ساری شرطیں ایک مرشدِ کامل کے لیے آئینے کا درجہ رکھتی ہیں۔ شیخ جب کامل ہوتا ہے تو مرید میں بھی کمال ہوتا ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے تصوف کے میدان میں پیدا شدہ تمام غلط روشوں کی سرکوبی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی اور ان کو اصل تصوف کا رنگ دینے کی بھر پور کوشش کی۔ تصوف اور اس کے اغراض و مقاصد کا صحیح تصور آپ نے پیش کیا۔ نام نہاد صوفیا جن کی غلط روی اور بدکاری کے سبب تصوف کے دامن سے بدنما داغ کو مٹانے کے لیے پوری زندگی جہاد بالقلم کرتے رہے۔ بزرگانِ دین کے نام پر جو لوٹ کھسوٹ مزارات پر مچی ہوئی تھی، اسے آپ نے صرف منع ہی نہیں فرمایا بلکہ سختی سے اس کی مخالفت کی۔ قبر پر سجدہ کرنے کو حرام لکھا اور اس کے تعلق سے ''الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ'' کے نام سے ایک کتاب تحریر فرمائی۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے خانقاہوں اور صاحب خانقاہ کے تقدس کی خاطر اپنی پوری زندگی کو وقف کر دیا تھا۔ آپ نے خانقاہی نظام کو درست کرنے کا انمول ضابطۂ حیات عطا فرمایا۔ یقیناً خانقاہوں پر امام احمد رضا کا ایک عظیم احسان ہے، آج اگر خانقاہیں محفوظ ہیں۔ مقابر کی عظمت کو برقرار رکھا گیا۔ آثارِ مقدسہ کی حفاظت کو ملحوظ رکھا گیا تو کاوش اور ثمرہ ہے امام احمد رضا محدث بریلوی کی عظیم خدمات کا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے تصوف کے اسرار و رموز کو ہر طرح بیان فرمایا وہ طریقت کو شریعت اور شریعت کو طریقت کے آئینے میں دیکھتے تھے۔ آپ یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ تصوف کے راستے پر شریعت کے اصول کی خلاف ورزی کر کے چلنا ممکن نہیں ہے۔ امام احمد رضا نظری تصوف سے کہیں زیادہ عملی تصوف کے پیکر تھے۔ اس لیے ان کی تحریروں میں متصوفانہ افکار و خیالات جا بجا جلوہ گر نظر آتے ہیں اور یہی ''سلسلۂ قادریہ رضویہ'' کی اشاعت اور اس کے فروغ کی بنیادی

www.muftiakhtarrazakhan.com

اساس بھی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حاشیہ تذکرہ نوری، ص ۴۰ بحوالہ تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ المجمع المصباحی مبارک پور ص ۳۹۹
۲۔ سیرتِ امام احمد رضا، عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری، رضوی کتاب گھر دہلی ص ۴
۳۔ الوظیفۃ الکریمۃ، امام احمد رضا بریلوی اسلامک پبلشر دہلی ص ۲۵
۴۔ حیاتِ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، پروفیسر محمد مسعود احمد، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، ص ۱۴۵
۵۔ الاجازت المتینۃ، امام احمد رضا بریلوی، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۱۵۱
۶۔ نقاء السلافۃ فی احکام البیعۃ والخلافۃ، امام احمد رضا بریلوی، رضا اکیڈمی، ممبئی ص ۹
۷۔ تاریخ مشائخ قادریہ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کتب خانہ امجدیہ دہلی، ص ۳۹۰

❖❖❖

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور ان کے معاشی نکات

از: علی اشرف چاپداتوی
آئی ۱۱۲۸/ار پہاڑ پور روڈ (مٹیا برج) کولکاتا ۲۴

۱۹۳۰ء میں جدید اقتصادی نظریات سے عوام اور حکومت کی دلچسپی بیرونی ملکوں میں پہلی جنگ عظیم کے بعد عالمی کساد بازاری (Great Depression) سے ہوئی کیوں کہ قدیم نظریات ناکام ہونے پر ضرورت اس بات کی ہوئی کہ کساد بازاری پر قابو پایا جائے چناں چہ ۱۹۳۶ء میں ایک انگریز ماہر اقتصادیات جے، ایم، کنز John Meynord keynes نے اپنی مشہور زمانہ تالیف "نظریہ روزگار آمدنی" پیش کی۔

جے۔ایم۔کینز کے نظریۂ روزگار آمدنی کے مطابق ہر صارف (consumer) کی آمدنی کا ایک معتدبہ حصہ صرف (consumption) کے لیے مختص ہوتا ہے۔ اگر آمدنی اس صرف سے زائد ہے، تو وہ صارف کچھ نہ کچھ رقم پس انداز کر لیتا ہے۔ پس انداز کی گئی یہ رقم (saving) معیشت میں بڑا اہم رول ادا کرسکتی ہے، چناں چہ آمدنی = صرف + پس اندازی (Y=C+S)

اسی طرح سے کینز کے مطابق ہر صناع (Investors,etc,industrialists.) صارف کی طرح اپنی آمدنی کا ایک معتدبہ حصہ صرف (Consumption) پر خرچ کرتا ہے، اگر اس کی آمدنی صرف سے زائد ہے، تو بقیہ رقم کاروبار میں لگاتا (Investment) ہے۔ کاروبار میں لگائی گئی یہ رقم (Investment) معیشت میں بڑا اہم رول ادا کرتی ہے چناں چہ آمدنی = صرف + کاروبار میں لگائی گئی رقم (Y=C+I)

کینز کے مطابق یہ دو مساوات نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ (Y=C+IY=C+S) نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ ان دونوں مساوات میں Y اور C مشترک (Common) ہیں، اگر انہیں کٹ کر دیا جائے تو S&I بچتے ہیں۔ اگر Saving,Investment سے زیادہ ہوجائے، تو کساد بازاری کی شروعات ہوجاتی ہے، اس کے برعکس اگر Saving,Investment سے کم ہوجائے تو معیشت افراط زر کا شکار ہوجاتی ہے، چناں چہ علم معاشیات کے اس نباض (جے۔ایم۔کینز) نے اس بات پر زور دیا کہ Investment اور Saving کا ایک دوسرے کے برابر ہونا نہایت ضروری ہے۔ نیز اس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ تیز رفتار معاشی ترقی کے لیے Saving میں اضافہ اس طرح جاری رہے کہ بھی اس کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہے۔ اگر ایسا ہوتا ہے، تو ملک کی معاشی ترقی کی رفتار تیز تر ہوتی جائے گی۔

جے۔ایم۔کینز نے اپنے نظریہ روزگار و آمدنی میں ایک نئی معاشی اصطلاح کا بھی استعمال کیا ہے، جسے وہ موثر طلب (Effective Demand) کہتے ہیں۔ اوپر کے سطور میں ہم نے کینز کے دو مساوات دیکھے ہیں۔ اول Y=C+S اور

www.muftiakhtarrazakhan.com

دوم Y=C+I ان دونوں فارمولوں سے اگر Y کو مشترک ہونے کے سبب حذف کردیا جائے تو باقی رہ جاتے ہیں C+S اور C+I, C+S کو اس نے ''کل رسد'' یعنی Aggregate Supply اور کو ''کل طلب'' یعنی Aggregate Demand کہا ہے۔ جہاں Aggregate Supply اور Aggrergate Demand ایک دوسرے کے برابر ہوجاتے ہیں۔ وہ مقام ''موثر طلب'' (Effective Demand) کی نشاندہی کرتا ہے، ملک میں کتنے لوگوں کو روزگار ملے گا، آمدنی کتنی ہوگی اس کا تعین ''موثر طلب'' ہی کرتا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ ایک موثر طلب پر مکمل روزگاری (Full Employment) اور اعلیٰ ترین آمدنی (Maximum Income Level) کی نشاندہی کرے۔ اس مقام پر کچھ بے روزگاری (Unemployment) بھی ممکن ہے، چناں چہ آمدنی کی سطح، اعلیٰ ترین آمدنی سے کم بھی ہوسکتی ہے۔

جے۔ ایم۔ کینز نے اپنے نظریہ روزگار و آمدنی میں دو اور معاشی اصطلاحوں کو بہتر ڈھنگ سے متعارف کیا ہے۔ یہ دونوں اصطلاحیں ہیں Multiplier اور Accelerator Multiplier کا تعلق کینز کے پہلے فارمولے (Y=C+s) کے C اور S سے ہے۔ یعنی صرف Consumption جتنا زیادہ ہوگا Multiplier کے سبب آمدنی (Y) اور روزگار (Employment) میں اس سے زیادہ تیزی سے اضافہ ہوگا۔ اس کے برعکس جتنی زیادہ ہوگا اس کے تیز تر منفی اثرات آمدنی اور روزگار پر پڑیں گے۔

اس طرح کا تعلق کینز کے دوسرے فارمولا (Y=C+I) سے ہے۔ Investment یعنی روپیہ کاروبار میں جتنا زیادہ لگایا جائے گا Accelerator کے سبب اس سے کہیں زیادہ تیزی سے آمدنی اور روزگار میں اضافہ ہوگا۔

جے۔ ایم۔ کینز کے نظریہ روزگار اور آمدنی کا یہ نہایت مختصر اور ممکنہ حد تک سلیس خاکہ ہے۔ جس پر عمل کرنے سے عالمی کساد بازاری تحلیل ہونا شروع ہوئی اور اس کا مکمل خاتمہ ۱۹۳۹ء میں ہوا۔ حکومت برطانیہ نے جے۔ ایم۔ کینز کو اس خدمت کے صلے میں ''لارڈ'' کے عظیم الشان القاب سے سرفراز کیا۔

امام احمد رضا نے علم معاشیات کے جن عنوانات پر قلم اٹھایا ہے، آیئے پہلے اس فہرست پر ایک نظر ڈال لی جائے مثلاً:

(۱) احکام الاحکام فی التناول من ید من مالہ حرام (اس تحریر میں مال حرام کے ساتھ معاملات اور ان کے نقصانات کی تفصیل ہے) (۲) افصح البیان فی حکم مزارع ہندوستان (ہندوستانی زمین) کی پیداوار پر شرعی وظیفہ کیا ہے۔ (۳) کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم (جس میں کرنسی نوٹ کے مسائل پر گفتگو کی گئی ہے) (۴) خیر الآمال فی حکم الکسب والسوال (روزی کمانے، معاش کے حاصل کرنے اور سوال کرنے کے احکام کا ذکر ہے) (۵) ''سود ایک بدترین جرم'' نامی کتاب میں امام احمد رضا کے افادات (فرموادات) کو یکجا کیا گیا ہے۔ (٦) المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر (اس مضمون میں تجارتی و بنکاری نظام پر روشنی ڈالی گئی ہے)

لیکن امام احمد رضا نے مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی، معاشی بدحالی، معاشرتی خرابی اور تعلیمی پس ماندگی کو دور کرنے کے لیے کئی نکات پر مشتمل ایک رسالہ بنام ''تدبیر فلاح نجات واصلاح'' تحریر کیا جو ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو برصغیر میں علم اقتصادیات کا مطالعہ عام نہیں تھا۔ دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک مثلاً انگلینڈ،

www.muftiakhtarrazakhan.com

امریکہ، فرانس اور جرمنی وغیرہ میں بھی نہیں جب کہ امام احمد رضا نے ان جدید اقتصادی تقاضوں کی جھلک ۱۹۱۲ء میں ہی دکھادی تھی۔ اقتصادی نکات کی تفصیل یہ ہے:

(۱) ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کرے تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہو سکے۔

(۲) بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد، دکن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

(۳) مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدے۔

(۴) علم دین کی ترویج واشاعت کرے۔

یہ چار نکات بظاہر بے حد مختصر ہیں لیکن ان میں معانی کا ذخیرہ پوشیدہ ہے ہر صاحب بصیرت اس سے آگاہ ہے۔ بلاشبہ مومن کے اشارے ہیں اور مومن بھی کیسا مومن کہ جس کی ہر سانس عشق رسول سے معطر تھی۔

کینز کا نظریہ لاکھ سائنٹفک سہی لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر رہا کہ Saving کہاں سے حاصل کی جائے گی اور Investment کے اضافے کی کیا صورت ہوگی۔ مقدمہ بازی پر کیا گیا خرچ مکمل طور پر غیر پیداواری Unproductive ہے، اسے Saving میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ نیز امرا کے پاس فاضل رقم پڑی ہوئی ہے، جو سامان تعیش ورنگ رلیوں پر خرچ ہوکر ضائع ہوجاتی ہے، یہ بھی بڑی حد تک غیر پیداواری Unproductive ہے اسے بھی Saving میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ ان دونوں ذریعوں سے ایک اچھی خاصی رقم حاصل کی جا سکتی ہے۔

امام احمد رضا اس بات کے خلاف تھے کہ کوئی قوم اپنے ملک کا خام مال دوسرے ملکوں کو کوڑیوں کے مول دے اور پھر خود ہی تیار شدہ مال چاندی کے مول خریدے وہ لکھتے ہیں:

''اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے یہ نہ ہوتا کہ یورپ وامریکہ والے چھٹانک بھر تانبا کچھ صناعی کی گھڑت کر کے گھڑی وغیرہ کا نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔'' (تدبیر فلاح ونجات واصلاح ص:۵)

اس لیے امام احمد رضا خان کا کہنا تھا کہ خام مال کی تیاری کے لیے ملک میں فیکٹریاں لگائی جائیں، امام احمد رضا قومی معیشت میں قرض لینے کی عادت کو نہایت ہی مذموم قرار دیتے یہ عادت کسی شخص میں ہو یا جماعت اور حکومت میں اس سے خود اعتمادی اور حمیت وغیرت کی دولت چھین لیتی ہے۔ پوشیدہ صلاحیتیں مردہ ہو کر رہ جاتی ہیں اسی لیے زندہ قومیں قرض لے کر سود در سود کے بندھنوں میں نہیں بندھا کرتیں۔ وہ قرض دیا کرتی ہیں لیا نہیں کرتیں۔ امام احمد رضا کو محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد تھا: ''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔'' یعنی دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے جن قوموں نے اس حدیث پر عمل کیا انہوں نے معاشی استحکام حاصل کیا۔

امام احمد رضا آمد وخرچ میں توازن رکھتے بلکہ آمد بڑھانے اور خرچ گھٹانے کے قائل تھے تاکہ فرد وجماعت دونوں معاشی طور پر مستحکم ہوں سیاسی استحکام کا دارومدار معاشی استحکام پر ہے اس لیے دور جدید کی سیاست معاشیات کے گرد گھومتی ہے

www.muftiakhtarrazakhan.com

اہم مسئلہ آمد کا ہے۔ کمانے میں دیر لگتی ہے خرچ کرنے میں کچھ دیر نہیں لگتی۔ اسلام نے فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا ہے، کفایت شعاری اور پس اندازی کی ترغیب دے کر۔ امام احمد رضا نے مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ ان بری عادتوں کی تباہ کاریوں سے آگاہ کیا ہے۔

بینک (Bank):۔ دور حاضر کا بینک کاری نظام کچھ ایسی مرکزیت حاصل کر چکا ہے کہ آج دنیا کے تقریباً سارے ہی معاشی واقتصادی اموراس کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ بینک کاری کا یہ پورا نظام تین بنیادی باتوں پر گردش کر رہا ہے۔

(i) عوام سے مال حاصل کر کے اعلیٰ پیمانے پر تجارت۔

(ii) عوام کو تجارت، زراعت اور صنعت وحرفت وغیرہ کے لیے قرض کی فراہمی۔

(iii) ترسیل زر اور امانتوں کے تحفظ کا اجارہ۔ ''ترسیل زر'' سے مراد ہنڈی، ڈرافٹ اور سفری چیک (Traveller's Cheque) وغیرہ کا اجرا ہے اور ''امانت'' سے مراد لوگوں کی قیمتی اشیا ہیں۔

بینک کی عظیم افادیت واہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم عقل ودانش کے تقاضوں پر کاربند ہو کر اپنی دولت کے خزانے اپنے قبضہ میں کر لیں تو اس سے ہمارا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ معاشیات کی دنیا میں ہمارا بھی ایک وقار اور مقام ہوگا اور اس کے ذریعہ مذہب وملت کے فروغ واستحکام کے قابل قدر کارنامے انجام دیئے جا سکیں گے انشاء اللہ اور دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ سودی معاملات کی آلودگی سے ہمارا دامن داغ دار نہ ہوگا۔

بینک کا سود:۔ سوائے کرنٹ اکاؤنٹ کے سارے ہی کھاتوں اور اسکیموں میں جمع روپے پر نفع ملتا ہے اور یہ نفع ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سود ہے البتہ ایک صورت میں یہ نفع سود نہ ہوگا وہ یہ کہ کھاتا دار کو کوئی حق مقامی حکومت کے ذمہ آتا ہے مثلاً یہ کہ دینی خدمات انجام دے رہا ہے اور حکومت اسے کوئی وظیفہ نہیں دیتی یا اس نے حکومت سے قرض لیا تھا جس پر اسے سود دینا پڑا تھا تو یہ بینک کا وہ نفع اپنے حق کی وصولی کی نیت سے لے سکتا ہے یہ جائز ہے کہ اپنا حق وصول کرنا سود نہیں ضروری بات یہ ہے کہ نفع بینک میں نہ چھوڑے بلکہ اسے وصول کر کے مسلم فقراء کو دیدے۔

سود سے بچنے کی ایک صورت بیع عینہ ہے۔ امام احمد رضا نے اس بیع کے متعلق یہ تاثر پیش کیا۔ رقم طراز ہیں:

''عنایہ میں فرمایا قرض دینے سے روگردانی مکروہ نہیں اور اتنا بخل کہ آدمی تجارتوں میں نفع چاہے وہ بھی ایسا ہی ہے ورنہ نفع پر بیچنا مکروہ ہوتا۔ انتہٰی ---------- بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ تجارت تو اسی کا نام ہے کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور خرید وفروخت میں قیمت کم کرانا سنت ہے اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غبن کھانے میں ناموری ہے نہ ثواب۔ تو اس میں انتہا درجہ کراہت تنزیہہ ہے ورنہ بصحت ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام نے اسے کیا اور تعریف فرمائی۔ اور علامہ عبدالحلیم معاصر علامہ شرنبلالی رحمہا اللہ تعالیٰ حاشیہ درر میں لکھتے ہیں: امام ابو یوسف سے روایت یوں ہے کہ بیع عینہ جائز اور ثواب کا کام ہے اس لیے کہ اس میں حرام سے بھاگنا ہے اور حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے اور اس لیے کہ بکثرت صحابہ نے اسے کیا۔ اور اس کی تعریف فرمائی۔ انتہٰی ---------- اور اس کی روشِ عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ بھی امام ابو یوسف کا کلام ہے کہ حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے۔'' (فتاوی رضویہ، ص:۱۷۶، ج:۷ رسالہ کفل الفقیہ الفاہم)

www.muftiakhtarrazakhan.com

غیر سودی اسلامی بینک درج ذیل خدمات معاشرے میں پیش کر سکتی ہے۔

اول: ڈپازٹ کا حصول: سودی کمرشیل بینکس سود کی پیش کش کر کے لوگوں کی فاضل رقومات بطور ڈپازٹ قبول کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کرتی ہیں۔ غیر سودی اسلامی بینک سود کے بجائے نفع اور نقصان میں حصہ داری کی بنیاد پر لوگوں سے اپنی فاضل رقم بطور ڈپازٹ رکھنے کی گزارش کر سکتی ہے، اس ذریعہ سے حاصل شدہ رقم ضرورت مندوں میں معاشی پیداواری مقصد (Economic Productive Purpose) کے لیے رقم فراہم کر سکتی ہے۔

دوم: پیداواری مقصد کے لیے رکاروبار وتجارت کے لیے ضرورت مندوں کو رقم فراہم کرنا:

سماج کے ایسے افراد جو کسی صنعت وحرفت کے جاری کرنے یا تجارت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں، لیکن رقم کی عدم فراہمی یا کم فراہمی کے سبب اپنے خوابوں کی تعبیر نہیں کر پا رہے ہیں، یہ بینک ایسے افراد کو مختلف شکلوں میں رقم فراہم کر سکتی ہے۔ رقم کی یہ فراہمی نفع اور نقصان میں حصہ داری کی ہی شکل میں ہوگی، اس کار خیر میں رقم کے استعمال کی درج ذیل شکلیں ہو سکتی ہیں:

(۱) شراکت (۲) مضاربت (۳) اجارہ (کرایہ دینا) (۴) سلم (ایڈوانس) (۵) اگر ممکن ہوا، تو بینک تنہا تجارت کر سکتی ہے، مثلاً ایک صنعت کار ایک مشین خریدنے کا خواہش مند ہے۔ مشین کی قیمت دس لاکھ روپیہ ہے۔ اس کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ وہ مشین خرید سکے۔ غیر سودی اسلامی بینک وہ مشین دس لاکھ میں خرید کر اس صنعت کار کو گیارہ لاکھ میں کچھ مدت میں ادائیگی کی شرط پر مہیا کر سکتی ہے، اگر وہ صنعت کار اس بینک سے رجوع ہوتا ہے تو۔ اس طرح سے اس بینک نے اس تجارت میں ایک لاکھ منافع کما لیا۔

سوم: ان دونوں خدمات کے علاوہ بینک بہت سے کام بطور ایجنٹ (Agency Functions) اور خدمات برائے فلاح عامہ (General Utility Service) انجام دے سکتی ہے یہ دونوں طریقے بھی منافع کمانے کا اچھا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ مثلاً (الف) خدمات بطور ایجنٹ: (۱) مختلف مالیاتی دستاویزات اور حصول اور ادائیگی مثلاً چیک، بل وغیرہ (۲) رقم کی منتقلی (۳) قسطوں، قرضوں اور پریمیموں کی ادائیگی (۴) وصیتوں کے نفاذ کی ذمہ داری (۵) کسی شخص کے لیے شیئر وغیرہ کی خرید وفروخت (۶) Dividend کی حصولیابی (ب) خدمات برائے فلاح عامہ: (۱) Letter of Credit جاری کرنا (۲) زرمبادلہ میں Dealing کرنا (۳) Safe Deposit کی سہولت مہیا کرنا (۴) صنعت وتجارت وغیرہ سے متعلق معلومات (درخواست پر) بہم پہنچانا (۵) کسی دوسری غیر سودی اسلامی بینک کی جانب سے کسی صنعت کار وغیرہ کو مہیا کی گئی رقم کی واپسی کی تحریری یقین دہانی دینا (Underwriting)

سودی بینکس جہاں پیداواری مقاصد Productive Purpose کے لیے قرض دیتی ہے، وہیں غیر پیداواری مقاصد (Unproductive Purpose) کے لیے بھی قرض دیتی ہے۔ بعض حضرات گھر کی تعمیر یا خریدنے کے لیے سامان تعیش مثلاً کار، ٹی۔ وی وغیرہ جیسے غیر پیداواری مقاصد کے لیے قرض لیتے ہیں۔ دیہاتوں میں تو آج بھی ساہوکاروں سے بھاری سود پر بعض لوگ شادی بیاہ جیسے اخراجات کے لیے قرض لیتے ہیں۔ ایسے قرضوں میں بینک کو بھاری سود ملتا ہے لوگ نام ونمود کے لیے یا (سامان تعیش کی) حرص وہوس جیسی اپنی کمزوریوں کے لیے بھاری سود پر سودی بینک سے قرض لیتے ہیں، بینک

www.muftiakhtarrazakhan.com

ایسے قرض خواہوں کا بھر پور استحصال کر کے اپنا نفع بڑھاتی ہے۔غیر سودی اسلامی بینکوں میں قرض خواہوں کے ایسے استحصال کی تقریباً نہیں کے برابر گنجائش ہوسکتی ہے۔ دوم یہ کہ سودی بینک کا سرمایہ چوں کہ غیر پیداواری قرضوں پر صرف ہوگیا ہے، اس لیے پیداواری قرض کم ہو جاتے ہیں، جس سے قومی پیداوار متاثر ہوتی ہے۔

زندگی بیمہ Life Insurance:۔ کا جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ بیمہ کرانے والے کو اپنی آمدنی، نیز موجودہ مال ومتاع کے پیش نظر ظن غالب ہو کہ وہ ابتدائی تین سال کی قسطیں ادا کر لےگا۔امام احمد رضا سے دریافت کیا گیا کہ زندگی کا بیمہ کرنا شرعاً جائز ہے یا حرام؟ اس کا جواب آپ نے یہ ارقام فرمایا:

''جب کہ یہ بیمہ صرف گورنمنٹ کراتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں تو جائز ہے، کوئی حرج نہیں۔ (فتاوی رضوی،ص:۲۱۱،ج:۹،رضا اکیڈمی)

شریعت کا تھوڑا سا بھی علم رکھنے والا ایسا کون سا مسلمان ہے، جو سود کی حرمت سے ناواقف ہے۔قرآن وحدیث میں سود کی حرمت کے واضح احکامات جابجا نظر آتے ہیں۔امام احمد رضا نے بھی اپنے فتوؤں میں سود کو بالکل صاف صاف حرام قرار دیا ہے۔اپنے ایک فتویٰ میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ پانچ سو روپے پر پچیس روپے سالانہ زائد لگانا حقیقی سود ہے۔آپ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں سودی لین دین کو قطعی حرام فرمایا ہے، نیز اس پر وعیدوں کا بھی ذکر کیا ہے، چناں چہ شریعت نے قرض دار سے اصل زر سے زائد رقم وصول کرنے کو سود قرار دے کر اس سے بچنے کی تاکید کی ہے، لیکن سود سے بچتے ہوئے زیادہ لیں اور سود بھی نہ ہو، یہ راستہ ایک مجدد دین ہی بتا سکتا ہے۔حیلۂ شرعی کی روشنی میں امام احمد رضا کی یہ تحریر پڑھیے اور داد دیجیے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:''ایک شخص کے دوسرے پر دس روپے آتے تھے، اس نے یہ چاہا کہ دس کے تیرہ کرلوں، ایک میعاد تک۔علما نے فرمایا کہ وہ مدیون سے ان دس کے عوض کوئی چیز خرید لے اور اس پر قبضہ کر لے، پھر وہی چیز اس مدیون کے ہاتھ سال بھر کے وعدے پر ۱۳؍ کی بیچ ڈالے، تو حرام سے بچ جائے گا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے (اجازت دی ہے)۔۔۔۔(بحوالہ قاضی خاں ۲؍۶۔۴ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ)۔۔۔۔اسی طرح بحر الرائق نے بحوالہ خلاصہ نوازل امام فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ سے مروی (ص:۶۸۔۶۹، اردو ترجمہ) ہے کہ اس طرح کے حیلے کو حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے بیع عینہ کا نام دیا ہے اور حضرت امام ابو یوسف نے عینہ کو جائز قرار دیا ہے اور اس پر ثواب بھی بتایا کہ یہ سود (حرام) سے بھاگنا ہے۔'' اب اگر مسلم بینک قائم کر کے اور کھاتے داروں کی جمع کردہ رقم پر امام احمد رضا کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کر کے شرعی حیلوں سے زیادہ رقم دی جائے تو جائز ہے۔

اس زمانے کے لحاظ سے یہ ایک نہایت ہی انقلابی مشورہ مجدد عصر امام احمد رضا نے دیا تھا اس زمانے میں بھی بینکنگ سسٹم کی بنیاد سود پر تھی۔سود کے بغیر بینک کے وجود کا تصور بھی ممکن نہیں تھا۔ایسے دور میں اعلیٰ حضرت نے غیر سودی بینک کا نظریہ پیش کر کے دینی جدت طرازی کی ایک زبردست مثال قائم کردی تھی۔آپ نے چند مخصوص شہروں کے مالدار مسلمانوں کو مشورہ دیا تھا کہ وہ غیر سودی بینک قائم کر کے اپنے ان مسلمانوں بھائیوں کی مالی اعانت کریں، جو کسی حرفت یا صنعت میں قسمت کو آزمانا چاہتے ہیں اور ان کے پاس سرمایہ کی کمی ہے۔نیز، شریعت نے سود کو قطعی حرام قرار دیا ہے مگر اور بھی بہت سارے طریقے ہیں،

www.muftiakhtarrazakhan.com

جن کے ذریعے نفع کمایا جاسکتا ہے اور وہ بھی حلال نفع اور یہ سارے طریقے فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیے جاچکے ہیں۔ خود امام احمد رضا نے بھی اپنی ایک تحریر میں ایک نہایت آسان طریقہ بیان فرمادیا ہے، اگر ایسا ہوتا ہے، تو قرض خواہوں کا اس میں دوہرا فائدہ ہے، ایک تو وہ سود جیسے حرام مال سے بچتے ہیں، دوسرے انہیں بنیوں سے نجات مل جائے گی، ساتھ ہی ساتھ قرض دینے والے مالدار مسلمانوں کو بھی اپنی فاضل رقم (Saving) کو کاروبار میں لگانے (Investment) سے نفع ملے گا اور وہ بھی حلال۔

مسلمانوں کے غیر سودی بینک ہی ایک ایسا ادارہ ہوسکتا ہے جہاں شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے پس انداز (Saving) کرنے والے مالدار مسلمانوں اور کاروبار میں روپیہ لگانے (Investment) کی صلاحیت رکھنے والے حوصلہ مند مسلمانوں کو اکٹھا کیا جاسکتا ہے۔ اس بینک میں وہ کروڑوں روپے بھی لائے جاسکتے ہیں جو کورٹ کچہری کی نذر ہورہے ہیں۔

امام احمد رضا کے چارنکاتی "تدبیر فلاح ونجات واصلاح" نامی پروگرام میں تیسرا نکتہ بینک کے قیام سے متعلق ہے۔ آپ نے اس زمانے میں بینک کے قیام پر زور دیا، جب مسلمانوں میں کیا برادران وطن میں بھی Banking Habit کا بہت کم رجحان تھا۔ برادران وطن کہیں کہیں بینک قائم کرچکے تھے۔ ۱۷۷۰ء میں پہلا ہندوستانی بینک "بینک آف ہندوستان" کے نام سے قائم ہوا تھا۔ ۱۹۱۳ء تک ہندوستان میں صرف اکتالیس بینک قائم ہوسکے تھے اور ۱۹۴۰ء تک کوئی بھی مسلم بینک وجود میں نہیں آیا تھا۔ آپ نے اس زمانے میں غیر سودی اسلامک بینک کے قیام کی تجویز پیش کی تھی، جب یہ سمجھا جاتا تھا کہ بغیر بینکنگ کاروبار کیا ہی نہیں جاسکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ کم از کم برصغیر میں غیر سودی اسلامی بینک کے قیام کا تصور اگر کسی نے دیا ہے، تو وہ ہیں مجدد عصر امام احمد رضا۔

اسلامی مالی ادارے یا بینک

مذہب اسلام کے نظریہ معاشیات کے مطالعہ سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ اسلام نے بہت سے ایسے عقود کی اجازت دی ہے کہ ان پر عمل پیرا ہوکر کامیابی کے ساتھ اسلامی بینک چلائے جاسکتے ہیں۔ جیسے

(۱) شراکت: کوئی فرد کسی کے ساتھ کاروبار کرے کہ دونوں تجارت میں برابر یا کم وبیش روپے لگائیں اور جو نفع ہو دونوں اپنے مال کے تناسب سے کسی مقررہ شرح کے مطابق تقسیم کرلیں۔

(۲) مضاربت: یعنی ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے محنت، نفع کی شرح ہر حال میں فیصد کے لحاظ سے مقرر ہوگی خواہ یہ فیصلہ کتنا ہی کم یا زیادہ ہو۔

(۳) بیع عینہ: اس بیع کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی سے قرض لینا چاہتا ہے اسے قرض نہ دے کر یہ کہے کہ تم یہ سامان مجھ سے ادھار خرید لو پھر اسے بازار میں بیچ کر اپنا کام چلاؤ۔

(۴) اجارہ (کرایہ دینا)

(۵) سلم (ایڈوانس)

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا کی آواز کہ ممبئی، مدراس، کلکتہ، رنگون، حیدر آباد کے تونگر مسلمان، اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں صدا بہ صحرانہ ثابت ہوئی بلکہ جگہ جگہ مسلمانوں کے زیر اہتمام مسلم مالیاتی ادارے قائم ہو چکے ہیں اور گورنمنٹ کے بینکوں کی طرح قوم کی خدمت کر رہے ہیں ان میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو اپنے نام کے ساتھ اسلام یا مسلم یا اس طرح کے الفاظ جوڑے ہوئے ہیں، مثلاً مسلم فنڈ، اسلامی فنڈ، اسلامی کوآپریٹیو بینک وغیرہ اور یہ سب قوم کی ہمدردی کے جذبہ سے سرشار ہو کر قائم کیے گیے ہیں۔

(۳) امام احمد رضا کو رہبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی یاد تھا کہ "مومن کامل وہ ہے جو سارے جہاں کے مسلمانوں کی فلاح وترقی کو اسی طرح پسند کرے جس طرح اپنی فلاح وترقی کو پسند کرتا ہے۔" اس دور میں جب کہ مسلمانوں کی معاشی اور تعلیمی حالت دگرگوں ہے اس لیے ضروری ہے کہ اہم اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔ امام احمد رضا نے بھائی چارگی کا درس دے کر اپنی معاشی حالت کو مزید مستحکم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔

اس نکتے میں امام احمد رضا نے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ مسلم خریدار، مسلمان تاجر یا صناع سے ہی سامان خریدے تاکہ گھر کا نفع گھر میں ہی رہے۔ اس سے مسلمانوں کی حرفت وتجارت کو فروغ ملتا۔ ایک طرف کاروبار میں لگایا روپیہ (Investment) بڑھتا۔ دوسری طرف مسلمانوں کی بے کاری میں کمی ہو کر روزگار (Employment) میں اضافہ ہوتا۔ جہاں تاجروں اور صناعوں کی مالی حالت بہتر ہوتی، وہیں محنت کشوں کی بھی معاشی حالت سدھرتی اور اس طرح سے مسلم معاشرے میں ایک معاشی انقلاب آجاتا۔

مالدار مسلمان اگر بینک کا قیام عمل میں لائیں، تو مذکورہ Savings بالا کو بینک میں جمع کر کے ایک اچھا خاصا سرمایہ فراہم کیا جاسکتا ہے اور اس غیر سودی اسلامی بینک کے ذریعے یہ سرمایہ ان مسلم صناعوں، تاجروں وغیرہ کو مہیا کر کے Investment کو بڑھایا جاسکتا ہے، جن کے ذریعے ایک طرف صناع، تاجر وغیرہ منافع کما سکتے ہیں، دوسری طرف کتنے ہی محنت کشوں کو روزگار فراہم ہوسکتا ہے، چناں چہ امام احمد رضا کے اس ماڈل سے بھی وہی نتائج اخذ ہوسکتے ہیں جو کینز کے نظریہ روزگار وآمدنی سے متوقع ہیں۔

اگر قوم مسلم اپنی اشیائے ضروریات صرف مسلم تاجروں سے ہی خریدے، تو مسلم صناعوں کے کارخانوں میں تیار کیے گئے مال کی نکاسی بازار میں ہوتی رہے اور زائد از ضرورت پیداوار (Over Production) کا مسئلہ بھی درپیش نہیں آئے گا۔

(۴) اسلام نے علم کو سب سے اعلیٰ مقام دیا ہے۔ علم ہی ایمان وعمل کی بنیاد اور افضلیت کا معیار ہے تعلیم ہی مسلمانوں کو کامیابی وکامرانی کی شرط اول ہے۔ اسلامی دستور میں تعلیمات دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کرنا "ہر مرد وعورت پر فرض عین ہے (ابن ماجہ ۲۲۴، عن انس رضی اللہ عنہ) چاہے حصول علم کے لیے چین کا سفر اختیار کرنا پڑے" خیر کم من تعلم القرآن وعلمه تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ (بخاری ۵۰۵۷، عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)

تعلموا العلم وعلموه الناس علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ (شعب الایمان ۱۷۴۲ عن ابوبکر رضی اللہ عنہ)

اسلام کا مذکورہ بالا اعلان تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ تھا جو صرف اہل ایمان کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے

www.muftiakhtarrazakhan.com

علم وفضل کا دروازے کھول دینے کا موجب ہوا۔ اس لیے تعلیمی پس ماندگی کو دور کرنے کے لیے امام احمد رضا نے چوتھے نکات علم دین کی ترویج واشاعت کرنے پر زور دیا۔

تحصیل علم کے لیے اسلام نے بڑا زور دیا ہے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحصیل علم کے مواقع امت کے لیے فراہم کئے۔ جنگ بدر کے وہ قیدی جو فدیہ دینے سے عاجز تھے ان کا فدیہ یہ مقرر ہوا کہ وہ مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں اور صلہ میں آزادی کی دولت سے بہرہ ور ہوں واضح رہے کہ تمام طالب مسلمان تھے اور معلم کافر تھے۔ علم دو طرح کے ہو سکتے ہیں اول دینی علم، دوم دنیوی علم۔ کافر معلم نے مسلمان بچوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم تو نہ دی ہوگی کیوں کہ وہ کفار مکہ تھے آخر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر انہوں نے کیا پڑھایا۔ کہا جاتا ہے کہ عربی ادب کی تعلیم دی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دنیوی علم کی بھی اپنی افادیت ہے ایک روایت کا مفہوم ہے کہ علم حاصل کرو چاہے اس کے لیے آپ کو چین جانا پڑے بعض مفکرین کی رائے میں یہ روایت دنیوی علم کے حصول کی ترغیب دیتی ہے کیوں کہ چودہ سال گزر جانے کے بعد بھی چین میں علم دین کا ایسا کوئی مرکز قائم نہیں ہو سکا جو اسلامی ممالک کے مدرسوں کو آنکھیں دکھا سکے۔ ہاں! دنیوی علم میں اس کے مدارس کا آج وہ مقام ہے کہ دنیا بھر کے طلبہ حصول علم کے لیے چین کا سفر کر رہے ہیں چناں چہ دنیوی علم کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

کتابیات

(۱) تدبیر فلاح ونجات واصلاح از امام احمد رضا خاں محدث بریلوی
(۲) تقدیم پروفیسر رفیع اللہ صدیقی (کوئز یونیورسٹی کینیڈا) ناشر نوری مشن مالیگاؤں
(۳) فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم امام احمد رضا محدث بریلوی
(۴) فتاویٰ رضویہ جلد نہم امام احمد رضا محدث بریلوی
(۵) جدید بینک کاری اور اسلام از مفتی نظام الدین رضوی برکاتی، مکتبہ برہان ملت مبارک پور اعظم گڑھ
(۶) محدث بریلوی از پروفیسر مسعود احمد
(۷) امام احمد رضا ایک نئی تشکیل انجمن ثنائیہ دار الیتامی میرا روڈ ممبئی

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور ان کا طریقہ استدلال
رسالہ ''نزول آیات فرقان'' کے تناظر میں

از : مفتی محمد اختر حسین قادری
صدر مفتی دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی، یوپی

راقم الحروف کے دل میں عہد شعور سے ہی اعلی حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ کی الفت وعظمت کا چراغ روشن ہے۔ پھر جامع معقول ومنقول، استاذ الاساتذہ، یادگار اسلاف، زینت بزم تدریس استاذ گرامی علامہ الحاج الشاہ مفتی محمد شبیر حسن رضوی دامت برکاتہم العالیہ، شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، ضلع فیض آباد نے اس ستودہ صفات کا ایسا شیدائی بنایا کہ آج ہر سمت اس عاجز کی داستان عشق ووفا کا چرچا ہے۔ فللہ الحمد۔

اعلی حضرت سیدنا امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ (ولادت : ۱۲۷۲ھ، وفات : ۱۳۴۰ھ) دنیائے اسلام کی وہ نادر ونایاب شخصیت ہیں کہ کئی صدی قبل سے لے کر اب تک کوئی ان جیسا پردۂ وجود پر نظر نہیں آیا۔
وہ بیک وقت مفسر، محدث، مفتی، فقیہ، محقق، مدقق، اصولی، کلامی، نحوی، صرفی، لغوی، ادیب، شاعر اور ان گنت علم وفن اور فضل وکمال کے جامع اور علوم دینیہ ودنیویہ کا حسین گلستاں تھے۔

رب قدیر نے اپنے خزانہ عامرہ سے ان کو ایسی بصارت وبصیرت اور علوم وفنون میں مہارت وحذاقت بخشی تھی کہ عقلیں ششدر اور حیران ہیں۔ کسی مسئلہ پر قلم اٹھاتے تو کسی گوشہ کو تشنۂ تحقیق نہ رہنے دیتے۔ قوت استدلال ایسی تھی کہ منصف فوراً قائل ہو جائے اور معاند ومکابر کے منھ میں لگام لگ جائے۔ انداز بیاں اور طریقہ استدلال ایسا دل نشیں کہ باتیں دل میں اترتی چلی جائیں، آج اکناف عالم میں ان کی تحقیق کو جس قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے اس پر بے ساختہ زبان پر یہی مصرع آرہا ہے! ع

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں

اور یہ!

جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دئے ہیں

ان کی تحقیق کا اسلوب اور استدلال کا طریقہ کیسا دلچسپ اور انوکھا وترالا ہے، اسے آپ کی کتاب ''نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان'' کی روشنی میں ملاحظہ کریں!
کتاب مذکور اعلی حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے ایک نہایت مخلص ومحب پروفیسر حاکم علی لاہوری علیہ الرحمہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

کے ایک سوال کے جواب میں تحریر کی گئی ہے، جس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ ۱۳۳۹ھ میں پروفیسر صاحب نے گردش زمین کے نظریہ کی حمایت وتائید میں اپنے خیال کے مطابق قرآن کریم کی چند آیات مبارکہ اور ان کی تفسیر متعدد کتب تفسیر سے نقل فرما کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور آخر میں لکھا:

''غریب نواز! کرم فرما کر میرے ساتھ متفق ہو جاؤ تو پھر ان شاء اللہ تعالیٰ سائنس کو اور سائنس دانوں کو مسلمان کیا ہوا پاؤ''(فتاوی رضویہ، ج ۲۲، ص ۲۳۱، ناشر: امام احمد رضا اکیڈمی)

امام احمد رضا نے آغاز جواب میں محترم پروفیسر صاحب کے لئے نہایت خوش نما اور حسین وجمیل گلدستہ محبت وعنایت پیش فرمایا، چناں چہ رقم طراز ہیں:

''آپ نے اپنا لقب مجاہد کبیر رکھا ہے مگر میں تو اپنے تجربے سے آپ کو مجاہد اکبر کہہ سکتا ہوں۔ حضرت مولانا اسد الاسد الاشد مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کا لہجہ جلد سے جلد حق قبول کر لینے والا، میں نے آپ کے برابر نہ دیکھا، اپنے جمے ہوئے خیال سے فوراً حق کی طرف رجوع لے آنا جس کا میں بارہا آپ سے تجربہ کر چکا نفس سے جہاد ہے اور نفس سے جہاد جہاد اکبر ہے تو آپ اس میں مجاہد اکبر ہیں۔ بارک اللہ تعالیٰ وتقبل۔ آمین۔ امید ہے کہ بعونہ تعالیٰ اس مسئلہ میں بھی آپ ایسا ہی جلد از جلد قبول حق فرمائیں گے کہ باطل پر ایک آن کے لئے بھی اصرار میں نے آپ سے نہ دیکھا۔ وللہ الحمد۔''

اس کے بعد آپ نے حرکت زمین سے متعلق اسلامی موقف واضح فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:

''اسلامی مسئلہ یہ ہے کہ زمین وآسمان دونوں ساکن ہیں کواکب چل رہے ہیں''

آپ نے اس شہرہ آفاق اور معرکۃ الآراء مسئلہ پر اپنی مشہور زمانہ کتاب '' فوز مبین در رد حرکت زمین'' میں ایک سو پانچ (۱۰۵) دلائل وبراہین سے گردش زمین کو باطل اور سکون زمین کو ثابت فرمایا ہے۔ مگر وہ سارے دلائل عقلی اور اصول ہندسہ کے مطابق ہیں جبکہ پروفیسر صاحب نے آیات قرآنیہ اور کتب تفاسیر کو سامنے رکھ کر سوال کیا تھا۔ اسی لئے امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی اپنے استدلال میں وہ طریقہ اختیار فرمایا کہ جس سے مخاطب کا دل خود بخود وقائل حقانیت ہو جائے۔ راقم نے اس رسالہ سے مندرجہ ذیل امور اخذ کئے ہیں جو اپنے موقف کے استدلال واثبات کے لئے نہایت باوزن ہیں۔

(۱) قرآن مقدس کی آیات کریمہ۔

(۲) صحابہ کرام سے منقول تفسیرات۔

(۳) مفسرین صحابہ کے مقام ومرتبہ کی تعیین۔

(۴) احادیث مبارکہ۔

(۵) اجماع امت۔

(۶) لغات۔

(۷) قواعد نحویہ۔

(۸) ازالہ شبہات۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

استدلال بالقرآن الکریم: چنانچہ آیت کریمہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اللہ عزوجل کا ارشاد آپ کے پیش نظر ہے: {إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَن تَزُولَا وَلَئِن زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّن بَعْدِهِ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا} (سورۂ فاطر، آیت ۴۱) ترجمہ: بیشک اللہ زمین وآسمان کو روکے ہوئے ہے کہ سرکنے نہ پائیں۔ اور اگر وہ سرکیں تو اللہ کے سوا انہیں کون روکے۔ بیشک وہ حلم والا بخشنے والا ہے۔"

استدلال بالتفسیر: اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں اکابرین امت کے اقوال نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: افقہ الصحابہ بعد الخلفاء الاربعہ سیدنا عبداللہ بن مسعود وصاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کریمہ سے مطلق حرکت کی نفی مانی، یہاں تک کہ اپنی جگہ قائم رہ کر محور پر گھومنے کو بھی زوال بتایا۔ حضرت امام ابو مالک تابعی ثقہ جلیل تلمیذ حضرت عبداللہ بن عباس نے زوال کو مطلق حرکت سے تفسیر کیا۔

ذکر مراتب:

ان حضرات سے زائد عربی زبان ومعانی قرآن سمجھنے والا کون؟ اور جن بزرگوں سے یہ اقوال منقول ہیں ان کی عظمت ورفعت اور بلندئی مقام کا ذکر یوں کرتے ہیں: یہ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ وہ صحابی جلیل القدر ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسرار سکھائے، ان کا لقب ہی صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان سے اسرار حضور کی باتیں پوچھتے، اور عبداللہ تو عبداللہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ یہ جو فرمائیں اسے مضبوط تھامو۔ (تمسکو ابعھد ابن مسعود) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے (رضیت لامتی مارضی لھا ابن ام عبد، وکرھت لامتی ماکرہ لھا ابن ام عبد)

میں نے اپنی امت کے لئے پسند فرمایا جو اس کے لئے عبداللہ بن مسعود پسند کریں، اور میں نے اپنی امت کے لئے ناپسند رکھا جو اس کے لئے ابن مسعود ناپسند رکھیں۔

اور خود ان کے علم قرآن کو اس درجہ ترجیح بخشی کہ ارشاد فرمایا: (استقرؤا القرآن من اربعۃ: من عبد اللہ ابن مسعود) (الحدیث)

قرآن چار شخصوں سے پڑھو سب میں پہلے عبداللہ بن مسعود کا نام لیا، یہ حدیث "صحیح بخاری" و "صحیح مسلم" میں بروایت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اور عجائب نعمائے الہیہ سے یہ کہ آیت کریمہ {ان تزولا} کی یہ تفسیر اور یہ کہ محور پر حرکت بھی موجب زوال ہے، چہ جائے حرکت علی المدار۔ ہم نے دو صحابی جلیل القدر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی، دونوں کی نسبت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ جو بات تم سے بیان کریں اس کی تصدیق کرو۔ دونوں حدیثیں "جامع ترمذی شریف" کی ہیں، اول (ماحدثکم ابن مسعود فصدقوہ) جو بات تم سے ابن مسعود بیان کریں اس کی تصدیق کرو۔ دوم (ماحدثکم حذیفۃ فصدقوہ) جو بات تم سے حذیفہ بیان کریں اس کی تصدیق کرو، اب یہ تفسیر ان دونوں حضرات کی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسے مانو، اس کی تصدیق کرو۔ فالحمد للہ رب العلمین۔ (فتاوی رضویہ، ج ۲۲، ص ۲۳۳)

استدلال باللغات: زوال کا معنی معتبر لغات سے بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں: (۱) زوال کے اصلی معنی سرکنا، ہٹنا، جانا،

www.muftiakhtarrazakhan.com

حرکت کرنا، بدلنا ہیں۔ قاموس المحیط میں ہے "الزوال الذھاب والاستحالة"۔

اسی میں ہے "کل ما تحول (او تغیر من الاستواء اعوج) فقد حال واستحال" ایک نسخہ میں ہے "کل ما تحرك او تغیر"۔

یوں ہی عباب میں ہے: "تحول او تحرك"، تاج العروس میں ہے: "ازال الله تعالٰی زواله ای اذھب الله حرکته وزال زواله ای ذھبت حرکته"۔

نہایہ ابن اثیر میں ہے: "فی حدیث جندب الجھنی "والله لقد خالطه سھمی ولو کان زائلة لتحرك" الزائلة کل شیء من الحیوان ان یزول عن مکانه ولا یستقر، وکان ھذا المرمی قد سکن نفسه لایتحرك لئلا یحس به فیجھز علیه۔"

(الف) دیکھو زوال بمعنی حرکت ہے اور قرآن عظیم نے آسمان وزمین سے اس کی نفی فرمائی تو حرکت زمین وحرکت آسمان دونوں باطل ہوئیں۔

(ب) "زوال" جانا اور بدلنا ہے، حرکت محوری میں بدلنا ہے، اور مدار پر حرکت میں جانا بھی، تو دونوں کی نفی ہوئی۔

(ج) نیز "نہایہ" و "درمنثور" امام جلال الدین سیوطی میں ہے "الزوال الانزعاج بحیث لایستقر علی المکان وھو الزوال بمعنی واحد"۔

قاموس میں ہے "زعجه واقلقه وقلعه من مکانه کازعجه فانزعج"

لسان میں ہے "الازعاج نقیض القرار"

تاج میں ہے "قلق الشیء قلقا وھو ان لایستقر فی مکان واحد"

مفردات امام راغب میں ہے "قر فی مکانه یقر قرارًا: ثبت ثبوتا جامدا واصله من القر، وھو البرد وھو یقتضی السکون والحر یقتضی الحرکة"

قاموس میں ہے "قر بالمکان ثبت وسکن کاستقر"

دیکھو زوال انزعاج ہے، اور انزعاج قلق، اور قلق مقابل قرار اور قرار سکون، تو زوال مقابل سکون ہے اور مقابل سکون نہیں مگر حرکت تو ہر حرکت زوال ہے۔ قرآن عظیم آسمان وزمین کے زوال سے انکار فرماتا ہے لاجرم ان کی ہر گونہ حرکت کی نفی فرماتا ہے۔

(د) صراح میں ہے "زائلة جنبیدہ وروندہ وآئندہ"

زمین اگر محور پر حرکت کرتی جنبیدہ ہوتی، اور مدار پر تو آئندہ وروندہ بھی، بہر حال زائلہ ہوتی اور قرآن عظیم اس کے زوال کو باطل فرماتا ہے، لاجرم ضرور اس سے ہر نوع حرکت زائل۔ (فتاوی رضویہ، ج ۲۲، ص ۲۳۵)

استدلال بقاعدۂ نحویہ: کلمہ "تزولا" سے نحوی قاعدہ کی روشنی میں عدم حرکت پر استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: (تزولا) فعل ہے اور محل نفی میں وارد ہے اور علم اصول میں مصرح ہے کہ فعل قوۂ نکرہ میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں عام ہوتا ہے تو معنی

www.muftiakhtarrazakhan.com

آیت یہ ہوئے کہ آسمان وزمین کو کسی قسم کا زوال نہیں نہ موقع عام سے نہ مستقر حقیقی خاص سے، اور یہی سکون حقیقی ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج ۲۲، ص ۲۴۱)

آپ نے آگے چل کر متعدد حدیثوں سے "زوال" کا معنی واضح کیا ہے، اور پھر کتاب وسنت اور اقوال وارشادات امت سے مثل آفتاب روشن کیا ہے کہ کسی بھی طرح کی حرکت ہو جب بھی حرکت ہوگی تو زوال ہوگا۔ جبکہ قرآن کریم نے زوال کا انکار فرمایا ہے لہذا زمین کے لئے کسی طرح کی حرکت ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ وہ ساکن وجامد ہے۔

آخر میں آپ نے پروفیسر صاحب کے شبہات کا نہایت دلنشیں انداز میں ازالہ فرمایا ہے اور انہیں بطور نصیحت یہ تحریر عطا فرمائی۔

محب فقیر! سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات ونصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کرلیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے دلائل سائنس کو مردود و پامال کردیا جائے۔ جابجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلے کا اثبات ہو۔ سائنس کا ابطال واسکات ہو۔ یوں قابو میں آئے گی۔ (فتاوی رضویہ، ج ۲۲، ص ۲۵۱)

ارباب علم ودانش کے لئے یہ رسالہ عظیم پیغام ہے اور باطل کی سرکوبی کے لئے ایک اصولی دستاویز ہے، اس رسالہ میں امام احمد رضا قدس سرہ نے نظریہ سائنس کے مقابلہ میں مسئلہ اسلامی کو کتاب وسنت اور اجماع امت سے حیرت انگیز طور پر ثابت کیا ہے پھر مخاطب کے شبہات کا تفصیل سے ازالہ فرمایا ہے۔ ساتھ ہی سائنس کی تردید کا بہترین اور مؤثر طریقہ بھی بتادیا ہے۔ رب تعالی اسلام کے اس بطل جلیل کی تربت انور پر رحمت وغفران کی بارش فرمائے اور ان کے دریائے علم وحکمت سے ہمیں بھی حصہ بخشے۔ آمین۔

❖❖❖

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور خواتین کے حقوق

از: مفتی عبدالمالک مصباحی
چیف ایڈیٹر دو ماہی رضائے مدینہ، جمشید پور

مذاہب عالم میں اسلام ہی ایک ایسا عظیم، مقدس، قابل تقلید اور منفرد المثال مذہب ہے جس نے نوع انسانی کے ہر طبقہ کے حقوق اور فرائض متعین کر کے انسانی دنیا پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ اسلام اپنے اصول، ضابطے اور دستور حیات کی امتیازی خصوصیات کی بنیاد پر دنیا کا سب سے انوکھا اور نرالا مذہب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دین فطرت کے علاوہ سائنٹیفک مذہب کے نام سے بھی متعارف ہے۔

انسانی معاشرہ مرد اور عورت دونوں اصناف پر مشتمل ہے۔ اس لیے معاشرہ کو پاکیزہ اور صاف ستھرا رکھنے کے لیے دونوں اصناف کے حقوق و فرائض کی رعایت ناگزیر ہے۔ تاریخ کے امتداد اور زمانے کے حوادث و واقعات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جس مذہب یا معاشرے نے ان کی واقعی حیثیت کا اعتراف نہیں کیا وہ افراط و تفریط، ظلم و استبداد، نشیب و فراز اور اضطراب و بے چینی کا ایسا شکار ہوا کہ نہ صرف اس کی چولیں ہل گئیں بلکہ تباہی و بربادی کے غار عمیق میں پہنچ گیا۔ جیسا کہ مغربی تہذیب کے جنم داتاؤں کے طریقہ زندگی سے واضح ہے۔ مغربی تہذیب (جس میں اسلامی دنیا کے علاوہ تمام تہذیبیں اور مذاہب شامل ہیں) نے عورتوں کو کبھی لائق اعتنا اور قابل عزت و احترام گردانا ہی نہیں اس کے برعکس ہمیشہ اور ہر دور میں صنف نازک کا استحصال کیا گیا۔ اسے سامان عیش و نشاط سمجھا گیا اور اس کی عزت و آبرو کو تفریح طبع کا ذریعہ!

انھوں نے دنیا میں برائی اور موت کی ذمہ دار عورت کو قرار دیا حتیٰ کہ انگلینڈ کے آٹھویں بادشاہ کے دور میں پارلیامینٹ میں یہ قانون پاس کیا گیا کہ عورت اپنی مقدس کتاب انجیل کی تلاوت نہیں کر سکتی؛ کیوں کہ وہ ناپاک تصور کی جاتی تھی۔ عورت کو وہ حیثیت نہ مل سکی جس کی وہ مستحق تھی۔

ماضی کی روح فرسا اور المناک داستان تو اپنی جگہ ترقی اور بلند پروازی کے اس دور میں یورپی برادری کا عورتوں کے ساتھ سلوک انھیں کی زبانی ملاحظہ کیجیے:

"امریکی فیڈرل پولس کی رپورٹ کے مطابق ۷۹ ر فیصد مرد اپنی عورتوں کو تشدد کا نشانہ بناتے ہیں، اس طرح فرانس میں ۲۰ ر لاکھ عورتوں کو ہر سال تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ عورتوں کے حقوق کی تنظیم کی سکریٹری جنرل "میشل انڈری" (Meshal Andray) کہتی ہے کہ (تمام یورپ میں بشمول ہمارے یہاں) عورتوں کی نسبت جانوروں سے زیادہ اچھا سلوک کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کسی کتے کو سڑک پر کسی زخمی کر دیا تو وہ اس کی رپورٹ درج کروائے گا لیکن اگر کوئی مرد اپنی عورت کو سرعام سڑک پر مارے تو اس کے لیے کوئی قانون حرکت میں نہیں آتا۔ گویا مغربی معاشرے میں ایک کتے کی حیثیت عورت سے

www.muftiakhtarrazakhan.com

زیادہ ہے۔"(۱)

مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ آج یہی لوگ تہذیب وتمدن کے ٹھیکیدار اور حقوق انسانی اور آزادی نسواں کے علمبردار بنے بیٹھے ہیں اور اہل دنیا کا حال یہ ہے کہ وہ بھی انھیں کے اشارۂ ابرو پہ جان دینے کو تیار ہیں گویا:

ان سے ہے وفا کی امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

مغربی دنیا میں عورتوں کے لیے انسانی حقوق کی ابتدا

جیسا کہ گزشتہ سطور میں اشارہ کیا گیا کہ مغرب میں عورتوں کو انسانی دائرہ میں بھی نہیں شمار کیا جاتا تھا ان کے ساتھ وحشیانہ سلوک فخر و مباہات کے زمرے میں آتا تھا۔ انھیں سانپ اور بچھو سے بھی زیادہ خطرناک تصور کیا جاتا تھا ایسے روح فرسا ماحول میں جب لوگوں میں کچھ بیداری آئی اور حالات نے کروٹ لیے تو فرانس کا انقلاب برپا ہوا جس کے نتیجے میں عورت کو مکمل تو نہیں مگر جزوی حقوق حاصل ہوئے اس کے بعد ہی مغرب کی سرپرستی میں "حقوق نسواں" کی تحریک کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ ایسے میں سب سے پہلے جس خاتون نے اپنی کتاب میں عورتوں کے حقوق کے لیے آواز بلند کی اُس کا نام "میری وولسٹن کرافٹ" تھا جس کا ذکر انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں یوں کیا گیا ہے:

The First Feminist manifesto was Mary vindication of the rights of women, Wollesnstone craft.(۲)

مگر یہ کتاب اپنے ہم عصر لوگوں کو متاثر نہ کرسکی اس کے بعد جو کتاب انگلینڈ میں آزادی نسواں کا سرکاری نصاب بنی وہ "جان سٹورٹ مل" کی کتاب تھی انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق:

The book that became as it were the official text of the feminist movement in England was John Stuart Mill, subjection of Women, Published two generations later in 1869.

مِل اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"میرے لیے کسی ایسے شخص کو جو عورت کی مساوات کے سوال پر مجھ سے اتفاق کرتا ہے یقین دلانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی مجھے یقین ہے کہ باقی معاملات میں عورت کی معذوری اس لیے قائم ہے تاکہ گھریلو زندگی میں اس کی محکومی قائم رہے۔ مرد عام طور پر کسی برابر کے شخص کے ساتھ زندگی گزارنا برداشت نہیں کرسکتے اگر یہ بات نہ ہو تو تقریباً ہر شخص سیاست، معیشت کی موجودہ صورت حال کا لحاظ کرتے ہوئے یہ بات تسلیم کرے گا کہ انسانیت کے آدھے کو تمام اونچے معاشرتی فرائض سے خارج کرنا بے انصافی ہے صرف پیدائش کی بنا پر یہ حکم لگا دینا کہ وہ ایسے کاموں کے لیے نااہل ہیں یا اہل نہیں ہو سکتیں، جو قانوناً بیوقوف اور گھٹیا مردوں کے لیے کھلے ہیں، یا اگر وہ اہل بھی ہیں تب بھی ان کے خلاف ممانعت صرف اس لیے ہوتی کہ یہ سب مردوں کے فائدے کے لیے مخصوص رہیں، کہاں کا انصاف ہے؟ پچھلی دو صدیوں میں عورتوں پر پابندیوں کے جواز میں ان کا عورت ہونا ہی کافی سمجھا جاتا ہے۔"(۳)

www.muftiakhtarrazakhan.com

اس منشور سے عورتوں کو اپنی تحریک کے لیے مزید تحریک ملی اور یہ تحریک ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی عورتوں کے حقوق کی دوڑ سے آگے نکل گئی۔ پہلے نعرۂ مساوات مرد وزن اور بعد ازاں ارتقائی منازل طے کرتی دور حاضر کے آزادی نسواں کے تصور تک جا پہنچی اس تحریک نے درج ذیل ارتقائی منازل طے کیں:

تحریک حقوق نسواں کے ادوار:

پہلا دور وہ ہے جسے حقوق نسواں کی تحریک کا ابتدائی دور Early Women rights movement کہا جاتا ہے۔ جو انقلاب فرانس ۱۴؍ جولائی ۱۷۸۹ء کے بعد شروع ہوا۔

دوسرا دور وہ ہے جسے خواتین کی تفریحی تحریک کا نام دیا جاتا ہے یہ 1890ء تا 1925ء کا دور ہے۔

تیسرا دور جدید دور "تحریک نسواں کا دور جدید" کہلاتا ہے یہ دور بیسویں صدی کے آخر میں شروع ہوا اور تا حال جاری ہے۔

پہلے دو ادوار خواتین کے بنیادی حقوق کی جدوجہد سے متعلق تھے مگر تیسرے دور میں جو کہ عصر حاضر تک آ پہنچا ہے اس میں حقوق نسواں کی اس تحریک کو آزادی نسواں کی تحریک میں بدل دیا گیا۔ اس کا منشور مردوں کے برابر حقوق کی بجائے مردوں سے اظہار نفرت تک جا پہنچا اس کا اندازہ اُن عالمی کانفرنسز کے ایجنڈا سے لگایا جا سکتا ہے جو خواتین کے حقوق کی جدوجہد کے نام پر منعقد کی گئیں، چند اہم کانفرنسز درج ذیل ہیں:

خواتین کی عالمی کانفرنسز کا انعقاد:

(1) میکسیکو کانفرنس:

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 1975ء کے سال کو عالمی خواتین کا سال قرار دیا اور 1975ء میں میکسیکو شہر میں خواتین کی عالمی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا اس کانفرنس میں 133 ممالک کے وفود نے شرکت کی جن میں 113 وفود کی سربراہان خواتین تھیں اس کانفرنس کے قیام کا مقصد عورتوں کی ترقی اور حقوق کی بحالی کی طرف عالمی دنیا کی توجہ مبذول کروانا تھا اس کانفرنس میں خواتین کے حقوق مثلاً: تعلیم، طبی سہولیات کی فراہمی، سیاست میں عورتوں کی شرکت جیسے مطالبات پیش کیے گئے۔

(2) کوپن ہیگن کانفرنس:

یہ کانفرنس کوپن ہیگن میں 1980ء میں منعقد ہوئی یہ بنیادی طور پر میکسیکو کانفرنس میں تیار کردہ عالمی لائحہ عمل کے جائزہ کے لیے منعقد کی گئی۔ جس میں تقریباً 145 ممالک کے وفود نے شرکت کی۔

(3) نیروبی کانفرنس:

یہ کانفرنس خواتین کے حقوق کے لیے منعقد کی جانے والی تیسری بڑی کانفرنس تھی جو کہ 1985ء میں نیروبی میں منعقد کی گئی۔ اس کانفرنس میں مختلف سرکاری تنظیموں سے تعلق رکھنے والے تقریباً 15000 افراد نے شرکت کی جس کا مقصد ان تنظیموں کے ذریعے خواتین کے حقوق کے فروغ کے لیے سیمینار، لیکچرز، ورکشاپس کا انعقاد کرنا تھا۔

(4) بیجنگ کانفرنس:

یہ کانفرنس 15 ستمبر 1995ء کو بیجنگ میں منعقد کی گئی اس کانفرنس میں تقریباً 30000 خواتین نے شرکت کی۔ اس

www.muftiakhtarrazakhan.com

کانفرنس میں بنیادی تبدیلی یہ دیکھنے میں آئی کہ عورتوں کے مسائل سے توجہ ہٹا کر عورتوں اور مردوں میں مساوات کے نظریے پر توجہ مرکوز کی گئی، نیز یہ بھی تسلیم کیا کہ معاشرے کے پورے ڈھانچے اور اس میں عورتوں اور مردوں کے تعلقات کا دوبارہ جائزہ لیا جائے؛ کیوں کہ تشکیل نو کے ذریعے ہی عورت کو مکمل اختیارات مل سکتے ہیں۔

(5) بیجنگ پلس فائیو کانفرنس:

اقوام متحدہ کے زیر اہتمام چین کے شہر بیجنگ میں خواتین کی چوتھی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اب تقریباً 5 سال بعد نیویارک میں بیجنگ+5 کانفرنس ہو رہی ہے جو کہ 5 تا 9 جون 2000ء میں منعقد کی گئی۔

اس کانفرنس کو درج ذیل عنوان دیا گیا:

Women 2000 :Gender Equality, Development and Peace in the Twenty First Century.

اس کانفرنس نے عورت کے حقوق کی جنگ کو مادر پدر آزادی میں بدلنے میں اہم کردار ادا کیا اس کانفرنس کی درج ذیل سفارشات منظر عام پر آئیں:

خاتون خانہ کو گھریلو ذمہ داریوں اور تولیدی خدمات پر باقاعدہ معاوضہ دیا جائے۔

ازدواجی عصمت دری پر قانون سازی اور فیملی کورٹس کے ذریعے مردوں کو سزا دلوائی جائے۔

ممبر ممالک میں جنسی تعلیم پر زور دیا جائے۔

اسقاط حمل کو عورت کا حق قرار دیا جائے۔(۴)

اس میں کوئی شک نہیں کہ قدیم مغربی معاشرہ میں عورت کے ساتھ جو ناروا سلوک روا رکھا گیا اُس تناظر میں اُس کے حقوق کی جنگ نہ صرف جائز بلکہ اُس کا بنیادی حق تھا کہ اُسے معاشرتی، معاشی، سماجی، سیاسی حقوق حاصل ہوتے مگر درج بالا سفارشات میں عورت کو عائلی نظام سے ہی نکالنے کی کوشش کی گئی پھر مسلمان عورت جو پہلے ہی مغربی عورت کے مقابلے میں اسلام کے دیے گئے حقوق سے فیضیاب ہو رہی تھی وہ بھی آزادی نسواں کے اس منشور کا حصہ بن گئی۔ مذکورہ بالا کانفرنس میں مسلمان خواتین نے بھی شرکت کی حالاں کہ مسلمان خاتون کی جنگ اسلام کے دیے گئے تمام حقوق کو نافذ العمل بنانے کی ہونی چاہیے تھی کہ بدقسمتی سے اسلام نے عورت کو جو حقوق دیے مسلم ممالک کی حکومتیں اُن حقوق سے مستفید ہونے کے لیے موثر پالیسیز نہ بنا سکے یہی وجہ ہے کہ مسلمان عورت بھی جزوی طور پر مغربی تصور آزادی نسواں کی ہم خیال بن گئی۔(۵)

عورت پر اسلام کے احسانات:

مغربی طرز حیات کی بجائے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ نے انسانیت کی فلاح و بہبود اور صنف نازک کی عزت و ناموس کی حفاظت کا جو درس دیا ہے وہ یقیناً آج بھی اہل عالم کے لیے باعث اطمینان و سکون اور وجہ فلاح و نجات ہے!

اور بھلا کیوں نہ ہو کہ اسلام نے صنف نازک کو سربلندی و سرفرازی عطا کرتے ہوئے اہل ایمان سے:

"ھن لباس لکم و انتم لباس لھن۔ وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس۔(۶)

www.muftiakhtarrazakhan.com

فرما کر عورتوں کی عظمت میں چار چاند لگا دیا اور

"الرجال قوامون علی النساء۔ مرد افسر ہے عورتوں پر۔ (۷)

ارشاد فرما کر حقوق کی حد بندی کی طرف واضح اشارہ فرما دیا نیز ارشاد فرمایا:

"ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف۔ اور عورتوں کا بھی حق ایسا ہی ہے جیسا ان پر شرع کے موافق۔ (۸)

ڈاکٹر ثریا بتول اسلام اور مغرب میں مرد و عورت کے حقوق اور ان کے مقام و مرتبہ کا تعین کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"اسلام تو مرد اور عورت دونوں کی فکری اور جسمانی صلاحیتوں کے لحاظ سے معاشرے میں ان کو الگ الگ ایسا دائرہ کار مہیا کرتا ہے، جس میں کام کر کے وہ بہترین طریقے پر معاشرے کو فائدہ پہنچا سکیں اور تعمیر و تمدن میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ اس کے برعکس مرد و عورت دونوں کو مغربی نظریہ مساوات یکساں صلاحیتوں والا قرار دے کر دونوں کو ایک ہی حیثیت سے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عورت اپنی فطری صلاحیتوں کے برعکس دوسرے مقام پر استعمال کی جاتی ہے تو اس کا اپنا تشخص اور صحت بھی برباد ہو جاتی ہے۔ اور معاشرہ بھی اس کے خراب نتائج سے نہیں بچ سکتا۔ اسلام اس نظریہ مساوات کا بہت سخت مخالف ہے جہاں دونوں اصناف کا ایک ہی میدانِ کار ہو۔ اسلام کو تو یہ بھی گوارا نہیں کہ عورتیں مردوں کا سا لباس پہنیں یا رفتار و گفتار میں ان جیسا بننے کی کوشش کریں۔ اللہ نے جس کو جو کچھ بنا دیا ہے، وہ اس پر مطمئن اور قانع رہے۔

"اسلام دین فطرت ہے اس نے دونوں صنفوں کو ان کی فطرت، افتادِ طبع اور مزاج کے مطابق ذمہ داریاں دی ہیں۔ اس تقسیم سے کوئی نہ تو اول درجہ کا شہری بنتا ہے اور نہ کوئی دوم درجہ کا، آخر مکمل مساوات کے حقیقی تقاضوں پر بھی غور کرنا چاہیے! کیا عورت پر ہر ماہ، ہر سال یا دو سال بعد ایسے طویل دور نہیں آتے جن کے دوران میں وہ غیر معمولی جسمانی اور ذہنی محنت، مشقت کا کوئی کام نہیں کر سکتی، پھر بھی نسل انسانی کے حمل، رضاعت، پرورش اور تربیت کے ساتھ ساتھ فکر معاش کا بوجھ اس کے نازک کندھوں پر لاد دینا کیا عورت کے ساتھ ہمدردی ہوگی؟" (۹)

اس روئے زمین پر عورتوں کا جس طرح استحصال کیا گیا اس کی داستان بڑی طویل اور المناک ہے۔ ہر دور اور زمانے میں الگ الگ انداز میں اس پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے گئے۔ مغربی اخلاق و کردار کی اندھی تقلید نے عورتوں کے حقوق کی دھجیاں اڑا دیں اور انھیں پھر ماضی کی طرف ڈھکیل کر انھیں سامان عیش و طرب ہی تک محدود کیا جانے لگا تو جن سلیم الفطرت افراد نے ان کے حقوق کی بازیابی اور عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے اپنی عملی و فکری صلاحیتیں صرف کیں۔

ان میں ایک نمایاں نام امام احمد رضا فاضل بریلوی (۱۸۵۶۔۱۹۲۱ء) کا بھی ہے۔ جن کی بے لوث دینی اور مذہبی خدمات کی بنیاد پر دنیا انھیں چودہویں صدی کا مجدد مانتی ہے۔ انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے علمی دنیا میں جو مقام پیدا کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے مگر ان کی حیات کا یہ گوشہ بھی اپنی جگہ کم حیرت انگیز نہیں کہ انھوں نے صرف علمی خدمات ہی انجام نہیں دیں بلکہ ان کی خدمات کی فہرست میں سماجی خدمات کا باب بھی بہت نمایاں اور روشن و تابندہ ہے۔ امام احمد رضا کا دور علمی، فکری، سیاسی اور سماجی ہر اعتبار سے بڑا پر آشوب اور پرفتن دور تھا بڑے اصحاب جبہ و دستار گوشۂ عافیت میں اپنی پگڑی کی سلامتی سمجھ رہے تھے مگر امام احمد رضا نے اپنے مقام و مرتبہ کے بلند و مینار کو نہ دیکھتے ہوئے قوم و ملت کی عزت و وقار کو دیکھا اور جب بھی جس

www.muftiakhtarrazakhan.com

سمت ضرورت پڑی سرفروشانہ انداز میں اس طرف اصلاح و درستگی میں لگ گئے۔

امام احمد رضا کی حیات طیبہ کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ آپ نے اپنی پوری زندگی قوم وملت کے لیے وقف کردی تھی جب، جہاں اور جیسی ضرورت پڑتی آپ وہاں قوم کی رہبری اور رہنمائی کرتے نظر آئے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور نگہداشت ہے۔ امام احمد رضا کا دور انگریزوں کے عروج کا دور تھا انگریزی تہذیب کا بہاؤ لوگوں کے اخلاق و کردار کے علاوہ دین و ایمان کو بھی سبوتاژ کررہا تھا امام احمد رضا نے ان تمام محاذ پر کام کرتے ہوئے اپنی خدمات کی گہری چھاپ چھوڑی ہے۔ سردست عورتوں کے حقوق کے تعلق سے چند باتیں یہاں سپرد قرطاس کی جارہی ہیں۔

امام احمد رضا نے پیدائش سے لے کر موت تک عورتوں کے تمام حقوق کی حفاظت کا کام کیا ہے۔ اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''فتاویٰ رضویہ'' میں حقوق کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

''یہ ساٹھ حق تو پسر و دختر سب کے ہیں۔''

پھر آگے لکھتے ہیں:

''خاص دختر کے حقوق سے ہے کہ اس کے پیدا ہونے پر ناخوشی نہ کرے بلکہ نعمت الٰہیہ جانے۔ اسے سینا پرونا کاتنا کھانا پکانا سکھائے سورہ نور کی تعلیم دے ہرگز ایسی بات نہ سکھائے جو احتمال فتنہ رکھتی ہو۔ بیٹیوں سے زیادہ دل جوئی اور خاطر داری رکھیں کہ ان کا دل بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ دینے میں انہیں اور بیٹوں کو کانٹے کی تول برابر رکھے جو چیز دے پہلے انھیں دے کر بیٹوں کو دے۔ نو برس کی عمر سے نہ اپنے پاس سلائے نہ بھائی وغیرہ کے ساتھ سونے دے اس عمر سے خاص نگاہ داشت شروع کرے شادی، برات میں جہاں گانا ناچ ہو ہرگز نہ جانے دیں اگرچہ خاص اپنے بھائی کے یہاں ہو کہ گانا سخت سنگین جادو ہے۔ اور ان نازک شیشوں کو تھوڑی ٹھیس بہت ہے۔ بلکہ ہنگاموں میں جانے کی مطلق بندش کریں گھر کو ان پر زندہ کردے بالا خانوں پر نہ رہنے دیں گھر میں لباس و زیور سے آراستہ کریں کہ پیام رغبت کے ساتھ آئیں۔ جب کفو ملیں نکاح میں دیر نہ کریں حتی الامکان بارہ برس کی عمر میں بیاہ دے۔ زنہار زنہار کسی فاسق فاجر خصوصاً بدمذہب کے نکاح میں نہ دے یہ ایسا حق ہے کہ اس وقت کی نظر میں احادیث مرفوعہ سے خیال میں آئے ان میں اکثر مستحبات ہیں جن کے ترک پر اصلاً مواخذہ نہیں اور بعض پر آخرت میں مطالبہ ہو مگر دنیا میں بیٹے کے لیے باپ پر گرفت و جبر نہیں، نہ بیٹے کو جائز کہ بات سے جدال و نزاع کرے سوائے چند حقوق کے کہ ان میں جبر حاکم اور چارہ جوئی واعتراض کو دخل ہے۔ اول نفقہ کہ باپ پر واجب ہو اور وہ نہ دے تو حاکم جبراً مقرر کرے گا نہ مانے تو قید کیا جائے گا حالاں کہ فروع کے اور کسی دین میں اصول محبوس نہیں ہوتے فی رد المحتار عن الذخیرہ لا یحبس والد وان علا فی دین ولدہ وان سفل الا فی النفقۃ لان فیہ اتلاف الصغیر۔ دوم رضاعت کی ماں کے دودھ نہ ہو تو دائی رکھنا بے تنخواہ نہ ملے تو تنخواہ دینا واجب نہ دے تو جبراً لی جائے گی جب کہ بچہ کا اپنا مال نہ ہو یوں ہی ماں بعد طلاق و مرور عدت بے تنخواہ دودھ نہ پلائے تو اسے بھی تنخواہ دی جائے گی کما فی الفتح و رد المحتار۔ سوم حضانت کہ لڑکا سات برس لڑکی نو برس کی عمر تک جن عورتوں مثلاً: ماں نانی دادی بہن خالا پھوپھی کے پاس رکھے جائیں گے اگر ان میں کوئی بے تنخواہ نہ مانے اور بچہ فقیر اور باپ غنی ہے تو جبراً تنخواہ دلائی جائے گی کما اوضحہ فی رد المحتار چہارم بعد انتہائے حضانت بچہ کو اپنی حفظ و

www.muftiakhtarrazakhan.com

صیانت میں لینا باپ پر واجب ہے اگر نہ لے گا حاکم جبر کرے گا کما فی ردالمحتار عن شرح المجمع پنجم ان کے لیے ترکہ باقی رکھنا کہ بعد تعلق حق ورثہ یعنی بحالت مرض الموت مورث اس پر مجبور ہوتا ہے یہاں تک کہ ثلث سے زائد میں اس کی وصیت بے اجازت ورثہ نافذ نہیں۔ ششم اپنے بالغ بچے کو غیر کفو سے بیاہ دینا یا مہر مثل میں غبن فاحش کے ساتھ مثلاً دختر کا مہر مثل ہزار ہے پانسو پر نکاح کر دیا بہو کا مہر مثل پانسو ہے ہزار باندھ لینا یا پسر کا نکاح کسی باندی سے یا دختر کا کسی ایسے شخص سے جو مذہب یا نسب یا پیشہ یا افعال یا مال میں وہ نقص رکھتا ہو جس کے باعث اس سے نکاح ہو جب عار ہو ایک بار تو ایسا نکاح باپ کا کیا ہوا نافذ ہوتا ہے جب کہ نشہ میں نہ ہو مگر دوبارہ اپنے کسی نابالغ بچے کا ایسا نکاح کرے گا تو اصلاً صحیح نہ ہوگا کما قد منا فی النکاح ہفتم فتنہ میں بھی ایک صورت جبر کی ہے اگر کسی شہر کے لوگ چھوڑ دیں سلطان اسلام انھیں مجبور کرے گا نہ مانیں گے تو ان پر جہاد فرمائے گا کما فی درالمختار واللہ تعالیٰ اعلم۔'' (۱۰)

آج معاشرہ خانگی نظام کے اتھل پتھل ہونے کی وجہ سے میدان کارزار بنا ہوا ہے خاص طور سے میاں بیوی کے حقوق کی رعایت نہ ہونے کی وجہ سے حالات نہایت ناگفتہ بہ ہو چکے ہیں۔ آج کے اس میڈیائی دور میں معاملہ معاشرہ سے نکل کر ملک کے اسٹیج پر پہنچ گیا ہے جس کی وجہ سے جگ ہنسائی جو ہو رہی ہے وہ تو ہو ہی رہی ہے ڈائرکٹ اسلام نشانے پر لے لیا گیا ہے۔ جس کے اثرات نسلوں کو متاثر کر رہے ہیں۔ امام احمد رضا نے انھیں حالات پر قابو پانے کے لیے برسوں پہلے فرزندان اسلام کو تاکید کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''زن و شوہر کے دوسرے پر حقوق کثیرہ واجب ہیں ان میں جو بجا نہ لائے گا اپنے گناہ میں گرفتار ہوگا ایک اگر ادائے حق نہ کرے تو دوسرا اسے دستاویز بنا کر اس کے حق ساقط نہیں کر سکتا مگر وہ حقوق کہ دوسرے کے کسی حق پر مبنی ہوں گے اگر یہ اس کا ایسا حق ترک کرے وہ دوسرا اس کے یہ حقوق کہ اس پر مبنی تھے ترک کر سکتا ہے جیسے عورت کا نان ونفقہ کہ شوہر کے یہاں پابند رہنے کا بدلہ ہے اگر ناحق اس کے یہاں سے چلی جائے گی جب تک واپس نہ آئے گی کچھ نہ پائے گی غرض واجب ہونے کا مطالبہ ہونے پر بے وجہ شرعی ادا نہ کرنے سے گنہگار ہونے میں تو حقوق زن شوہر برابر ہیں ہاں! شوہر کے حقوق عورت پر بکثرت ہیں اور اس پر وجوب بھی اشد واکد۔ ہم اس پر حدیث لکھ چکے کہ عورت پر سب سے بڑا حق شوہر کا ہے یعنی ماں باپ سے بھی زیادہ اور مرد پر سب سے بڑا حق ماں کا ہے یعنی زوجہ کا اس سے بلکہ باپ سے بھی کم وذلک بما فضل اللہ بعضھم علی بعض واللہ تعالیٰ اعلم۔'' (۱۱)

اسی طرح یہ گانے بجانے کہ ان بلاد میں معمول ورائج ہیں۔ بلاشبہ ممنوع وناجائز ہیں۔ خصوصاً وہ ناپاک ملعون رسم کہ خرافات بے تمیز، احمق جاہلوں نے شیاطین ہنود، ملاعین بے ہود سے سیکھی یعنی فحش گالیوں کے گیت گوانا، اور مجلس کے حاضرین و حاضرات کو لچھے دار سنانا، سمدھیانہ کی عفیف پاک دامن عورتوں کو الفاظ زنا سے تعبیر کرانا، خصوصاً اس ملعون و بے حیا رسم کا مجمع زناں میں ہونا، ان کا اس ناپاک فاحشہ حرکت پر ہنسنا، قہقہے اڑانا، اپنی کنواری لڑکیوں کو یہ سب سنا کر بدلحاظیاں سکھانا، بے حیا، بے غیرت، خبیث، بے حمیت مردوں کے اختلاط کو جائز رکھنا۔ کبھی برائے نام لوگوں کے دکھاوے کو جھوٹ سچ ایک آدھ بار جھڑک دینا مگر بندوبست قطعی نہ کرنا۔ یہ وہ شنیع گندی مردود رسم ہے جس پر صدہا لعنتیں اللہ عزوجل کی اترتی ہیں، اس کے کرنے

www.muftiakhtarrazakhan.com

والے اس کے راضی ہونے والے، اپنے یہاں کافی انسداد نہ کرنے والے، سب فاسق، فاجر، مرتکب کبائر، مستحق غضب جبار و عذاب نار ہیں۔ العیاذ باللہ تبارک وتعالیٰ۔ اللہ مسلمانوں کو ہدایت بخشے۔ آمین۔

جس شادی میں یہ حرکتیں ہوں مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس میں ہرگز شریک نہ ہوں اگر نادانستہ شریک ہو گئے تو جس وقت اس قسم کی باتیں شروع ہوں یا ان لوگوں کا ارادہ معلوم ہو سب مسلمان مرد و عورت پر لازم ہے کہ فوراً فوراً اسی وقت اٹھ جائیں، اور اپنی جورو، بیٹی، بہن کو گالی نہ دلوائیں ورنہ یہ بھی ان ناپاکیوں میں شریک ہوں گے اور غضب الٰہی سے حصہ لیں گے۔ العیاذ باللہ رب العلمین۔

زنہار زنہار اس معاملہ میں حقیقی بھائی بہن بلکہ ماں باپ کی بھی رعایت و مروت روا نہ رکھیں کہ لا طاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالیٰ [اللہ کی نافرمانی کے کام میں کسی کی فرماں برداری نہیں۔ حدیث]

ہاں شریعت مطہرہ نے شادی میں بغرض اعلان نکاح صرف دف کی اجازت دی ہے جب کہ مقصود شرع سے تجاوز کر کے لہو مکروہ و تحصیل لذت شیطانی کی حد تک نہ پہنچے۔ ولہذا، علما شرط لگاتے ہیں کہ قواعد موسیقی پر نہ بجایا جائے تال سم کی رعایت نہ ہو، نہ اس میں جھانج ہوں کہ وہ خواہی نخواہی مطرب و ناجائز ہیں۔

پھر اس کا بجانا بھی مردوں کو ہر طرح مکروہ ہے نہ شرف والی بیبیوں کے مناسب۔ بلکہ نابالغہ چھوٹی بچیاں یا لونڈیاں باندیاں بجائیں اور اگر اس کے ساتھ سادے اشعار یا سہرے سہاگ ہوں جن میں اصلاً فحش ہو، نہ کوئی بے حیائی کا ذکر، نہ فسق و فجور کی باتیں، نہ مجمع زناں یا فاسقاں میں عشقیات کے چرچے نہ نامحرم مردوں کو نغمۂ عورت کی آواز پہنچے۔ غرض ہر طرح منکرات شرعیہ و مظان فتنہ سے پاک ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسے انصار کرام کی شادیوں میں سمدھیانے جا کر یہ شعر پڑھا جاتا تھا۔

اتینا کم اتینا کم   فحیانا و حیا کم

ہم تمھارے پاس آئے، ہم تمھارے پاس آئے اللہ ہمیں زندہ رکھے تھیں بھی جلائے۔

بس اس قسم کے پاک صاف مضمون ہوں، اصل حکم میں تو اس قدر کی رخصت ہے مگر حال زناں کے مناسب یہ ہے کہ مطلق بندش کی جائے کہ جہال حال خصوصاً زنان زمان سے کسی طرح امید نہیں کہ انھیں جو حد باندھ کر اجازت دی جائے اس کی پابند رہیں اور حد مکروہ و ممنوع تک تجاوز نہ کریں۔ لہذا، سرے سے فتنہ کا دروازہ ہی بند کیا جائے۔ نہ انگلی ٹیکنے کی جگہ پائیں گے نہ آگے پاؤں پھیلائیں گے۔ خصوصاً بازاری فاجرہ فاحشہ عورتوں، رنڈیوں، ڈومنیوں کو تو ہرگز قدم نہ رکھنے دیں کہ ان سے حد شرعی کی پابندی محال عادی ہے وہ بے حیائیوں، فحش سرائیوں کی خوگر ہیں، منع کرتے کرتے اپنا کام کر گزریں گی۔ بلکہ شریف زادیوں کا ان آوارہ بدوضعوں کے ساتھ آنا ہی سخت بیہودہ و بے جا ہے۔ صحبت بد زہر قاتل ہے اور عورتیں نازک شیشیاں جن کے ٹوٹنے کو ہلکی ٹھوس بہت ہوتی ہے۔

انسان نما بھیڑیوں سے عورتوں کی عصمت و عزت کی حفاظت کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے اس خاص نکتہ کی طرف بھی آپ نے توجہ فرمائی جدھر عموماً عقیدت کی وجہ سے نگاہ نہیں اٹھتی ہے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

سوال: اگر کوئی عورت جوان یا بڑھیا عالم شریعت، واقف طریقت، جامع شرائط سے بیعت کرے اور اپنے پیر سے فیض لیوے حجاب شرعی تو ہو یعنی کل بدن چھپا ہوا بلا چہرے کے مگر حجاب عرفی نہ ہو تو یہ بیعت کرنے اور اس طریق سے فیض لینا جائز یا نا جائز۔ بینوا توجروا

الجواب: پردہ کے باب میں پیر وغیر پیر ہر اجنبی کا حکم یکساں ہے جوان عورتوں کو چہرہ کھول کر بھی سامنے آنا منع ہے فی در المختار تمنع المراۃ الشابۃ من کشف الوجہ بین رجال لخوف الفتنۃ. اسی میں ہے: اما فی زماننا فمنع من الشابۃ قھستانی اور بڑھیا کے لیے جس سے احتمال فتنہ نہ ہو مضائقہ نہیں، فیہ ایضا اما العجوز التی لا تشتھی فلا باس بمصافحتھا ومس یدھا ان امن. مگر ایسے خاندان کی نہ ہو جس کا یوں بھی سامنے آنا اس کے اولیا کے لیے باعث ننگ و عار یا خود اس کے واسطے وجہ انگشت نمائی ہو، فاناقد امرنا ان ننزل الناس منازلھم کما فی حدیث ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ عنھا و فی حدیث مرفوع ایاك و ما یسوء الاذن، خصوصا جب کہ اس کے سبب جانب اقربا سے احتمال ثوران فساد ہو فان الفتنۃ اکبر من القتل واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱۲)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک فاحشہ مسلمہ سے پردہ جو آیا ہے وہ جس مصلحت سے معلوم ہے مگر ایسا موقع ہو کہ باہم فاحشہ اور غیر فاحشہ قرابت اخوت عینی کی رکھتی ہوں تو وہ بھی اس حکم میں داخل ہے یا نہیں اور اگر کبھی کبھی بمقتضائے محبت خون اسے اپنے سے مل لینے دے تو کیا مرتکب کبیرہ ہوگی بینوا توجروا

الجواب: قول العلماء لا ینبغی للمراۃ الصالحۃ ان تنظر الیھا المراۃ الفاجرۃ کما فی السراج الوھاج و الھندیۃ و رد المحتار اور اسی طرح ارشاد الٰہی عزوجل ہے: و اما ینسینك الشیطان فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین۔ (سورۂ انعام: ۶۸) ہر صورت کو عام ہے اور مصلحت بھی عام بلکہ ایسی قرابت قریبہ میں برا اثر پڑنے کا زیادہ احتمال کہ اجنبیہ سے نہ اتنا میل ہوتا ہے اور نہ اس کی طرف اتنا میل والمھاجرۃ لا مثال ھذا لا یعد من القطع المنھی عنہ فقد صح مثلہ عن الصحابۃ رضی اللہ عنھم فی اقل من ھذا منھم عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنھما، ہاں! یہ حکم احتیاطی ہے اگر نادرا کبھی کچھ دیر کو اسے مل لینے دے دے تو کبیرہ نہیں کما یدل علیہ قولھم لا ینبغی مگر احتیاط ضروری ہے جب دیکھے کہ اب کچھ برا اثر پڑتا معلوم ہوتا ہے تو فورا انقطاع کلی کرے اور اس کی صحبت کو آگ جانے اور انصاف یہ ہے کہ برا اثر پڑتے معلوم نہیں ہوتا جب پڑ جاتا ہے تو پھر احتیاط کی طرف ذہن جانا قدرے دشوار ہے لہذا، امان وسلامت جدا رہنے ہی میں ہے وباللہ التوفیق، مولانا قدس سرہ العزیز مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

تا توانی دور شو از یار بد | یار بد بدتر بود از مار بد
مار بد تنہا ہمیں بر جاں زند | یار بد بر جان و بر ایماں زند

واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳)

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے عورتوں کے حقوق کے تعلق سے جو بھی شوشے اور گوشے ہو سکتے تھے انھیں نہایت ذمہ داری اور عمق نگاہی سے بیان کر کے اپنا فرض منصبی ادا کیا ہے۔ اس حوالے سے مندرجہ ذیل اقتباس بھی پڑھنے سے

www.muftiakhtarrazakhan.com

تعلق رکھتا ہے، جس میں آپ نے دوٹوک انداز میں واضح کردیا کہ نکاح ثانی کر لینے سے عورت کو وراثت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید کے پاس۔۔۔۔۔۔ روپے بکر کے جمع ہیں اور بکر مر گیا اور اس کی وارث ایک بی بی ہے کہ اس نے اب دوسرا نکاح کرلیا اور ایک بھائی حقیقی اور دو بھائی چچا زاد ہیں تو ہر ایک کو اس میں سے کس قدر حصہ ملنا چاہیے اور سوائے اس کے ارادہ بکر کا حج کا تھا اور حج اس پر فرض بھی تھا لیکن مرتے وقت کوئی وصیت اس روپے کی بابت نہیں کی تھی سو اس صورت میں زید اگر چاہے تو اس کی طرف سے حج بھی کرا سکتا ہے یا نہیں؟ فقط مکرر یہ کہ مرتے وقت بکر کے حواس بھی درست نہیں تھے۔ بینوا توجروا

الجواب: زید کو اس روپے میں کسی تصرف کا اختیار نہیں کہ وہ امانت دار تھا اب اس امانت کے مالک وارثان بکر ہوئے زید پر واجب ہے کہ سب روپے انہیں واپس دے قال اللہ تعالیٰ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اہلہا (نساء:۵۸) بے شک اللہ عزوجل حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچادو۔

روپے اور کچھ ترکہ بکر ہو بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم دین ومہر ووصیت چار سہم پر منقسم ہو کر ایک سہم اس کی زوجہ اور تین حقیقی بھائی کو پہنچیں گے چچا زاد بھائیوں کا کچھ حق نہیں نکاح ثانی کر لینا عورت کے مہر یا میراث کو ساقط نہیں کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴)

نام نہاد کلمہ گویوں سے بھی اگر عورتوں کی عظمت تار تار ہوئی تو امام احمد رضا ایسوں کی خبر گیری کے لیے بھی سینہ سپر ہو کر میدان عمل میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ مثلاً ایک وہابی مولوی نے اولاد رضیعہ ومرضعہ (یعنی جسے دودھ پلایا گیا اور جس نے دودھ پلایا) کے درمیان نکاح کے جواز کا فتویٰ دے دیا۔ جب آپ کی خدمت میں یہ استفتا کیا گیا اور اس بدعقیدہ مولوی کا فتویٰ آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ کی غیرت اسلامی بھڑک اٹھی اور حمیت ایمانی جوش میں آگئی اور آپ نے عالم جلال میں پورا ایک عظیم الشان رسالہ الجمل الحسن فی حرمۃ ولد اخ اللبن [۱۳۳۰ھ] اولاد رضیع اور اولاد مرضعہ کے درمیان حرمت نکاح کا عمدہ اور روشن بیان لکھ کر حقوق نسواں کی حفاظت وصیانت کا حق ادا کیا۔ اس رسالہ کی ایک دلیل اور امام احمد رضا کا تیور ملاحظہ کیجیے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب۔ (صحیح مسلم، کتاب الرضاع) رواہ الائمۃ احمد والبخاری ومسلم وابو داود وابن ماجہ عن ام المؤمنین الصدیقۃ و احمد ومسلم والنسائی وابن ماجہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین۔ جو نسب سے حرام ہے وہ دودھ سے بھی حرام ہے۔ (اس کو ائمہ کرام احمد، بخاری، مسلم، ابوداود اور ابن ماجہ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور امام احمد، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا ہے۔)

بھانجا بھانجی، بھتیجا بھتیجی نسب سے حرام ہیں یا نہیں؟ ضرور ہیں تو دودھ سے بھی قطعاً حرام ہیں، اور شک نہیں کہ اپنی نسبتی ماں کی رضاعی اولاد اپنی بہن بھائی ہے، تو اس اولاد کی نسبتی اولاد اپنے سے یہی رشتے رکھتی ہے۔ اسے یوں سمجھیے مثلاً: زید کی ماں ہندہ کا دودھ عمرو نے پیا، تو عمرو اور زید رضاعی بھائی ہوئے تو ہندہ مرضعہ کی بیٹی لیلیٰ بھی عمرو رضیع کی بہن نہ ہوگی کہ جب ہندہ کا بیٹا زید کا بھائی نہ ہوا تو ہندہ کی بیٹی لیلیٰ کس رشتہ سے عمرو کی بہن ہو جائے گی، حالاں کہ وہ بنص قطعی قرآن عمرو کی بہن ہے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

قال اللہ تعالیٰ: وامھتکم التی ارضعنکم و اخواتکم من الرضاعۃ۔(النساء:۱۵)(۱۵)اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمھاری مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا اور تمھاری رضاعی بہنیں۔''

وعلیٰ ہذا القیاس باقی سب صورتیں، اور جب مرضعہ کی سب اولاد رضیع کے بھائی بہن ہو گئے تو رضیع کی اولاد مرضعہ کے لیے یقیناً اپنے بہن بھائی کی اولاد ہے، اور اپنے بھائی بہن کی اولاد یقیناً، قطعاً، اجماعاً حرام ہے تو پھوپھی بھتیجے یا چچا بھتیجی یا خالہ بھانجے یا ماموں بھانجی کا زنا کیوں کر حلال ہو سکتا ہے! ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

بیوہ عورتوں کے تعلق سے عام لوگ افراط و تفریط کے شکار تھے۔ جس کی وجہ سے ان عورتوں کے حقوق کی پامالی ہو رہی تھی، امام اہل سنت نے جب اس طرف اپنی توجہ مبذول کی اور لوگوں کے افکار و خیالات پر نشتر زنی کر کے مرہم لگانے کا کام کیا تو اطائب التھانی فی النکاح الثانی (۱۳۱۲) نامی رسالہ لکھ کر سماجی رسم و روج اور غلط نظریات کی بیخ کنی فرمائی، اس رسالہ کے اخیر میں خلاصہ تحریر فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

'' خلاصہ مقصود یہ ہے کہ عوام جو نکاح بیوہ کو باتباع رسم مردود و عنود ننگ و عار سمجھتے ہیں اور کیسی حالت حاجت و ضرورت شدیدہ ہو معاذ اللہ حرام کے مثل اس سے احتراز رکھتے ہیں برا کرتے ہیں اور بہت برا کرتے ہیں بیجا پر ہیں اور سخت بیجا پر خان صاحب شیخ صاحب مرزا صاحب درکنار وہ کوئی حضرت میر صاحب ہی ہوں تو کیا ان کی بیٹیاں بہنیں محمد رسول اللہ کی خاص جگر پاروں سیدۃ النساء بتول زہرہ رضی اللہ عنہا کی بطنی صاحبزادیوں سے زیادہ عزت والیاں بڑھ کر غیرت والیاں ہیں جن کے دو دو تین تین اور اس سے بھی زائد ہوئے۔ سبحان اللہ! چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ مسلمانو! ذرا کلمہ پڑھنے کا شرم کرو اور اپنے آقا و مولی اپنے بادشاہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت چھوڑ کر ناپاکوں گندوں اینٹ پتھر کے بندوں کے قدم پر قدم نہ دھرو ذرا غور تو کرو کس کی راہ چھوڑتے اور کس گمراہ کے پیچھے دوڑتے ہو۔

بقول دشمن پیاں دوست بشکستی　　　ببیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی

نکاح کی چھ صورتیں اور ان کے احکام مفصلاً گزرے انھیں بغور دیکھو اور بصدق عمل میں لاؤ کہ دنیا اور آخرت کے منافع پاؤ اور اس اسم نیک کے طعن و تشنیع سے قطعاً باز رہو کہ کہیں اس اندھے کوئیں میں گر کر نور ایمان کو خیر آباد نہ کہہ دو۔ ادھر ان حضرات اہل تکفیر سے التماس کے شوق میں منکر کو اٹھائے برے رسم کو مٹائیے گر ذرا اپنا بھی نفع و نقصان دیکھے بھالے میں رو کے سنبھالے یہ موقع ہے اوروں کو نصیحت آپ لو فضیحت۔ اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ کی عظمت جانو تو اہل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سخت آفت مانو یہاں خیال قابو میں ہے جسے چاہو کافر بتاؤ، مشرک کہہ جاؤ اس دن کا بھی کچھ جواب بنا رکھو جب لا الٰہ الا اللہ کو اپنے قائلوں کی طرف سے جھگڑتا دیکھو، لا الٰہ الا اللہ کے اتارنے والے اہل لا الٰہ الا اللہ کو ہدایت فرما اور ہمیں لا الہ الا اللہ کے سچے ایمان پر دنیا سے اٹھا، آمین ثم آمین۔''(۱۶)

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے عورتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے ان تمام صورتوں پر عمل کی سختی سے تاکید فرمائی ہے جو ان کے اخلاق و کردار کو متاثر کرنے والی ہیں۔ عورتوں کے لیے غیر مردوں کی صحبت تو زہر قاتل ہے ہی بازاری عورتوں، کافروں اور عام عورتوں کی صحبت سے آپ حتی المقدور روکنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ ایسی ہی عورتوں کی صحبت کے تعلق

www.muftiakhtarrazakhan.com

سے ایک سوال کے جواب میں آپ کا سیال خامہ کس برق رفتاری سے چلتا ہے؟ ذیل میں نقل کیے گئے جواب سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ نے اس کے مختلف پہلوؤں کو جس ماہرانہ اور حکیمانہ انداز سے قلمبند کیا ہے اسے پڑھ کر جہاں آپ کے خلوص کا اندازہ ہوتا ہے وہیں صنف نازک کی آخرت سنوارنے کی بے انتہا فکر بھی اجاگر ہوکر سامنے آتی ہے۔ امت مسلمہ کے اخلاق و کردار کی اسی بے چینی نے آپ کو ملت کا غم خوار اور مسیحا بنادیا۔ ذیل میں مسئلہ ملاحظہ کیجیے اور امام احمد رضا کے درد و کرب کو محسوس کرنے کی کوشش کیجیے:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورات طوائف پیشہ خواہ بلا نکاح ایک کی پابند ہوں یا نہ ہوں ان سے اور ان کے ذکور سے اختلاط واتحاد رکھنا اور شادی اور مجلسوں میں اپنے مکانات پران کو بطور برادرانہ بلانا اور اپنی عورتوں کو بے پردہ طوائفوں کے سامنے کرنا اور جو لوگ شامل و شریک ان طوائفوں کے رہتے ہیں ان کو بہ نیت ترقی اعزاز وافتخار ایک دستر خوان پر اور دیگر اہل اسلام کو بھی ان کے ساتھ کھلانا پلانا اور ایسے ذکور واناث کے یہاں خود جاکر کھانا اور دوسروں کو طوائفوں کی دعوتوں میں لے جانا اور جو مسلمان ایسے برتاؤ اچھانہ سمجھتا ہو اس کو برا کہنا بلکہ اس رواج کے قائم دائم رکھنے میں اپنی کوشش کرنا یہ سب جائز ہے یا ناجائز اور ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے اور مورثوں کو نابالغ بچوں کو فحش گیت گانے یا فحش کلام کرنے سے منع نہ کرنا کس درجہ کا گناہ ہے؟ کتاب سے بیان فرماؤ رحمٰن سے ثواب پاؤ گے۔

الجواب: ایسی حرکات نہایت شنیع و ناپاک اور ایسے اشخاص سراسر خطاکار و بے باک اور ایسے برتاؤ معاذاللہ باعث عذاب و ہلاک ہیں رنڈی اگر چہ بلا نکاح ایک کی پابند ہو علانیہ فاحشہ زانیہ اور اس کے مرد قلتبان و دیوث ہیں یہ سب کے سب ہر وقت اللہ عزوجل کے غضب میں ہیں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

تفتح ابواب السماء نصف اللیل فینادی منادمن داع فیستجاب له؟ هل من سائل فیعطی؟ هل من مکروب فیفرج عنه؟ فلا یبقی مسلم یدعو الله بدعوة الاستجاب الله عز وجل له الازانیة تسعی بفرجها اوعشار۔ آدھی رات کو آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور منادی ندا کرتا ہے کوئی دعا کرنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول فرمائی جائے۔ ہے کوئی مانگنے والا کہ اسے عطا کریں۔ ہے کوئی مصیبت زدہ کہ اس کی مشکل کشائی ہو۔ اس وقت جو مسلمان اللہ عزوجل سے کوئی دعا کرتا ہے مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ قبول فرماتا ہے مگر زانیہ کہ اپنی فرج کی کمائی کھاتی ہے یا لوگوں سے بیجا محاصل تحصیلنے والا، رواہ احمد بسند مقارب۔

والطبرانی فی الکبیر واللفظ له عن عثمان بن ابی العاص رضی الله عنه رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

ثلثة لایدخلون الجنة ابدا الدیوث والرجلة من النساء و مدمن الخمر۔ تین شخص کبھی جنت میں نہ جائیں گے: دیوث اور مردانی وضع بنانے والی عورت اور شرابی رواه الطبرانی عن عمار بن یاسر رضی الله عنهما بسند حسن؛

اور فرماتے ہیں ﷺ:

"ثلثة لایدخلون الجنة العاق لوالدیه والدیوث ورجلة النساء۔ تین شخص جنت میں نہ جائیں گے: ماں

www.muftiakhtarrazakhan.com

باپ کو آزار دینے والا اور دیوث اور مرد بننے والی عورت رواہ الحاکم فی المستدرک والبیہقی فی الشعب بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ عنہما

یہ لوگ کہ ان بدکار عورتوں ان دیوث مردوں سے دوستی رکھتے ہیں روز قیامت انھیں کے ساتھ اٹھیں گے۔ رسول اللہ ﷺ قسم کھا کر فرماتے ہیں:

لا یحب رجل قوما الا جعلہ اللہ معھم۔ جو جس قوم سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے انھیں کے ساتھ کر دے گا۔ رواہ النسائی عن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ۔

اور فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ: من احب قوما حشرہ اللہ فی زمرتھم۔ جو جس قوم سے دوستی کرے گا اللہ تعالیٰ انھیں کے گروہ میں اٹھائے گا۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر و الضیاء فی المختارۃ عن ابی قرحافۃ رضی اللہ عنہ۔

اور فرماتے ہیں ﷺ: المرء مع من احب۔ آدمی اپنے دوست کے ساتھ ہوگا۔ رواہ الشیخان عن ابن مسعود عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ھو متواتر۔

ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے کا حال بھی سن لیجیے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ان اول ما دخل النقص علی بنی اسرائیل انہ کان الرجل یلقی الرجل فیقول یا ھٰذا اتق اللہ ودع ما تصنع فانہ لا یحل لک ثم یلقاہ من الغد و ھو علیٰ حالہ فلا یمنعہ ذلک ان یکون اکیلہ و شریبہ و قعیدہ فلما فعلوا ذالک ضرب اللہ قلوب بعضھم ببعض، ثم قال: لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علیٰ لسان داؤد و عیسی ابن مریم ذلک بما عصوا و کانوا یعتدون۔ کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون۔ (القران) الحدیث۔ بنی اسرائیل میں پہلی خرابی جو آئی وہ یہ تھی کہ ان میں ایک شخص دوسرے سے ملتا اس سے کہتا: اے شخص! اللہ سے ڈر اور اپنے کام سے باز آ کہ یہ حلال نہیں پھر دوسرے دن اس سے ملتا اور وہ اپنے اسی حال پر ہوتا تو یہ امر اس کو اس کے ساتھ کھانے پینے پاس بیٹھنے سے نہ روکتا جب انھوں نے یہ حرکت کی اللہ تعالیٰ نے ان کے دل باہم ایک دوسرے پر مارے کہ منع کرنے والوں کا حال بھی انھیں خطا والوں کے مثل ہو گیا۔ پھر فرمایا: بنی اسرائیل کے کافر لعنت کیے گئے داؤد و عیسیٰ بن مریم کی زبان پر یہ بدلہ ہے ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا وہ آپس میں ایک دوسرے کو برے کام سے نہ روکتے تھے البتہ یہ سخت بری حرکت تھی کہ وہ کرتے تھے رواہ ابو داؤد و اللفظ لہ و الترمذی و حسنہ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: و اما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظلمین۔ اور اگر شیطان تجھے بھلا دے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھ۔ تفسیر احمدی میں ہے: ھم المبتدع و الفاسق و الکافر و القعود مع کلھم ممتنع۔ ظالم لوگ بدمذہب، فاسق اور کافر ہیں ان سب کے پاس بیٹھنا منع ہے۔ مروی ہوا اللہ عزوجل نے یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی میں تیری بستی سے چالیس ہزار اچھے اور ساٹھ ہزار برے لوگ ہلاک کروں گا۔ عرض کی: الٰہی! برے تو برے ہیں اچھے کیوں

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہلاک ہوں گے؟ فرمایا:

انھم لم یغضبوا بغضبی و اٰکلوھم و شاربوھم۔ اس لیے کہ جن پر میرا غضب تھا انہوں نے ان پر غضب نہ کیا اور ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک رہے رواہ ابن ابی الدنیا و ابو الشیخ عن ابراھیم عن عمر الصنعانی۔ ایسے لوگ شرعاً مستحق تذلیل واہانت ہیں اور نماز کی امامت ایک اعلیٰ درجہ کی تعظیم وتکریم ہے شرع مطہر جس کی اہانت کا حکم دے اس کی تعظیم کیوں کر روا ہوگی؟ والہذا، علماے کرام فرماتے ہیں کہ فاسق اگر چہ سب موجود میں سے علم میں زائد ہو اسے امام نہ کیا جائے کہ امامت میں اس کی تعظیم ہو حالاں کہ شرعاً اس کی توہین واجب ہے۔

مراقی الفلاح و فتح اللہ المعین وطحطاوی علی الدر المختار میں ہے: اما الفاسق الاعلم فلا یقدم لان فی تقدیمھم تعظیمھم و قد وجب علیھم اھانته۔ شرعاً اپنی عورتوں کو رنڈیوں کے سامنے بے پردہ و بے حجاب کرنے والے ان سے میل ملاقات کرانے والے یا سخت احمق، مجنوں، بدعقل ہیں یا نرے بے حیا بے غیرت بے شرم۔ عورت موم کی ناک بلکہ رال کی پڑیا بلکہ بارود کی ڈبیا ہے آگ کے ایک ادنیٰ سے لگاؤ میں بھق سے ہو جانے والی ہے عقل بھی ناقص اور دین بھی ناقص اور طینت میں کجی اور شہوت میں مرد سے سو حصہ بیشی اور صحبت بد کا اثر مستقل مردوں کو بگاڑ دیتا ہے پھر ان نازک شیشیوں کا کیا کہنا جو خفیف ٹھیس سے پاش پاش ہو جائیں یہ سب مضمون یعنی عورات کا ناقصات العقل والدین اور کج طبع اور شہوت میں زائد اور نازک شیشیاں ہونا صحیح حدیثوں میں ارشاد ہوئے ہیں اور صحبت بد کے اثر میں تو بکثرت احادیث صحیحہ وارد ہیں از اں جملہ یہ حدیث جلیل کہ مشکوٰۃ حکمت نبوت کی نورانی قندیل ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

مثل الجلیس الصالح و الجلیس السوء کمثل صاحب المسك و کیر الحداد لایعدمك من صاحب المسك اما ان یشتریه او تجد ریحه و کیر الحداد یحرق بیتك اوثوبك او تجد منه ریحا خبیثة و فی حدیث ان لم یصبك من سواده اصابك من دخانه۔ اچھے مصاحب اور برے ہمنشین کی کہاوت ایسی ہے جیسے مشک والا اور لوہار کی بھٹی کہ مشک والا تیرے لیے نفع سے خالی نہیں یا تو تو اس سے خریدے گا کہ خود بھی مشک والا ہو جائے گا ورنہ خوشبو تو ضرور پائے گا اور لوہار کی بھٹی کہ تیرا گھر پھونک دے گی یا کپڑے جلا دے گی یا کچھ نہیں تو اتنا تو ہوگا کہ تجھے بدبو پہنچے اگر تیرے کپڑے اس سے کالے نہ ہوئے تو دھواں تو ضرور پہنچے گا۔ رواہ البخاری عن ابی موسیٰ الاشعری و المتاخر لابی دائودو النسائی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔

فحش گیت شیطانی رسم اور کافروں کی ریت ہے شیطان ملعون بے حیا ہے اور اللہ عزوجل کمال حیا والا۔ بے حیائی کی بات سے حیا والا ناراض ہوگا اور وہ بے حیائی کا استاد انھیں اپنا مسخرہ بنائے گا۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الجنة حرام علیٰ کل فاحش ان ید خلھا۔ جنت ہر فحش بکنے والے پر حرام ہے۔ اخرجه ابن ابی الدنیا فی فضل الصمت و ابو نعیم فی الحلیة عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔ یونہی بے ضرورت و حاجت شرعیہ لوگوں سے فحش کلامی بھی ناجائز وخلاف حیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحیاء من الایمان والایمان فی الجنة و البذاء من الجفاء والجفاء فی النار۔ حیا ایمان سے ہے اور ایمان

www.muftiakhtarrazakhan.com

جنت میں ہے اور فحش بکنا بے ادبی ہے اور بے ادبی دوزخ میں ہے۔ رواہ الترمذی و الحاکم و البیہقی فی الشعب عن عمران ابن حصین رضی اللہ عنھم بسند صحیح۔
اور فرماتے ہیں ﷺ: الحیاء والعی شعبتان من الایمان و البذاء و البیاب شعبتان من النفاق۔ شرم اور کم سخنی ایمان کی دوشاخیں ہیں اور فحش بکنا اور زبان کا طرار ہونا نفاق کے دوشعبے ہیں۔ احمد و الترمذی وحسنہ والحاکم و صححہ عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
اور فرماتے ہیں ﷺ: ما کان الفحش فی شیء قط الاشانہ و ما کان الحیاء فی شیء قط الازانہ۔ فحش جب کسی چیز میں دخل پائے گا اسے عیب دار کردے گا اور حیا جب کسی چیز میں شامل ہوگی اس کا سنگار کردے گی۔ احمد و البخاری فی الادب المفرد و الترمذی و ابن ماجہ عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند حسن۔
اور فرماتے ہیں ﷺ: البذاء شوم۔ فحش بکنا منحوس ہے۔ اخرجہ الطبرانی عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند حسن۔ یحیٰ بن خالد نے کہا: اذا رایت الرجل بذیء اللسان و قاحا دل علیٰ انہ مدخل فی نسبہ۔ جب تو کسی کو دیکھے کہ فحش بکنے والا بے حیا ہے تو جان لے کہ اس کی اصل میں خطا ہے حکاہ المناوی فی التیسیر بچپن سے جو عادت پڑتی ہے کم چھوٹتی ہے تو اپنے نابالغ بچوں کو ایسی ناپاکیوں سے نہ روکنا ان کے لیے معاذ اللہ جہنم کا سامان تیار کرنا اور خود سخت گناہ میں گرفتار ہونا ہے قال اللہ تعالیٰ یاایھا الذین امنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارۃ علیھا ملائکۃ غلاظ شداد لا یعصون اللہ ماامرھم و یفعلون ما یومرون (۱۷) اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اس پر سخت درشت خو فرشتے موکل ہیں کہ اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انھیں فرمایا جائے وہی کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو نیک توفیق دے اور بری عادتوں سے پناہ بخشے آمین واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔

مراجع

۱۔ڈاکٹر علی جمعہ: www.erfan.in/urdu/15556
۲۔ Encyclopedia of Britannica, (1768) 30:V, Page,912
۳۔مِل، شیروانی 1991ء، ص: 39
۴۔ 2035/www.un.org/women watch/dpi/ may2000/ (-
۵۔ماہنامہ دختران اسلام، جنوری 2018 ۶۔البقرہ: ۱۸۷ ۷۔النسا: ۳۴ ۸۔البقرہ: ۲۲۸
۹۔جدید تحریک نسواں اور اسلام: صفحات 74، 75، 80 ۱۰۔فتاویٰ رضویہ: ۹/ ۴۷۔۴۸ ۱۱۔فتاویٰ رضویہ: ۹/ ۶۰
۱۲۔فتاویٰ رضویہ: ۹/ ۱۰۲ ۱۳۔فتاویٰ رضویہ: ۹/ ۸۸ ۱۴۔فتاویٰ رضویہ: ۱۰/ ۱۵۱۲۵۔القران الکریم: ۲۳ پارہ، ۴ رکوع
۱۶۔فتاویٰ رضویہ ۵/ ۵۹۷ ۱۷۔پارہ ۲۸: التحریم: ۶

❖❖❖

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور ان کے خانوادہ کی اربعین نویسی

تدوین حدیث کی مختصر تاریخ، اربعین نویسی کا اجمالی تعارف، حدیث اربعین کی تخریج، فنی واسنادی حیثیت، چند مشہور اربعینات، اعلیٰ حضرت اور خاندان اعلیٰ حضرت کی اربعینات کا اجمالی تعارف

از: مفتی محمد سلیم بریلوی
استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف

رسول اور احادیث رسول کی تشریعی حیثیت واہمیت:

اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ وہ نیست کو ہست بنائے، عالم امکان کو ''وجودی قبا'' زیب تن کرائے اور کائنات کی تخلیق فرمائے تو اس نے سب سے پہلے اپنے نور سے ہمارے آقا، نبی آخر الزماں، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا۔ انہیں ''خلیفۂ اول'' اور ''نائب مطلق'' کا منصب جلیل عطا فرمایا۔ انہیں اپنا محبوب، ''عالم امکاں کا شاہ'' اور ''خلق کا آقا'' بنایا۔ مگر اس کے ساتھ ہی دنیا میں آپ کو سارے انبیائے کرام کے بعد مبعوث فرمایا۔

سرزمین مکہ پر اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو سارے عالموں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا تو آپ کو ایک ''جامع منثور''، بے مثل وبے مثال ''دستور'' اور زندگی کے ہر شعبہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ایک ایسا کامل واکمل ''قانون'' بھی عطا فرمایا کہ جو ایک طرف تو کامیابی وکامرانی والی ''وسطی شاہراہ'' کی طرف انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے تو دوسری طرف انہیں ہر طرح کی روحانی وجسمانی، اور ذہنی وقلبی شفا بھی عطا فرماتا ہے۔ یہ وہی دستور وآئین ہے جسے ''کلام الٰہی''، فرقان مجید، قرآن کریم اور کتاب اللہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ اللہ کا ایسا کلام ہے کہ جس کے ''مخاطب'' ہمارے آقا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ظاہر ہے کہ متکلم کے کلام کے معانی ومفاہیم، رموز واسرار، اشارات ومجملات، منشاء ومقتضیات اور اس کی حقیقی مراد ''مخاطب'' کے علاوہ کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ اپنے کلام کے مجملات کی تفصیل، عام کی تخصیص، اطلاق کی تقیید، مشروط کی شرط، حکم منزل وموجود کا رفع ونسخ، کلیات، اصول کے جزئیات، کیفیات، احکام کے مکمل خدوخال، اوامر ونواہی کی مکمل کیفیات، معانی ومفاہیم کی تعیین، اس کی مراد کی تشریح وتفسیر اور اس کی توضیح وتبیین متکلم اپنے مخاطب ہی کو بتاتا ہے۔

وحی متلو اور وحی غیر متلو:

اصول وکلیات اور امثال وقصص وغیرہ کی صورت میں، فرشتہ کے واسطہ، لوح محفوظ سے براہ آسمان دنیا اللہ رب العزت کی جانب سے جو کلام الٰہی نازل ہوا اسے ''وحی متلو'' اور ''کتاب اللہ'' کہتے ہیں۔ من جانب اللہ، قلب رسول پر القا ہونے والے معانی ومفاہیم اور مضامین پر دلالت کرنے والے جو لعل وگہر آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے بصورت کلام جاری ہوئے، انہیں ''وحی غیر متلو'' کے نام سے جانا گیا لیکن اگر اس ''وحی غیر متلو'' کو آقا نے ''اللہ رب العزت'' کی جانب منسوب کر کے

www.muftiakhtarrazakhan.com

بیان کیا ہو تو اسے ''حدیث قدسی'' اور اللہ کی جانب اسناد کے بغیر یہ کلام فرمایا ہو تو اسے ''حدیث رسول'' کے نام سے جانا گیا۔

قرآن کریم کے معانی ومفاہیم بھی اللہ کے اوران پر دلالت کرنے والے الفاظ وعبارات اور نظم قرآنی بھی اللہ ہی کی جانب سے آئی ہے۔ایک کو کلامِ نفسی اور دوسرے کو کلام لفظی کہتے ہیں۔کلام نفسی اللہ رب العزت کی صفت ازلی قدیم ہے اور کلام لفظی حادث ومخلوق ہے۔اس کے برخلاف حدیث رسول کے معانی ومفاہیم اگرچہ اللہ کی جانب سے القافرمائے گئے مگر معانی و مفاہیم پر دلالت کرنے والے الفاظ وعبارات ہمارے نبی ﷺ کے ہوتے ہیں۔لہذ آقا کریم ﷺ نے جو فرمایا، جو کیا، یا جسے برقرار رکھا وہ سب حکم الٰہی، منشائے خداوندی، وحی ربانی اور القائے خداوندی سے کیا۔قرآن کریم اس کی طرف یوں اشارہ فرماتا ہے:

''وما ینطق عن الھوٰی۔ ان ھو الا وحی یوحیٰ'' (سورۂ نجم آیت ۳، ۴ پارہ ۲۷) اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی۔'' (کنزالایمان)

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اسی مفہوم کو اپنے ایک شعر میں یوں ادا فرماتے ہیں ؎

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

حکمت کا مفہوم:

جہاں آقا کریم ﷺ اللہ کی جانب سے نازل ہونے والے کلام الٰہی، کتاب ربانی، قرآن مجید اور فرقان حمید کی تلاوت بھی فرماتے، صحابہ کو پڑھنا بھی سکھاتے وہیں اس کے رموز واسرار، ''مرادِ الٰہی'' کی تشریح وتوضیح اور تبیین وتعیین کے لئے اپنی زبان اقدس سے ''حکمت'' کے موتیوں کی ''بارانِ رحمت'' بھی فرماتے۔لہذا کتاب ومتن کو ''قرآن'' اور شرح وحکمت کو ''حدیث'' کہا گیا۔پتہ چلا کہ احادیث کریمہ کی عبارات اور اس کے الفاظ اگرچہ رسول کے ہیں مگر ان کے مطالب ومعارف یہ اللہ کی جانب سے نازل کردہ ہیں جنہیں قرآنی زبان میں ''حکمت'' سے تعبیر فرمایا گیا۔قرآن کریم میں ہے کہ:

''و انزل اللہ علیک الکتب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیماً'' (سورۂ نساء آیت: ۱۱۳ر پارہ ۵ ر رکوع: ۱۴) ترجمہ: اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

''واذکرن ما یتلی علیکن فی بیوتکن من اٰیت اللہ و الحکمۃ'' (سورۂ احزاب آیت ر ۳۴ر پارہ ۲۲ر رکوع: ۱) ترجمہ: اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت۔''

احادیث کریمہ کی صورت میں یہ حکمت بھی اللہ ہی کی جانب سے عطا فرمائی گئی تھی اس کی تصریح ابوداؤد شریف کی اس حدیث میں بھی ملتی ہے:

''الا انی اوتیت القرآن و مثلہ معہ'' (ابوداؤد شریف) ترجمہ: معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے قرآن بھی عطا کیا گیا اور ا

www.muftiakhtarrazakhan.com

س کے ساتھ اس کا مثل بھی۔"

اس حدیث میں واضح طور پر فرمایا کہ اللہ کی جانب سے قرآن کریم کی صورت میں "وحی متلو" بھی نازل فرمائی گئی تھی اور احادیث کریمہ کی صورت میں "وحی غیر متلو" بھی۔ جسے آقا نے "مثلہ معہ" سے تعبیر فرمایا۔

ان دونوں آیتوں اور مذکورہ بالا ابوداؤد کی حدیث پاک میں حکمت سے مراد احادیث کریمہ اور اقوال رسول کے وہی معانی ومفاہیم ہیں کہ جو نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تفویض کئے جاتے اور کتاب اللہ کے علاوہ احادیث کریمہ کے یہ معانی ومفاہیم قرآن عظیم کی تشریح کے لئے اتارے جاتے۔ اسی وجہ سے کتاب کا ذکر الگ اور حکمت کا ذکر الگ کیا گیا۔ جہاں کتاب اللہ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا وہیں حکمت نامی ان احادیث رسول کو بھی یاد کرنے کا حکم جاری فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کتاب اللہ پر عمل ضروری ہے اسی طرح احادیث کریمہ پر بھی عمل پیرا رہنا لازمی اور واجبی امر ہے۔

رسول بحیثیت شارح قرآن:

ہمارے نبی ﷺ قرآن کریم کے جہاں "معلم" ہیں وہیں "شارح اور مبین" بھی ہیں۔ قرآن کریم کو بغیر نبی ﷺ کے سمجھنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے احادیث کریمہ کی مدد حاصل کرنا ایک لازمی اور واجبی امر ہے۔ اسی وجہ سے جس طرح قرآن کریم کے احکام پر عمل لازم ہے اسی طرح احادیث کریمہ کو ماننا، تسلیم کرنا، ان پر عمل کرنا اور انہیں اپنی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے "دستور کامل" بنانا لازم وضروری ہے۔

اگر چہ قرآن کریم میں ہر چیز کا "روشن بیان" ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

"تبیانا لکل شی۔ یعنی قرآن کریم میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔"

تو کوئی ایسی بات نہیں جو قرآن میں نہ ہو لیکن ان تمام روشن بیانوں کو آقا کی مدد کے بغیر سمجھنا ناممکن ہے کہ یہ ذمہ داری ہمارے نبی ﷺ کو عطا فرمائی گئی۔ اسی لیے قرآن کریم کے مجملات اور اس کے نصوص کے محمل ومراد کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ہمیں آقا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہوگا۔ ہمارے آقا کی اس حیثیت واہمیت کو قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا:

"وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم۔ ترجمہ:۔ اے نبی! ہم نے یہ قرآن تیری طرف اس لیے اتارا کہ تو لوگوں سے شرح بیان فرمادے اس چیز کی جو ان کی طرف اتاری گئی۔"

احادیث کریمہ اور اقوال رسول کی اسی دینی ومذہبی حیثیت کو بتانے کے لئے قرآن کریم میں بہت سی آیتیں نازل فرمائی گئیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ (النساء آیت ۸۰) ترجمہ:۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

۲۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ (النساء آیت ۶۴) ترجمہ:۔ ہم نے رسول کو اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔

۳۔ فلا و ربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما

www.muftiakhtarrazakhan.com

قضیت و یسلموا تسلیما (النساء آیت ۶۵) ترجمہ:۔ تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جبتک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔ (کنزالایمان)

۴۔ وما کان لمومن و لا مؤمنة اذا قضی الله و رسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم۔ ومن یعص الله و رسوله فقد ضل ضلالا مبینا۔ (الاحزاب آیت ۳۶) ترجمہ: اور کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہونچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے۔ اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بیشک صریح گمراہی بہکا۔ (کنزالایمان)

رسول بحیثیت شارع اسلام:

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے صرف معلم و شارح ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ''تشریعی'' اختیارات عطا فرما کر دین کا ''شارع'' بھی بنایا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

''وما آتاکم الرسول فخذوه ج وما نهکم عنه فانتهوا ج۔ (حشر: آیت ۷) ترجمہ:۔ اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔'' (کنزالایمان)

''قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی۔ (آل عمران: آیت ۳۱) ترجمہ:۔ اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہوجاؤ۔'' (کنزالایمان)

''لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة۔ (احزاب: آیت ۲۱) ترجمہ:۔ بیشک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔'' (کنزالایمان)

''ویحل لهم الطیبٰت ویحرم علیهم الخبٰئث۔ (اعراف: آیت ۱۵۷) ترجمہ:۔ اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔'' (کنزالایمان)

خود آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کی پیروی کرنے کا یوں حکم دیا:

''صلو کما رأیتمونی اصلی۔ (مسلم شریف) ترجمہ:۔ جیسے میں نماز پڑھوں ایسے ہی تم پڑھو۔''

حدیث کی حجیت:

واضح ہوا کہ ہمارے آقا، قرآن کریم کے ایسے مبین اور شارح ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ''تشریعی'' اختیارات کے ساتھ دنیا میں مبعوث فرمایا۔ آپ کی تشریح، توضیح، تبیین، تفسیر، مجمل کی تفصیل، مراد کی تعیین، مبہم کی تبیین، مقید کے اطلاق اور مطلق کی تقیید کے بغیر احکام الٰہیہ کا فہم وادراک ناممکن اور شریعت اسلامیہ پر عمل محال ہے۔ اس طرح محال ہے کہ احادیث رسول کے بغیر خدائی احکام اور ربانی اوامر ونواہی پر عمل کیا ہی نہیں جاسکتا کیونکہ بہت سے دینی احکام وہ ہیں کہ قرآن کریم میں مذکور نہیں مگر وہ دین کا حصہ ہیں۔ شریعت انہیں ''واجب الاعتقاد'' اور ''واجب العمل'' قرار دیتی ہے۔ کیونکہ وہ وحی متلو تو نہیں مگر وحی غیر متلو اور حکمت کا حصہ ہیں۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

ذرا غور فرمائیں کہ "صلوٰۃ"، "زکوٰۃ"، "تیمم"، "حج" اور "عمرہ" جیسے یہ الفاظ "عربی زبان" کے ہیں مگر ان کا "لغوی معنی" کچھ اور ہے اور شرعی کچھ اور۔ ان کے ان مخصوص شرعی معانی کی تعیین کس نے کی؟ ظاہری بات ہے کہ ان الفاظ کے یہ مخصوص معانی ہمیں رسول ہی کی جانب سے ملے۔ اگر احادیث کریمہ نہ ہوتیں تو ان کے یہ مخصوص معانی ہمیں کیسے میسر ہوتے؟ ہمیں کیسے معلوم ہوتا کہ لفظ صلوٰۃ سے قیام، رکوع، سجدے کی یہ مخصوص ہیئت مراد ہے؟ اذان سے لے کر سلام پھیرنے تک نماز کی اس پوری "ہیئت کذائیہ" کی معرفت ہمیں قرآن سے نہیں بلکہ حدیث سے ہوتی ہے۔ اسی طرح حج، زکوٰۃ وغیرہ کی مکمل تفصیلات اور یہ معروف طریقہ ہمیں قرآن نے نہیں بلکہ حدیث نے سکھایا ہے۔ نیز خود قرآن کریم میں بے شمار ایسی آیتیں ہیں کہ جن کے معانی و مفاہیم ان کے پس منظر اور ان کے شان نزول کے بغیر سمجھنا ناممکن ہیں۔ تو ان آیات کے شان نزول اور ان کے پس منظر کی بھی معرفت ہمیں احادیث کریمہ ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر احادیث کریمہ نہ ہوں تو قرآن کریم انسانوں کے لئے ایک "چیستاں" بن کر رہ جائے گا۔

اسی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت اور آپ کے افعال کی اتباع قیامت تک کے مسلمانوں پر واجب قرار دی گئیں۔ احادیث کریمہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر اسے دین کا لازمی جزء بنا دیا گیا۔ جس طرح قرآن کریم دین و مذہب کی اساس، شریعت اسلامیہ کا مصدر، منبع و سرچشمہ، دلیل شرعی، واجب العمل اور واجب الاعتقاد ہے اسی طرح احادیث کریمہ بھی مذہب اسلام کی اساس و بنیاد، شریعت اسلامیہ کا مصدر، دلیل شرعی، منبع و سرچشمہ، واجب الاعتقاد اور واجب العمل ہیں۔

احادیث کریمہ کی حفاظت میں صحابہ کرام کے جذبہ و اہتمام کے اسباب

صحابہ کرام جس طرح قرآن کریم کی جمع و تدوین، حفظ و کتابت، حفاظت و صیانت اور اس کے ادب و احترام میں کوشاں رہتے، دلچسپی رکھتے اور جد و جہد کرتے اسی طرح وہ احادیث کریمہ کو جمع کرنے، انہیں یاد کرنے، انہیں مرتب و مدون کرنے، انہیں لکھنے، ان کی ترویج و اشاعت کرنے، ان کی انہام و تفہیم، درس و تدریس اور نو پید مسائل میں ان سے استناد و استشہاد کے سلسلہ میں نہایت جد و جہد کرتے، کوشاں رہتے، جانفشانی کرتے، ہر کام سے بڑھ کر اس کام کو اہمیت دیتے۔ خود بھی اہتمام کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دلاتے۔ ایک دوسرے سے احادیث کریمہ کا دورہ و مذاکرہ کرتے، انہیں حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کرتے اور ان کے حصول کے لئے دور دراز کا سفر کرتے۔

مثال کے طور پر حضرت جابر کہ جنہیں بے شمار احادیث کریمہ یاد تھیں۔ آج ہمارے پاس ان کی مرویات ایک ہزار پانچ سو چالیس ہیں۔ اس کے باوجود انہیں معلوم ہوا کہ ایک دور دراز کے خطہ میں کسی صاحب کے پاس ایک حدیث رسول ہے تو اس کی تحصیل کے لئے انہوں نے ایک مہینہ کی مسافت طے کی۔ اس طرح کی بہت سی مثالے ملتی ہیں۔

عہد صحابہ میں حفظ حدیث:

احادیث کریمہ کو یاد رکھنے، ان کو جمع کرنے، ان کی ترویج و اشاعت اور ان کی تبلیغ و ترسیل میں صحابہ کرام کے شوق، جذبہ، ولولہ اور اہتمام و انتظام کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

☆ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں سنتے۔ آپ کے مجلس سے تشریف لے

www.muftiakhtarrazakhan.com

جانے کے بعد ہم آپس میں حدیثوں کا دورہ کرتے۔ اس کی صورت یہ ہوتی کہ ایک دفعہ ایک آدمی ساری حدیثیں بیان کرتا، پھر دوسرا پھر تیسرا۔ کبھی کبھی تو ساٹھ ساٹھ آدمی ہماری محفل میں ہوتے اور سب باری باری ایک ایک کر کے یہ حدیثیں بیان کرتے۔ اس طرح دورہ کرنے کے بعد جب ہم مجلس سے اٹھتے تو یہ احادیث کریمہ ہمیں اس طرح یاد ہوتیں گویا کہ انہیں ہمارے دلوں میں جاگزیں کر دیا گیا ہو۔ (مجمع الزوائد جلد ا رصفحہ ۱۶۱ مفہوما)

☆ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی بیان ہے کہ ہم فرض نمازوں کے بعد عہد نبوی میں مسجد میں بیٹھ جاتے پھر قرآن پاک اور احادیث کریمہ کا دورہ کرتے۔ (مستدرک للحاکم جلد ا صفحہ ۹۴ مفہوما)

☆ حضرت ابو سعید خدری کا بھی بیان اسی سے ملتا جلتا ہے کہ صحابہ کرام جب بھی کہیں آپس میں مل بیٹھتے تو ان کی گفتگو کا محور وموضوع اللہ کے رسول کی حادیث کریمہ ہوتیں یا قرآن پاک کی کسی سورۃ کی تلاوت کرتے یا تلاوت سنتے۔ (مستدرک للحاکم جلدا۔ صفحہ ۹۴ رمفہوما)

اس طرح کے بے شمار واقعات اسلامی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ احادیث کریمہ کو پڑھنے، پڑھانے، یاد کرنے، یاد کرانے، محفوظ رکھنے اور محفوظ کرانے میں صحابہ کرام غیر معمولی دلچسپی اور بے مثال جذبہ ولگن رکھتے تھے۔

عہد صحابہ میں کتابت حدیث:

صحابۂ کرام احادیث کریمہ کو صرف زبانی ہی یاد نہیں کرتے بلکہ لکھ کر بھی اپنے پاس انہیں محفوظ رکھتے۔ خود بھی یہ کام کرتے اور دوسروں سے بھی اس کام کی تلقین کرتے۔ کتابت حدیث بھی کرتے اور حفظ حدیث بھی۔ چند مثالیں مندرجہ ہیں:

☆ حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت عبد اللہ ابن عمر کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے حلقہ درس میں آقا کے ارشادات لکھ رہے تھے۔ (مقدمہ فیض الباری)

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے حقوق انسانی کے تعلق سے جو بے مثال اور تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرمایا اس کو ایک یمنی شخص نے تحریری شکل میں عطا کرنے کی گزارش کی تو آپ نے ابو شاہ نامی ان صاحب کو حقوق انسانی پر مشتمل وہ خطبہ لکھ کر دینے کا صحابہ کرام کو حکم دیا۔ (مقدمہ نزہۃ القاری)

☆ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص نے حدیث لکھنے کی اجازت خود آقا کریم ﷺ سے حاصل فرمائی تھی اور انہوں نے یہ حدیثیں ایک مجموعہ میں جمع کر کے اس کا نام "صادقہ" رکھا تھا۔ اس میں ایک ہزار حدیثیں تھیں۔ (بخاری جلد دوم۔ اصابہ حرف العین۔)

☆ ابوداؤد میں ہے کہ آقا ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں مسائل زکوٰۃ سے متعلق جملہ احادیث کریمہ یکجا طور پر قلم بند کروادی تھیں۔ جس کا نام "کتاب الصدقہ" تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے عہد خلافت میں اسے نافذ فرمایا۔
(ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ صفحہ ۱۵۷)

☆ نبی کریم ﷺ نے احادیث کریمہ کا ایک ضخیم مجموعہ اہل یمن کے پاس حضرت عمرو بن حزم کی وساطت سے ارسال فرمایا تھا۔ (نسائی جلد دوم صفحہ ۲۴۷۔ مؤطا امام محمد)

☆ اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثیں ہمام بن منبہ کے صحیفہ میں درج ہیں جو شائع ہو چکا ہے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

☆ حضرت عبداللہ ابن عباس کی حدیثوں کو ان کے شاگردوں نے تحریری شکل میں جمع کیا۔
☆ حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایات کو حضرت نافع نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔
☆ حضرت جابر کی حدیثوں کو قتادہ نے تحریری شکل میں محفوظ کیا تھا۔
☆ حضرت عائشہ صدیقہ کی مرویات کو حضرت عروہ نے تحریری شکل میں نقل کیا تھا۔
☆ حضرت انس نے اپنے بیٹے سے احادیث کریمہ نقل فرمائیں۔

(مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۵۲۔ الکفایہ فی علم الروایہ صفحہ ۲۲۹ مطبوعہ مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ۔ طبقات ابن سعد جلد ۷ صفحہ ۷۲ر مطبوعہ بیروت، تدریب الراوی صفحہ ۷۳ر مطبوعہ مکتبہ علمیہ مفہوما واختصاراً)

اس طرح کے بے شمار واقعات ہمیں تاریخ میں ملتے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ ہی میں احادیث کریمہ کی جمع وتدوین کا کام شروع ہو چکا تھا۔ ان احادیث کریمہ کی جمع وتدوین کی صورت اگر چہ اس طرح نہیں تھی جیسی ہمارے زمانے میں پائی جاتی ہے۔ ان احادیث کریمہ کی مخصوص موضوع کے اعتبار سے ترتیب نہیں تھی ۔ نہ ہی اس وقت سند کے ساتھ نقل و روایت کا چلن تھا۔ نہ ہی اس کی اس وقت ضرورت تھی ۔ بلکہ بغیر کسی ترتیب کے صحابہ کرام اور تابعین عظام نے اپنی اپنی مرویات کو اپنے سینوں اور صحیفوں میں محفوظ کر رکھا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا بے مثال کارنامہ:

عہد تبع تابعین میں باقاعدہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث کریمہ کی جمع وتدوین کے میدان میں نہایت ہی تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا۔ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں اس بے مثال کام کے لئے معتمد اور مستند ائمہ وعلما کا ایک بورڈ تشکیل دیا جن میں حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، قاسم بن محمد بن ابی بکر اور ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن شہاب زہری کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپ نے سارے اسلامی خطوں میں فرمان جاری کئے۔ اس کام کے لئے ذمہ دار لوگوں کو ہر علاقہ اور ہر خطہ میں بھیجا گیا۔ ہر علاقے کے گورنروں اور امراء وحکام کو احکام جاری کئے گئے کہ جہاں جہاں احادیث کریمہ کے مجموعے تحریری شکل میں ہوں تو انہیں ارسال کیا جائے اور اگر لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہوں تو ان سے نقل کیا جائے۔

اس طرح احادیث کریمہ کا ایک عظیم ذخیرہ جمع ہو گیا۔ پھر ابن شہاب زہری نے ان احادیث کریمہ کو مرتب، منظم، منضبط اور مدون کرنے کا کام شروع کیا۔ اس کے ساتھ ہی ابن شہاب زہری ہی نے ان تمام احادیث کریمہ کو پہلی بار ان کی اسناد کے ساتھ مدون کرنے کا التزام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن شہاب زہری ہی کو "علم اسناد" کا "واضع" اور بانی قرار دیا گیا۔

احادیث کریمہ کے مجموعوں کی تدوین:

حضرت ابن شہاب زہری کے بعد ان کے قابل افتخار شاگردوں نے اس کام میں مزید نئے نئے آفاق تلاش کئے۔ اس میں بے مثال اضافے کئے۔ یہاں تک کہ دوسری صدی کے اخیر میں ان کے شاگرد رشید حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث کریمہ کو ابواب کی ترتیب کے ساتھ جمع کر کے اس حسین گلدستہ کا نام "مؤطا" رکھا جسے ہم مؤطا امام مالک کے نام سے

www.muftiakhtarrazakhan.com

جانتے ہیں۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ''کتاب الآثار'' بھی اسی دور کی عظیم یادگار ہے۔ ابوالولید (م ۱۵۱ھ) کی سنن۔ امام سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) کی جامع، ابوسلمہ (م ۱۶۷ھ) کی مصنف، ابوسفیان (م ۱۹۷ھ) کی جامع، عبداللہ ابن مبارک (م ۱۸۱ھ) کی اربعین جیسے احادیث کریمہ کے ''رنگارنگ گلدستے'' اسی دوسری صدی ہجری کی عظیم یادگاریں ہیں۔

تیسری صدی ہجری میں احادیث کریمہ کی جمع وتدوین کے میدان میں بے مثال وسعت اور تنوع پیدا ہوگیا۔ ''گلستانِ حدیث'' میں متعدد قسم کے ''خوشنما پھول'' کھلنے لگے۔ متعدد اقسام اور مختلف رنگ و بو کے ''بیل بوٹوں'' سے یہ ''گلستان حدیث'' سرسبز و شاداب ہوگیا۔ چنانچہ حضرت امام شافعی (م ۲۰۴ھ) کی کتاب الام، احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کی مسند، امام بخاری (م ۲۵۶ھ) کی جامع صحیح، امام مسلم (م ۲۶۱ھ) کی جامع صحیح۔ ابوداؤد (م ۲۷۵ھ) کی سنن، ترمذی کی (م ۲۸۹ھ) جامع، ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ) کی سنن جیسے احادیث کریمہ کے یہ خوشنما، معطر اور ''خوش رنگ گلدستے'' اسی تیسری صدی ہجری کی ایسی یادگاریں ہیں کہ جن سے امت مسلمہ آج بھی اپنے ایمانی وعرفانی ''گلشن'' کو تروتازگی اور جلا بخش رہی ہے۔

احادیث کریمہ کی جمع وتدوین کی اس تاریخ میں احادیث کریمہ کے جو حسین و دلربا گلدستے وجود میں آئے انہیں مندرجہ ذیل ناموں سے ''تاریخ علم حدیث'' نے اپنے اوراق میں محفوظ کر رکھا ہے۔

(۱) جامع (۲) سنن (۳) مسند (۴) معجم (۵) جز (۶) مفرد (۷) غریبہ (۸) مستدرک (۹) مستخرج (۱۰) رسالہ (۱۱) اربعین (۱۲) امالی (۱۳) اطراف۔

احادیث کریمہ کے معروف مجموعوں کا تعارف:

جامع: جامع وہ کتاب ہے جس میں مندرجہ ذیل یہ آٹھ مضامین ہوں:

(۱) عقائد (۲) احکام (۳) تفسیر (۴) سیر و مغازی (۵) آداب (۶) مناقب (۷) فتن (۸) اشراط و علامات قیامت۔ جیسے بخاری، مسلم، ترمذی۔

سنن: سنن اس کتاب کو کہتے ہیں کہ جس میں ابواب فقہ کی ترتیب پر احکام سے متعلق احادیث ہوں۔ جیسے سنن ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ۔

مسند: مسند احادیث کریمہ کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں کہ جس کی ترتیب صحابہ کرام کے مراتب کے اعتبار سے ہو۔ جیسے مسند امام احمد بن حنبل۔

معجم: معجم احادیث کریمہ کے اس گلدستہ کو کہتے ہیں کہ جس کی ترتیب میں اساتذہ کے مراتب کا لحاظ ہو۔ جیسے معجم صغیر۔

جزء: جزء احادیث کریمہ کا وہ یک رنگی گلدستہ ہے کہ جس میں کسی ایک مسئلہ سے متعلق احادیث کریمہ مذکور ہوں۔ جیسے ''جزء قراءت۔''

مفرد: مفرد احادیث کریمہ کے اس حسین گلدستے کو کہتے ہیں کہ جس میں صرف ایک شیخ کی مرویات جمع ہوں۔ جیسے مفرد ابو راغب۔

غریبہ: غریب، احادیث کریمہ کا وہ مجموعہ ہوتا ہے جس میں صرف ایک تلمیذ کے مفردات مذکور ہوں۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

مستدرک: مستدرک حدیثوں کے اس مجموعہ کا نام ہے کہ جس میں ان احادیث کو درج کیا جائے جو کسی مصنف سے رہ گئی ہوں۔ جیسے حاکم کی مستدرک علی الشیخین۔

مستخرج: مستخرج حدیث پاک کے اس صحیفہ کو کہتے ہیں کہ جس میں کسی اور کتاب کی احادیث کے ثبوت کے لئے اس کتاب کے مصنف کے شیخ یا شیخ الشیخ کی دوسری سندوں کو ذکر کیا جائے۔ جیسے مستخرج لابی نعیم علی البخاری۔

رسالہ: رسالہ حدیث کی وہ کتاب ہے کہ جس میں جامع کے آٹھوں عنوانوں میں سے مخصوص عنوانوں سے متعلق احادیث مذکور ہوں جیسے امام احمد کی کتاب الزہد والادب۔

اربعین: اربعین احادیث کریمہ کا وہ خوشنما گلدستہ ہے کہ جس میں چالیس احادیث ہوں۔ جیسے اربعین نووی۔

امالی: امالی حدیث کے اس ذخیرہ کو کہتے ہیں کہ جس میں کسی شیخ کی لکھائی ہوئی احادیث یا فوائد حدیث ہوں۔ جیسے امالی امام محمد۔

اطراف: اطراف حدیث کی وہ کتاب ہے کہ جس میں حدیث کا کوئی ایسا جزء ذکر کیا جائے جو بقیہ حدیث پر دلالت کرتا ہو، پھر اس حدیث کی تمام سندوں کو ذکر کر دیا جائے یا اس میں کچھ مخصوص کتابوں کی سندیں ذکر کی جائیں جیسے اطراف الکتب الخمسہ لابی العباس اور اطراف المزی۔

احادیث کریمہ کی جمع وتدوین میں غیر معمولی دلچسپی کے اسباب:

ہر دور میں احادیث کریمہ کی نشر و اشاعت، جمع و تدوین اور زمانہ کے خرد برد سے ان کو محفوظ و مامون رکھنے کے لئے اس دور کے علما، صلحا، ائمہ، اہل نظر و فکر اور اہل فکر و دانش نے بے مثال خدمات بھی انجام دی ہیں اور نا قابل فراموش اہتمام، انتظام، شوق، جذبہ اور لگن کا ثبوت بھی پیش فرمایا ہے جس کے نتیجہ میں اس میدان کے اندر مختلف طریقوں کی جدت طرازیاں بھی پیدا ہوتی چلی گئیں پھر تو علم حدیث سے متعلق بہت سے علوم وفنون نے جنم لے لیا۔ موضوع وعناوین کا انتخاب ہوا۔ التزامی صورتیں بھی اختیار کی گئیں۔ مختلف خوشنما رنگوں سے اس کے خاکہ میں رنگ بھی بھرے گئے جس کی وجہ سے آج ہمارے پاس احادیث کریمہ کا یہ عظیم ذخیرہ اتنے خوشنما انداز میں موجود ہے۔ احادیث کریمہ کی اس خدمت اور اس لگن کا ایک بنیادی سبب تو وہی ہے جس کا ذکر ماقبل میں تفصیل کے ساتھ ہوا کہ یہ احادیث کریمہ دین کی اساس، مذہب کا سرچشمہ اور شریعت اسلامیہ کا مصدر و منبع ہیں جن کے بغیر دین و مذہب اور شریعت اسلامیہ کی تکمیل ناممکن ہے۔ احادیث کریمہ کی اسی واقعی حیثیت کے مدنظر ہر دور میں ان کو محفوظ رکھنے اور ان کی ترویج واشاعت کرنے کا بے مثال جذبہ اپنی عملی شکل میں پایا جاتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی ان احادیث کریمہ کی تبلیغ و ترسیل کے اس عظیم جذبہ کے پیدا ہونے کے پیچھے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ''مبشرات''، ''خوشخبریاں'' اور ''نوید جانفزاں'' کا بھی بنیادی اور اہم کردار ہے کہ جو احادیث کریمہ کے ذخیرہ میں ہمیں مختلف انداز میں ملتی ہیں۔ چنانچہ احادیث کریمہ کو دوسروں تک پہونچانے کے سلسلہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی ہمارے سامنے ہے جس میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیثوں کو سننے، یاد رکھنے اور انہیں دوسروں تک پہونچانے کی یوں تلقین فرمائی۔

(۱) ''اللھم ارحم خلفائی! قلنا: یا رسول اللہ! من خلفائك؟ قال الذین یأتوا من بعدی یروون احادیثی و یعلمونھا الناس. نضر اللہ امرا سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ غیرہ۔ (ابوداؤد کتاب

www.muftiakhtarrazakhan.com

العلم جلد ۲ صفحہ ۱۲۶۔ ترمذی کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۹۰) ترجمہ:۔ اے اللہ! میرے خلفاء پر رحمت نازل فرما۔ ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کے خلفاء کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے، میری حدیثوں کو روایت کریں گے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں گے۔ اس شخص کو اللہ رب العزت تروتازہ اور سرسبز وشاداب رکھے کہ جس نے میری حدیث سنی پھر اسے یاد کیا تاکہ دوسرے تک اسے پہنچائے۔"

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

(۲) "بلغوا عنی ولو آیة و من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار۔ (بخاری صفحہ ۴۹۱؍ جلد ا) ترجمہ:۔ میری ہر حدیث دوسروں تک پہونچاؤ اگر چہ وہ چھوٹی سی ہی کیوں نہ ہو اور جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے گا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے گا۔"

(۳) "حدثوا عنی بما تسمعون ولا تقولوا الاحقا و من کذب علی بنی له بیتا فی جهنم یوقع فیه۔ (طبرانی) ترجمہ:۔ مجھ سے جو کچھ بھی سنو اسے روایت کرو مگر ہمیشہ سچ کہنا جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا اس کے لئے جہنم میں گھر بنایا جائے گا جس میں وہ جائے گا۔"

(۴) " ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما: کتب الله و سنتی۔ فمن حفظ شیئا فلیحدث۔ (مستدرک) ترجمہ: میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں: (۱) کتاب اللہ (۲) اپنی حدیث۔ جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔ جو میری حدیثوں کو یاد کرے تو انہیں دوسروں سے روایت بھی کرے۔"

آقا ﷺ کے انہیں ارشادات کا یہ کمال تھا کہ صحابہ کرام اور بعد کے علما وائمہ میں حدیثیں سننے، جمع کرنے اور علم حدیث کے "دبستاں" میں نئے نئے "خوش رنگ" و "دلکش" پودے لگانے کا ایسا والہانہ جذبہ پیدا ہو گیا کہ وہ جی جان سے احادیث سننے، انہیں یاد رکھنے اور ان کی اشاعت میں لگے رہتے۔

اربعین نویسی

علم حدیث کی خدمت کرنے پر برانگیختہ کرنے، اس جانب شوق دلانے، اس کی ترغیب دینے، اس سلسلہ میں بے مثال جذبہ پیدا کرنے اور اس عظیم کام کو سرانجام دینے پر ابھارنے والی احادیث کریمہ میں ایک حدیث پاک وہ بھی ہے جس میں آقا کریم ﷺ نے "چالیس حدیثوں" کو امت تک پہنچانے پر عظیم بشارتیں سنائی ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت ابودرداء کی حدیث مندرجہ ذیل ہے:

"عن ابی الدرداء قال: سئل رسول الله ﷺ ما حد العلم الذی اذا بلغه الرجل کان فقیها، فقال رسول الله ﷺ: من حفظ علی امتی اربعین حدیثا فی امر دینها بعثه الله فقیها و کنت له یوم القیامة شافعا و شهیدا۔ ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آقا کریم ﷺ سے معلوم کیا گیا کہ اس علم کی حد کیا ہے کہ جس تک پہونچ کر آدمی فقیہ بن جاتا ہے؟ آقا نے جواباً ارشاد فرمایا: جس نے میری امت پر

www.muftiakhtarrazakhan.com

شفقت کرتے ہوئے امر دینی سے متعلق ۴۰ حدیثیں یاد کیں تو اللہ تعالیٰ اسے فقیہ بنا کر اٹھائے گا۔ میں قیامت کے روز اس کی شفاعت کروں گا اور اس کی گواہی دوں گا۔" (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم صفحہ ۳۶/ شعب الایمان للبیھقی جلد دوم صفحہ ۲۷۰ حدیث نمبر ۱۷۲۶)

چالیس حدیثوں کے حفظ کا وسیع مفہوم:

اس حدیث پاک میں "حفظ" جو فرمایا گیا ہے اس کا مفہوم کیا ہے؟ اور یہ اپنے اندر کتنی وسعت رکھتا ہے؟ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ "اشعۃ اللمعات" میں فرماتے ہیں کہ:

"علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد مبارک سے مراد و مقصود لوگوں تک ۴۰ حدیثوں کا پہنچانا ہے۔ خواہ یہ حدیثیں اسے یاد نہ ہوں اور ان کا معنی بھی اسے معلوم نہ ہو"۔ (اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۱۸۶/ کتاب العلم تحت حدیث۔ من حفظ علی امتی)

حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ مشکوٰۃ شریف کی اردو شرح "مرأۃ المناجیح" میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"اس حدیث کے بہت پہلو ہیں، چالیس حدیث یاد کر کے مسلمانوں کو سنانا، چھاپ کر ان میں تقسیم کرنا، ترجمہ یا شرح کر کے لوگوں کو سمجھانا، راویوں سے سن کر کتابی شکل میں جمع کرنا سبھی اس میں داخل ہیں۔ یعنی جو کسی طرح دینی مسائل کی چالیس حدیثیں میری امت تک پہونچا دے تو قیامت میں اس کا حشر علمائے دین کے زمرے میں ہوگا اور میں اس کی خصوصی شفاعت اور اس کے ایمان اور تقویٰ کی خصوصی گواہی دوں گا۔ ورنہ عمومی شفاعت اور گواہی تو ہر مسلمان کو نصیب ہوگی۔ اسی حدیث کی بنا پر قریبا تمام محدثین نے جہاں حدیثوں کے دفتر لکھے وہاں علیحدہ "چہل حدیث" جسے "اربعینیہ" کہتے ہیں جمع کیں۔" (مرأۃ المناجیح جلد ۱ کتاب العلم صفحہ ۲۲۱)

چالیس حدیثوں کی فضیلت کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"حدیث میں "چہل حدیث" کی بہت فضیلت آئی ہے۔ ائمہ و علما نے رنگ رنگ کی چہل حدیث لکھیں ہیں۔" (الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیۃ صفحہ ۳۸۵/ مشمولہ رسائل رضویہ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، شہزادۂ حجۃ الاسلام، مفسر اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں علیہ الرحمہ اس حدیث پاک کے وسیع مفہوم کو یوں بیان فرماتے ہیں:

"جو، ان (۴۰) احادیث کو یاد کرے اور دوسروں کو سنائے یا لکھ کر دے یا کتاب دوسروں کو پہونچائے تو بے شک اس نے دین کی خدمت کی اور علم کو پھیلایا اور روز قیامت یہ شخص زمرۂ علما میں محشور ہوگا اور ثواب عظیم حاصل کرے گا اور اموات کو ایصال ثواب کے لئے ایسی کتابوں کا جیسی یہ (مفسر اعظم کی چہل حدیث) ہے، طبع کرانا، تقسیم کرانا، کارِ عظیم ہے۔" (چہل حدیث: از مفسر اعظم)

www.muftiakhtarrazakhan.com

ایک اور جگہ حضرت مفسر اعظم ہند فرماتے ہیں:

"چالیس حدیثیں یاد کرنا امت کے فائدے کے لیے، پھر ان کو امت کو پہونچانا، خواہ لکھ کر، پڑھ کر، سنا کر یا لکھی ہوئی، چھپی ہوئی یہ احادیث اور ان کی شکل دوسروں کو ہدیہ کرنا، یہ علم کی "حد ادنیٰ" ہے کہ عالم وفقیہ کا ثواب پائے گا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم شفیع وشہید {گواہ} ہوں گے"۔ (چہل حدیث از مفسر اعظم ہند)

اربعین کا لغوی واصطلاحی مفہوم:

ماقبل میں احادیث کریمہ کے جن معروف ۱۳ر مجموعوں کی تفصیل بیان کی گئی ان میں ایک مجموعہ "اربعین" کے نام سے بھی ہے۔ محدثین کرام نے جہاں جامع، مسند، سنن وغیرہ کے نام سے بے شمار احادیث کریمہ کے بے شمار رنگارنگ گلدستے امت کے سامنے پیش فرمائے اسی طرح اربعین کے نام سے بھی سینکڑوں گلدستے ہمیں احادیث کریمہ کے ذخیروں میں ملتے ہیں۔ دوسری صدی ہجری ہی سے سینکڑوں ائمہ نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے "گلشن حدیث" کی سیر کر کے متعدد اقسام کے ۴۰ر خوشنما پھولوں کو چن کر "اربعین" نامی یہ گلدستے تیار کئے اور انہیں امت تک پہنچا کر گلشن احادیث کی معطر ومفرح خوشبو سے امت مسلمہ کے "مشام ایمان وعمل" کو معطر وخوشنما بنا دیا۔ اب ہم ذیل میں اربعین کا لغوی واصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہیں:

اربعین: یہ دراصل "اربعون حدیثاً" کی تخفیف شدہ صورت ہے۔ یہ دراصل مخفف ہو کر "اربعون" ہوا۔ "کتاب" اس کا مضاف تھا جس کی وجہ سے اس نے "کتاب الاربعین" کی شکل اختیار کی پھر اس مضاف کو بھی حذف کر دیا گیا۔ اس طرح یہ اب ہمیں اپنی موجودہ شکل "اربعین" کی صورت میں دستیاب ہوا۔ اس کا لغوی معنی ہوتا ہے کہ ۴۰ر حدیثوں پر مشتمل کتاب اور اصطلاح محدثین میں اربعین ۴۰ر احادیث کریمہ کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں کہ جس میں کسی محدث نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ۴۰ر اقوال جمع کئے ہوں۔ خواہ یہ ۴۰ر حدیثیں ایک ہی موضوع پر مشتمل ہوں یا چند موضوعات سے متعلق ہوں۔ ایک ہی مسئلہ کی ہوں یا چند مسائل کی۔ ایک ہی راوی کی ہوں یا چند راویوں کی۔ ایک کتاب کی ہوں یا چند کتابوں کی۔ بہر حال ان ۴۰ر حدیثوں کی جمع و تدوین میں بہت وسعت ہے۔

اربعینة اور اربعینیة:

جن کتابوں میں یہ ۴۰ر حدیثیں جمع کی جاتی ہیں تو اربعین کی طرف منسوب کرتے ہوئے ان کتابوں کو "اربعینة" اور "اربعینیة" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے جن کی جمع اربعینات اور اربعینیات آتی ہے۔

اربعین نویسی کی مستدل حدیث:

دوسری صدی ہجری ہی سے "اربعینات" کے نام سے "گلدستہائے احادیث" تیار کرنے کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ متقدمین ومتاخرین ائمہ حدیث نے بے شمار اربعینات امت مسلمہ کے حوالے کیں۔ ان اربعینات اور ان ۴۰ر حدیثوں کی جمع وتدوین کی مستدل حدیثِ پاک معنی کی یکسانیت کے ساتھ متعدد الفاظ میں مندرجہ ذیل ۱۳ر صحابہ کرام سے مروی ہے۔

(۱) حضرت علی (۲) حضرت عبد اللہ بن مسعود (۳) حضرت معاذ بن جبل (۴) حضرت ابو درداء (۵) حضرت ابو سعید خدری (۶) حضرت ابو ہریرہ (۷) حضرت ابو امامہ (۸) حضرت عبد اللہ بن عمر (۹) حضرت عبد اللہ بن عمرو (۱۰) حضرت جابر

www.muftiakhtarrazakhan.com

بن سمرہ (۱۱) حضرت انس بن مالک (۱۲) حضرت عبداللہ بن عباس (۱۳) حضرت نویرہ۔

حدیث اربعین کی مختلف مرویات

(۱) حضرت علی کی حدیث: مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَربَعِينَ حدیثا ینتَفِعُونَ بِها، بَعَثَه الله يومَ القِيامَة فَقِيهاً عالِمًا۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن مسعود کی حدیث: مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَربَعِينَ حديثا ينفعُهم الله عَزَّ وجَلَّ بِها، قِيلَ لَه: ادخُل مِن أَيِّ أَبوابِ الجَنَّة شِئتَ"۔

(۳) حضرت معاذ بن جبل کی حدیث: "مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَربَعِينَ حديثا مِن أَمرِ دِينِها، بَعَثَه الله يومَ القِيامَة فَقِيها عالِمًا"۔

(۴) حضرت ابو درداء کی حدیث: یہ حدیث تین طرق سے مروی ہے:

(۱) الطَّرِيقُ الاول: "مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَربَعِينَ حديثا مِن أَمرِ دِينِها، بَعَثَه الله فَقِيها، و كنتُ لَه يومَ القِيامَة شافِعًا وشَهيدًا"۔

(۲) الطَّرِيقُ الثّاني: "مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَربَعِينَ حديثا مِن أَمرِ دِينِها، بَعَثَه الله فَقِيها، و كنتُ لَه يومَ القِيامَة شافِعًا وشَهيدًا"۔

(۳) الطَّرِيقُ الثّالِثُ: "مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَربَعِينَ حديثا مِن أَمرِ دِينِها، بَعَثَه الله عَزَّ وجَلَّ فَقِيها، و كنتُ لَه شافِعًا وشَهيدًا"۔

(۵) حضرت ابو سعید خدری کی روایت کردہ حدیث: "كلُّ مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَربَعِينَ حديثا مِما ينفعُهم الله به فِي أَمرِ دِينِهم، بَعَثَه الله عَزَّ وجَلَّ يومَ القِيامَة فَقِيها عالِمًا، و كنتُ لَه شَفِيعًا وشَهيدًا"

حضرت ابو سعید خدری کی یہ حدیث پاک مندرجہ ذیل ایک دوسری سند سے دوسرے الفاظ میں بھی مروی ہے۔

ورُوِي مِن حديث عَبدِ الرَّحمَن بنِ مُعاوِية، عَن الحارِثِ مَولَى ابنِ سِباعٍ، عَن أَبِي سَعِيدٍ، قال: سَمِعتُ رَسُولَ الله صلى الله عليه وسلم يقُولُ: "مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَربَعِينَ حديثا مِن سُنَّتِي أَدخَلتُه يومَ القِيامَة فِي شَفاعَتِي"۔

(۶) حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ حدیث، حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث پاک مندرجہ ذیل دو سندوں سے مروی ہے:

(۱) الطَّرِيقُ الأوَّلُ: "مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَربَعِينَ حديثا ما ينفعُهم مِن دِينِهم، بُعِثَ يومَ القِيامَة مِنَ العُلَماءِ، وفَضلُ العالِمِ عَلَى العابِدِ سَبعِينَ دَرَجَة، الله أَعلَمُ ما بَينَ كلِّ دَرَجَتَينِ"۔

(۲) الطَّرِيقُ الثّانِي: "مَن تَعَلَّمَ عَلَى أُمَّتِي أَربَعِينَ حديثا ينفعُه الله بِها فِي دِينِها كان فَقِيها عالِمًا"۔ "مَن حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَربَعِينَ حديثا مِما ينفعُها الله به يبعَثُه الله يومَ القِيامَة فَقِيها عالِمًا"۔

نیز اسحاق بن نجیح نے عطا کے حوالے سے یہی حدیث مندرجہ ذیل الفاظ میں روایت کی ہے: "مَن رَوَى عَنِّي

www.muftiakhtarrazakhan.com

أربعين حديثا جاء في زمرة العلماء يوم القيامة"۔

(۷) حضرت ابو امامہ کی روایت کردہ حدیث: "من حفظ على أمتي أربعين حديثا فيما ينوبهم وينفعهم في أمر دينهم حشره الله يوم القيامة فقيها"۔

(۸) حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت کردہ حدیث، حضرت عبداللہ ابن عباس والی حدیث مندرجہ ذیل چار طرق سے مروی ہے:

(۱) الطريق الأول: "من حفظ على أمتي أربعين حديثا بعثه الله يوم القيامة فقيها عالما"۔

(۲) الطريق الثاني: "من حفظ على أمتي أربعين حديثا من السنة، كنت له شفيعا يوم القيامة"۔

(۳) الطريق الثالث: "من حفظ على أمتي أربعين حديثا من السنة، كنت له شفيعا يوم القيامة"۔

(۴) الطريق الرابع: "من حفظ على أمتي أربعين حديثا من أمر دينها، بعثه الله عز وجل يوم القيامة فقيها عالما"۔

(۹) حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت کردہ حدیث: "من حفظ على أمتي أربعين حديثا من السنة حتى يؤديها إليهم، كنت له شفيعا وشهيدا يوم القيامة"۔

(۲) وفی لفظ: "من نقل عني إلى من لم يلحقني من أمتي أربعين حديثا، كتب في زمرة العلماء وحشر من جملة الشهداء"۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت کردہ حدیث: "من كتب أربعين حديثا رجاء أن يغفر الله له غفر له وأعطاه ثواب الشهداء الذين قتلوا بعبادان وعسقلان"۔

(۱۱) حضرت جابر بن سمرہ کی روایت کردہ حدیث: "من ترك أربعين حديثا بعد موته فهو رفيقي في الجنة"۔

(۱۲) حضرت انس بن مالک کی روایت کردہ حدیث: "من حمل على أمتي أربعين حديثا بعثه الله عز وجل يوم القيامة فقيها عالما"۔

"من حفظ على أمتي أربعين حديثا من أمر دينهم، بعثه الله عز وجل يوم القيامة فقيها"۔

"من حمل من أمتي أربعين حديثا لقي الله عز وجل فقيها عالما"۔

(۱۳) حضرت نویرہ سے مروی حدیث: "من حفظ على أمتي أربعين حديثا في دينها، حشر مع العلماء يوم القيامة"۔

نوٹ: مذکورہ بالا صحابہ کرام سے مروی تمام روایتوں کی تخریج اور ان کی سندوں پر کلام کو تفصیل ساتھ راقم نے حضرت مفسر اعظم ہند کی کتاب "چہل حدیث" پر لکھی گئی اپنی تقدیم میں نقل کیا ہے۔

حدیث اربعین کی حیثیت واقعیہ

اکثر ائمہ جرح وتعدیل نے اس حدیث اربعین کی سندوں پر کلام کیا ہے۔ جس کی وجہ سے ائمہ نے اس حدیث اربعین کو

www.muftiakhtarrazakhan.com

ضعیف قرار دیا۔ مگر اس کی اسنادی حیثیت کے ضعف سے یہ لازم نہیں آتا کہ حقیقت میں بھی اس کے اندر ضعف ہے یا یہ موضوع ہے یا یہ غیر معمول بہ ہے۔ بلکہ یہ حدیث پاک حقیقی طور پر کم سے کم درجہ حسن پر فائز ہے جس کی مندرجہ ذیل یہ چند وجوہات ہیں۔

☆ ایک تو یہ حدیث کثرت طرق سے مروی ہے۔

☆ اس کا مفہوم چونکہ احادیث کریمہ کی تبلیغ و ترسیل اور نشر و اشاعت پر مبنی ہے اور یہ مفہوم کئی صحیح حدیثوں کے عین موافق ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو ان صحیح حدیثوں کی موافقت و متابعت اور تائید و توثیق حاصل ہے۔

☆ یہ حدیث فضائل اعمال سے متعلق ہے۔

☆ یہ حدیث کسی اصول شرعی سے متصادم نہیں بلکہ عمل خیر کی دعوت دے رہی ہے۔

☆ اسباب تقویت کی بنیاد پر اس کا اسنادی ضعف اس حدیث پر عمل پیرا ہونے سے مانع نہ ہوگا۔

☆ ائمہ کرام نے اس حدیث سے استناد بھی کیا ہے اور استشہاد بھی۔

☆ مجتہدین کرام نے اس پر عمل کرتے ہوئے اربعینات تحریر فرمائی ہیں۔

☆ اس حدیث پاک کو خیر القرون سے لے کر اب تک کے علما، فقہا، ائمہ، محدثین، مفسرین غرض کہ امت کا شرف قبول اور ''تلقی بالقبول'' حاصل ہے۔

''تلقی بالقبول'' کے اس عظیم منصب پر فائز ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ احادیث کریمہ کے عظیم ذخیرہ میں متقدمین و متاخرین کے ہر چھوٹے بڑے امام علم و فن اور علمائے شریعت اسلامیہ کی سینکڑوں اربعینات ہمیں ملتی ہیں۔

ظاہری بات ہے کہ یہ تمام باتیں ضعیف حدیث کو تقویت پہونچانے والے اسباب سے ہی متعلق ہیں۔

یہ اور ان کے علاوہ کچھ اور بھی اسباب ہیں جن کی وجہ سے حدیث ضعیف ضعف سے نکل کر حسن بلکہ صحیح تک ترقی کر جاتی ہے۔ لہٰذا کسی حدیث کی سند کے سلسلہ میں ائمہ جرح و تعدیل کلام، طعن اور جرح کر کے اس کے ضعف کو سنداً ثابت بھی کر دیں تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث قابل عمل نہ رہی یا یہ کہ وہ موضوع ہوگئی۔ اس لئے کہ حدیث صحیح اور موضوع کے درمیان بہت سے درجے ہوتے ہیں۔

اربعین کے فضائل والی حدیث پاک اگر قابل عمل نہ ہوتی تو ائمہ کرام اس پر عمل کرتے ہوئے اتنی کثیر تعداد میں اربعینات تحریر نہ فرماتے۔ پھر ایک چیز اور بھی قابل غور ہے کہ جن راویوں کی وجہ سے اس حدیث کی مختلف سندوں میں ضعف آیا ہے یہ وہ تمام راوی ہیں کہ جن کا تعلق اس حدیث پر عمل کرنے کے زمانہ کے بعد سے ہے۔ کیونکہ اس حدیث پر تو خیر القرون ہی سے عمل ہوتا چلا آرہا ہے۔ حالانکہ اس حدیث کے اکثر ضعیف راویوں کا تعلق اس زمانہ کے بعد سے ہے۔

وہابیہ کی خباثت:

وہابیہ نے اس حدیث پاک کے اسنادی ضعف کو دیکھ کر اپنی عادت کے مطابق بجائے اس کے کہ اس کو اسی درجۂ ضعف میں رکھتے، تشدد کا مظاہرہ کرتے ہوئے فضائل کی دیگر حدیثوں کی طرح اسے بھی موضوع قرار دیدیا۔ چنانچہ البانی نے اس حدیث کی سندوں پر علمائے جرح و تعدیل کے طعن و کلام کو نقل کرنے کے بعد اخیر میں فیصلہ کن لہجے میں کہا کہ ''ھذا الحدیث

www.muftiakhtarrazakhan.com

عندی موضوع''(مفہوما)

اس حدیث کے تعلق سے اس کی یہ گفتگو انٹرنیٹ پر موجود ہے۔تقلید شخصی کو ناجائز وحرام کہنے والے وہابیہ نے البانی کے اس قول کو دیکھا تو تقلید جامد کرتے ہوئے اپنی کتابوں، بیانوں، مضمونوں اور مقالوں میں شدومد کے ساتھ اسے موضوع قرار دینے لگے۔یہ بھی دیکھنے کی زحمت گوارہ نہ کہ ایسے ایسے جلیل القدر ائمہ علم وفن نے اسی حدیث کو متدل بناتے ہوئے سینکڑوں اربعینات تحریر فرما کر ذخیرہ احادیث میں قابل قدر اضافہ فرمایا ہے۔

اربعین نویسی کے موجد:

باقاعدہ اور باضابطہ انداز میں اس حدیث اربعین پر عمل کرتے ہوئے سب سے پہلے جنہوں نے چالیس حدیثوں کا مجموعہ امت مسلمہ کے سامنے پیش فرمایا اس عظیم شخصیت کا نام ''ابوعبدالرحمن عبداللہ بن مبارک مروزی'' ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک کے بعد یہ سلسلہ دراز سے دراز تک ہوتا چلا گیا۔چنانچہ ان کے بعد ابوعبداللہ محمد اسلم بن طوسی، احمد بن حرب الزائد، ابومحمد حسن بن سفیان نسبی، ابوبکر محمد ابی علی، محمد بن عبداللہ الزوجی، حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری، محمد بن حسین سلمی، ابومعین احمد بن عبداللہ اصفہانی، اسماعیل بن عبداللہ صابونی، ابواسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری، ابوقاسم قشیری، جیسے بے شمار ائمہ نے اربعینات کے مجموعے تیار فرمائے۔امام نووی فرماتے ہیں:

''سب سے پہلے اس سلسلہ میں عبداللہ ابن مبارک نے تصنیف کی، پھر محمد بن اسلم طوسی، پھر حسن بن سفیان نسائی، پھر امام ابو بکر آجوری، پھر دارقطنی، حاکم ابومعین، اور ابوعبدالرحمن بن سلمی وغیرہم متقدمین ومتاخرین کی بڑی تعداد نے تصنیف کی ہیں۔ نیز ہر ایک کے اغراض ومقاصد مختلف اور طرز انتخاب بھی جداگانہ ہے۔۔۔۔۔غرض کہ جس نے بھی امت کی نفع رسانی کے لئے چالیس احادیث ان تک پہونچائیں اور خود بھی دین پر قائم اور عمل پیرا رہا وہ ان شاءاللہ اس فضیلت کا مستحق ہوگا۔(فیض القدیر جلد ۶، مقدمہ اربعین نووی)

صاحب کشف الظنون متوفی ۱۰۶۷ھ نے حضرت عبداللہ ابن مبارک سے لے کر اپنے زمانہ تک کے مشہور ومعروف علماء میں سے تقریباً ۷۵ علماء کی ۹۰ رسے زائد اربعینات کا ذکر کیا ہے۔اب ذیل میں ہم چند مشہور اربعینات کا اجمالی تعارف پیش کرتے ہیں۔

چند مشہور اربعینات:

(۱) ابن مبارک کی اربعین۔علامہ ابن مبارک کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی۔آپ دوسری صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔آپ ہی کو اربعین نویسی کا واضع اور موجد قرار دیا گیا ہے چنانچہ آپ کے بارے میں امام نووی فرماتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق یہ پہلی اربعین ہے جو تصنیف کی گئی۔ (مقدمہ اربعین نووی)

(۲) امام بیہقی کی اربعین۔حضرت امام ابوبکر شمس الدین احمد بن حسین شافعی کی وفات ۴۵۸ھ میں ہوئی۔آپ نے اپنی اربعین اخلاق کے موضوع پر ابواب کے ساتھ تصنیف فرمائی۔

(۳) محمد بن علی طائی ہمدانی کی اربعین۔ابوالفتوح محمد بن محمد بن علی طائی ہمدانی کی وفات ۵۵۵ھ میں ہوئی۔آپ چھٹی

www.muftiakhtarrazakhan.com

صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ آپ نے اپنی مسموعات میں سے اپنے چالیس شیوخ کی چالیس حدیثیں املا کرائیں۔ نیز ہر حدیث ایک الگ صحابی کی ہے۔ اس مجموعہ کے نام "اربعین طائیہ" ہے۔

(۴) ابن عساکر کی اربعینات۔ ابوالقاسم علی بن حسن دمشقی شافعی بھی چھٹی صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ ۵۷۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کی کئی اربعینات ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اربعین طوال (۲) اربعین فی الابدال العوال (۳) اربعین فی الاجتہاد فی اقامۃ الحدود (۴) اربعین بلدانیہ۔

اربعین طوال میں چالیس ایسی طویل حدیثیں جمع کیں ہیں جو نبی ﷺ کی نبوت پر بھی دلالت کرتی ہیں اور صحابہ کرام کے فضائل پر بھی۔

(۵) اربعین بلدانیہ۔ یہ اربعین ابوطاہر احمد بن محمد سلفی اصبہانی کی ہے۔ آپ بھی چھٹی صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ آپ کی وفات ۵۷۶ھ کو ہوئی۔ آپ نے ایک نئی طرز پر یہ مجموعہ تیار کیا اس طور پر کہ چالیس حدیثیں، چالیس صحابہ، چالیس باب، اور مزے کی بات یہ کہ چالیس مختلف شہروں میں انہیں جمع کیا جس کی وجہ سے اس کا نام "اربعین بلدانیہ" رکھا۔

(۶) اربعین فی اصول الدین، امام فخر الدین محمد بن عمر رازی نے اپنے فرزند محمد کے لئے اس اربعین کو تصنیف فرمایا، آپ ساتویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں، آپ کی وفات ۶۰۶ھ میں ہوئی۔ آپ کی یہ اربعین علم کلام کے چالیس مسائل پر مشتمل ہے۔

(۷) اربعین فی اصول الدین، یہ اربعین ابوحامد محمد بن محمد امام غزالی کی ہے، آپ نے تصوف کے مسائل پر اس کو مرتب فرمایا۔

(۸) الاربعین۔ موفق الدین عبد اللطیف بن یوسف الحکیم فیلسوف بغدادی کی ہے۔ آپ ساتویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ آپ نے طب نبوی پر اپنی اربعین کو ترتیب دیا۔ آپ کی وفات ۶۲۹ھ میں ہوئی۔

(۹) الاربعین۔ یہ اربعین محمد بن احمد یمنی بطال کی ہے۔ آپ نے صبح وشام کے اذکار پر مشتمل حدیثوں کا یہ مجموعہ تیار کیا۔ آپ بھی ساتویں صدی ہجری کے بزرگ تھے۔ آپ کی وفات ۶۳۰ھ میں ہوئی۔

(۱۰) الاربعین المختارۃ فی فضل الحج والزیارۃ۔ یہ اربعین حافظ جمال الدین اندلسی نے تحریر فرمائی۔ آپ نے ۶۶۳ھ میں وفات پائی۔ ساتویں صدی ہجری کے عالم ہیں۔ اس اربعین میں آپ نے حج وزیارت کی فضیلتوں پر مشتمل احادیث کریمہ کو جمع کیا ہے۔

(۱۱) الاربعین النوویۃ۔ حضرت امام ابوزکریا محی الدین یحیٰ بن شرف نووی شافعی کی یہ اربعین نہایت مشہور ومعروف ہے۔ آپ شارح مسلم کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ آپ نے اپنی اس اربعین میں ایسی حدیثوں کو جمع فرمایا ہے جو دین ومذہب اور شریعت کے اصول کی بنیاد ہیں۔ اخلاق واعمال کی اساس اور تقویٰ و پرہیزگاری کے سرچشمہ ہیں۔ اس میں آپ نے صحیح حدیثوں کا التزام فرمایا ہے۔ چالیس حدیثوں کے ساتھ انہوں نے دو اور حدیثوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اس طرح آپ کی اس اربعین میں کل بیالیس حدیثیں ہیں۔ یہ نہایت ہی اہم مجموعہ حدیث ہے جس کی وجہ سے بعد کے علماء نے اس اربعین کی متعدد شرحیں تحریر فرمائیں۔ صاحب کشف الظنون نے تقریباً ۲۰ شارحین کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان احادیث کریمہ کی تخریج کی ہے۔ ابن دقیق نے بھی اس کی شرح کی ہے۔ امام نووی کی وفات ۶۷۶ھ کو ہوئی۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

(۱۲) اربعین ابن جزری۔ شمس الدین محمد بن محمد جزری شافعی نے اس میں جوامع الکلم کا درجہ رکھنے والی اصح، افصح اور اوجز چالیس حدیثوں کو جمع کیا ہے۔ آپ نویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ آپ کی وفات ۸۳۳ھ کو ہوئی۔

(۱۳) اربعینات سیوطی۔ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے کئی اربعین تصنیف فرمائی ہیں۔ جن میں ایک فضائل جہاد پر، ایک دعا، رفع یدین پر، ایک امام مالک کی روایات پر مشتمل اور ایک روایات متباینہ پر مشتمل ہے۔ آپ کی وفات ۹۱۱ھ کو ہوئی۔ آپ دسویں صدی ہجری کے امام علم وفن ہیں۔

(۱۴) اربعین عدلیہ۔ امام شہاب الدین احمد بن حجر مکی نے اپنی اس اربعین میں اپنی سند سے چالیس ایسی حدیثیں جمع کی ہیں جو عدل اور عادل کی فضیلت پر مشتمل ہیں۔ آپ کی وفات ۹۷۳ھ کو ہوئی۔

(۱۵) اربعین عشاریات۔ قاضی جمال الدین ابراہیم بن علی شافعی نے اس اربعین میں ایسی چالیس روایات املا کرائی ہیں جو سند کے اعتبار سے عالی ہیں اگرچہ وہ درجہ حسن کو نہیں پہنچتیں۔ آپ کی وفات ۹۰۶ھ کو ہوئی۔

(۱۶) اربعین ابن عربی۔ علامہ محی الدین محمد بن علی ابن عربی نے اپنی اس اربعین کو مکۃ المکرمہ کی سرزمین پر جمع فرمایا۔ اس میں انہوں نے صرف احادیث قدسیہ ہی کو جمع فرمایا ہے۔ آپ کی وفات ۶۳۸ھ میں ہوئی۔

(۱۷) اربعین طاش کبری زادہ۔ علامہ احمد بن مصطفیٰ رومی نے اس اربعین میں آقا کریم ﷺ کی ایسی حدیثیں جمع فرمائی ہیں جو آپ سے بطور مزاح صادر ہوئیں۔ آپ کی وفات ۹۶۸ھ میں ہوئی۔

(۱۸) اربعین یمانیہ۔ علامہ محمد بن عبدالحمید قرشی کی یہ اربعین ایسی حدیثوں پر مشتمل ہے جن میں یمن کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۹) اربعین قدسیہ۔ علامہ حسین بن احمد بن محمد تبریزی نے اپنی اس اربعین میں ایسی حدیثوں کو جمع کیا ہے کہ جن کا تعلق اسرار عرفانی اور علم لدنی سے ہے۔

(۲۰) الاربعین فی فضائل عثمان۔ علامہ ابوالخیر رضی الدین قزوینی نے حضرت عثمان کی فضیلت میں ایک اربعین اور دوسری اربعین حضرت علی کی فضیلت میں وارد حدیثوں پر مشتمل تصنیف کی ہے۔

(۲۱) الاربعین فی فضائل العباس۔ امام ابوالقاسم حمزہ بن یوسف سہمی جرجانی نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پر مشتمل احادیث کریمہ کا یہ مجموعہ تیار کیا۔ آپ کی وفات ۴۲۸ھ میں ہوئی۔

(۲۲) اربعین عالیہ۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس اربعین میں ایسی چالیس حدیثوں کا انتخاب کیا ہے جن میں مسلم کی سند بخاری کی سند سے عالی ہے۔ آپ کی وفات ۸۵۲ھ کو ہوئی۔

(۲۳) اربعین شاہ ولی اللہ۔ مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جوامع الکلم کی حیثیت رکھنے والی چالیس حدیثوں کو جمع فرمایا ہے۔

(۲۴) اربعین ملا علی قاری۔ حضرت علامہ شیخ علی بن سلطان محمد قاری جو ملا علی قاری کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے احادیث قدسیہ پر مشتمل ایک ایسی اربعین تصنیف فرمائی ہے کہ جس میں آپ نے اللہ رب العزت کی طرف منسوب کلام رسول جسے حدیث

www.muftiakhtarrazakhan.com

قدسی کہا جاتا ہے انہیں جمع کیا ہے۔اس اربعین کا نام ''کتاب الاحادیث القدسیۃ الاربعینیۃ'' ہے۔آپ گیارہویں صدی ہجری کے معروف بزرگ ہیں۔آپ کی وفات ۱۰۱۴ھ میں ہوئی۔

(۲۵) اربعین امام بغوی۔صاحب مصابیح السنۃ حضرت امام ابومحمد حسین بن مسعود بن محمد بن فراء بغوی علیہ الرحمہ نے یہ اربعین تصنیف فرمائی۔آپ چھٹی صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔آپ نے ۵۱۰ھ میں وفات پائی۔

اربعینات امام احمد رضا

یوں تو اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی تصانیف میں بے شمار احادیث کریمہ ملتی ہیں جنہیں فخر بریلی، ناشر رضویات حضرت علامہ مفتی محمد حنیف خاں صاحب رضوی، بانی وناظم امام احمد رضا اکیڈمی صالح نگر بریلی شریف نے ''جامع الاحادیث'' کے نام سے جمع فرمادیا ہے۔آپ کے نقل کردہ ذخیرۂ احادیث میں دو اربعینات ہمیں ملتی ہیں جن میں ایک کا نام ''اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین'' دوسری اربعین سجدہ تعظیمی کی حرمت پر ملتی ہے جو سجدہ تعظیمی کی حرمت پر تصنیف کئے گئے آپ کے رسالہ ''الزبدۃ الذکیہ لتحریم سجود التحیۃ'' کے ضمن میں ملتی ہے۔اس اربعین میں اعلیٰ حضرت نے سجدہ تعظیمی کی حرمت پر چالیس حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

(۲۶) اسماع الاربعین۔دراصل یہ اعلیٰ حضرت کی وہ اربعین ہے کہ جسے آپ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ آپ سے سائل نے یہ معلوم کیا تھا کہ

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شفیع ہونا کس حدیث سے ثابت ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے خطبہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ ''سبحان اللہ! ایسے سوال سن کر تعجب آتا ہے کہ مسلمان ومدعیان سنت اور ایسے واضح عقائد میں تشکیک کی آفت!!! یہ بھی قربت قیامت کی ایک علامت ہے۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' (اسماع الاربعین مشمولہ رسائل رضویہ صفحہ ۳۹۹ جلد ۳۰، مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

آگے ایک جگہ یوں فرماتے ہیں کہ

''فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے رسالہ ''سمع وطاعۃ لاحادیث الشفاعۃ'' میں بہت کثرت سے ان احادیث کی جمع وتلخیص کی (یہاں) بہ نہایت اجمال صرف چالیس حدیثوں کی طرف اشارت۔'' (ایضا صفحہ ۴۰۰)

اس رسالہ میں آپ نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیع ہونے اور آپ کو منصب شفاعت عطا کئے جانے پر مشتمل چالیس احادیث کریمہ کو جمع فرمایا ہے۔یہ اربعین آپ نے ۱۳۰۵ھ میں تصنیف فرمائی۔

(۲۸) الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیۃ۔۹ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ کو آپ کے پاس بنارس سے مولوی حافظ عبدالسمیع صاحب کا ایک سوال نامہ آیا جس میں زید اور عمرو کے مابین مرشد طریقت کو سجدۂ تعظیمی کرنے کے جواز اور عدم جواز پر مشتمل ایک مکالمہ نقل فرما کر یہ سوال کیا تھا کہ ''براہ کرم سجدہ تحیت کے جواز وعدم جواز پر اپنی قیمتی رائے سے اس خادم کو مطلع فرمایا جائے''۔(الزبدۃ الزکیہ مشمولہ رسائل رضویہ جلد ۲۵ صفحہ ۴۷۷، ۳۰ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی)

اس سوال کے جواب میں آپ نے چھ فصلوں پر مشتمل ایک رسالہ بنام ''الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیۃ'' ۱۳۳۷ھ میں

www.muftiakhtarrazakhan.com

تحریر فرمایا۔ اس رسالہ کی دوسری فصل میں آپ نے چالیس حدیثوں سے سجدۂ تحیت کی تحریم ثابت فرمائی ہے۔ اس اربعین کا تعارف کراتے ہوئے آپ خود ارشاد فرماتے ہیں:

حدیث میں ''چہل حدیث'' کی بہت فضیلت آئی ہے۔ ائمہ وعلما نے رنگ رنگ کی ''چہل حدیث'' لکھیں ہیں۔ ہم بتوفیقہ تعالیٰ غیر خدا کو سجدہ حرام ہونے کی ''چہل حدیث'' لکھتے ہیں''۔ (ایضا صفحہ ۳۸۵)

(۲۹) اربعین حجۃ الاسلام۔ حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے قادیانیت کے رد میں ''الصارم الربانی علی اسراف القادیانی'' کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا جو فتاویٰ حامدیہ میں چھپ چکا ہے۔ یہ فتاویٰ حامدیہ عرس صد سالہ کے موقع پر امام احمد رضا اکیڈمی بریلی کی طرف سے ترتیب جدید کے ساتھ منظر عام پر آ رہا ہے۔ اس میں درج عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ اور اس کی تصحیح و پروف ریڈنگ کا کام فقیر راقم الحروف نے انجام دیا ہے۔ بہر حال واقعہ یوں ہوا کہ ''سرسادہ'' ضلع سہارنپور کے یعقوب کلارک نامی ایک صاحب نے مؤرخہ ۱۵ ر رمضان المبارک ۱۳۱۵ ہجری کو ایک سوال نامہ بھیجا جس میں قادیانیوں کی کچھ لغویات سے متعلق سوال کیا گیا۔ اسی کے جواب میں آپ نے یہ رسالہ تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے قیامت کے قریب آسمان سے حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نزول اور ان کو زندہ آسمان پر اٹھا لئے جانے پر مشتمل جو احادیث کریمہ نقل فرمائی ہیں ان کی تعداد ۴۳ رہے۔ جسے ہم امام نووی علیہ الرحمہ کے اصول کے مطابق اربعین کے نام سے موسوم کر کے اربعینات میں شمار کر سکتے ہیں۔ کیونکہ امام نووی کی اربعین میں بھی چالیس نہیں بلکہ ۴۲ رحدیثیں ہیں۔

(۳۰) اربعین مفسر اعظم ہند۔ نبیرۂ اعلیٰ حضرت، شہزادۂ حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں علیہ الرحمہ نے مؤرخہ ۵، ۶، صفر المظفر ۱۳۷۳ھ میں ''چہل حدیث'' کے نام سے یہ اربعین تصنیف فرمائی۔ اس اربعین میں آپ نے ''مشکوٰۃ المصابیح'' سے چالیس ایسی حدیثوں کا انتخاب کیا ہے کہ جن میں سے اکثر کا تعلق ایمان وعقیدہ سے اور بقیہ کا تعلق ذکر وشکر سے ہے۔

مفسر اعظم ہند کی ''چہل حدیث'' کا تعارف

جیسا کہ مذکور ہوا کہ حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ''چہل حدیث'' کے نام سے ایک اربعین تصنیف فرمائی ہے۔ آپ نے اپنی اس اربعین کو سرزمین کلکتہ پر مؤرخہ ۵، ۶ صفر المظفر ۱۳۷۳ھ میں تصنیف فرمایا۔ دراصل آپ کلکتہ بیعت و ارشاد اور دعوت وتبلیغ کی غرض سے تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر میں آپ کے پاس نہ تو کتابیں تھی اور نہ ہی شروحات۔ لیکن آپ کے ذہن ودماغ میں عقائد اہل سنت کی تائید وتوثیق کرنے والی احادیث کریمہ اور ان کی تشریحات کا ایسا دریا موجزن تھا کہ جن سے سنیوں کے ایمان میں جلا اور تروتازگی پیدا ہوتی۔ اس لئے آپ نے بریلی شریف واپس لوٹ کر لکھنے پر ملتوی نہ فرمایا بلکہ اسی حالت سفر ہی میں فوراً انہیں سپرد قرطاس فرما دیا۔

اس ''چہل حدیث'' میں حضرت مفسر اعظم ہند نے امام محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی (م ۷۴۱ھ) کی ''مشکوٰۃ المصابیح'' سے چالیس حدیثیں منتخب فرما کر ان کا ترجمہ اور فوائد وتشریح جمع فرمائے ہیں۔ اس میں آپ نے احادیث کریمہ کا عربی متن نقل نہیں فرمایا۔ ان احادیث کریمہ کے تحت آپ نے عقائد اہل سنت کے اثبات، وہابیہ اور دیابنہ کے رد وابطال پر مشتمل جو علمی

www.muftiakhtarrazakhan.com

نکات بیان فرمائے ہیں وہ پڑھے جانے، سنائے جانے، تقریروں میں بیان کئے جانے اور محفوظ رکھے جانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ان علمی وفنی نکات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا کہ حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کوفن تفسیر کے ساتھ فن حدیث میں کس قدر ملکہ حاصل تھا۔ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علوم وفنون کے جلوے آپ کی تحریروں میں جابجا دکھائی دیتے ہیں۔ کیوں نہ دکھائی دیں جبکہ آپ تو ''لسان رضا'' ہیں۔

''چہل حدیث'' کے اپنے مقدمہ میں آپ اس اربعین کا تعارف، سبب تالیف، تاریخ تالیف اور غرض تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''یہ مختصر،فقیر نے تالیف کیا ''مشکوٰۃ المصابیح'' سے۔یہ اظہار اس لیے کہ اس کا انکار نہ کرسکیں اور فقیر نے اس مختصر میں ان احادیث کا ذکر کیا جو کہ عقائد حقہ اہلسنت وجماعت کی تائید وتوثیق کرتی ہیں اور فضائل اعمال کی احادیث کی طرف زیادہ توجہ نہ کی کہ جب تک عقیدہ درست نہ ہو، اعمال بے حقیقت ہیں۔ پھر میں نے ذکر وشکر کا اہتمام کیا اور جہاں تک ہوسکا مضمون کو طول دینے سے اجتناب کیا ہے اور مناسب موقع ومحل بعض نکات قرآنی جو اس کے الفاظ سے محتمل ہیں ''درجۂ تاویل'' میں، فقیر نے ذکر کیے اور یہ میرے سینہ میں جوش زن تھے اور میں مسرور ہوں کہ میرے رب نے توفیق عطا فرمائی طباعت واشاعت کی کہ وہ نکات واسرار شائع نہ ہوتے اور میں انتقال کرتا تو مجھ کو خوف تھا کہ یہ میرے لئے باعث ہلاکت ہوتا اور یہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث مسرت ہوگا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت (تعریف وتوصیف اور فضائل ومناقب) کے نئے نئے جواہر پارے ان کو دستیاب ہوئے۔''یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان''۔{سورۂ رحمٰن۔آیت ۲۲ رکوع ۱۱ر پارہ ۲۷،ترجمہ: ان میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے۔کنز الایمان}

سبب تالیف

یہ بحرین قرآن وحدیث کے گہر ولعل وجواہر زواہر جس ''غواص حبشی'' (مفسر اعظم ہند) نے پیش کیے ہیں اسے امید ہے کہ محبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبول ہوں گے اور ان کی چمک دمک سے اس کا سیاہ رنگ اور تیرہ بختی اور قبر کی تاریکی کافور ہوگی اور یہ ایک نمونہ ہیں اور بہت کچھ ابھی باقی ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ بہ برکات اولیائے کرام، یہ امانت میں ان کو پہنچا دوں جو اس کے اہل ہیں تاکہ ان کے قلوب وقبور ودین ودنیا روشن ہوں اور یہ فقیر ان کی خیر خواہی کا حق ادا کرسکے اور جو نا اہل ہیں ان کے چہرے اور تاریک ہوں۔

''یوم تبیض وجوه وتسود وجوه''۔(سورۂ آل عمران آیت ۱۰۶ رکوع ۲ر پارہ ۴){ترجمہ: جس دن کچھ منہ اونجالے(روشن) ہوں گے اور کچھ منہ کالے۔کنز الایمان}

مولی تعالی محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے قلوب میں جاگزیں فرمائے۔آمین۔

تاریخ تالیف

اور لکھا میں نے اس کو کلکتہ میں ۵/صفر المظفر ۱۳۷۳ھ اور ۶/صفر میں دراں حالیکہ میرے پاس شروح وغیرہ نہ تھیں اور نہ کوئی اور کتاب اور جب آپ مطلع ہوں میری خطا پر تو میرے لئے استغفار کریں اور اطلاع دیں اور جب آپ متعجب ومتحیر

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہوں اور کوئی چیز آپ پر اثر ڈالے اور آپ کو خوش کرے تو میرے لئے دعا فرمائیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔

''وتعاونوا علی البر والتقوی'' {سورۂ مائدہ ا۔ آیت ۲ رکوع ۵ ر پارہ ۶، ترجمہ: اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ کنزالایمان۔}

فائدۂ تالیف

اور جو، ان (۴۰) احادیث کو یاد کرے اور دوسروں کو سنائے یا لکھ کردے یا کتاب دوسروں کو پہونچائے تو بے شک اس نے دین کی خدمت کی اور علم کو پھیلایا اور روز قیامت یہ شخص زمرۂ علما میں محشور ہوگا اور ثواب عظیم حاصل کرے گا اور اموات کو ایصال ثواب کے لئے ایسی کتابوں کا جیسی یہ (مفسر اعظم ہند کی ''چہل حدیث'') ہے، طبع کرانا، تقسیم کرانا، کارِ عظیم ہے۔

چہل حدیث کا اجمالی خاکہ:

حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ''چہل حدیث'' نامی اپنی اس اربعین میں مشکوٰۃ المصابیح کی کتاب العلم سے ۵، کتاب الایمان کے مختلف ابواب سے ۲۳، کتاب فضائل قرآن سے ۴، کتاب الدعوات سے ۴ر اور کتاب الصلوٰۃ ر باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۴ر حدیثوں کو جمع فرمایا ہے جن کی مجموعی تعداد چالیس ہوتی ہے۔

❖❖❖

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور ان کے تعلیمی افکار

از: غلام مصطفیٰ رضوی
نوری مشن مالیگاؤں

علم اور تعلیم کی اشاعت وفروغ میں مسلمانوں نے جو کردار انجام دیا اس کے معترف اغیار بھی ہیں، مسلمانوں نے قرآنی احکام کی بنیاد پر خدمتِ علم کی، چناں چہ جانسن (Johnson) لکھتا ہے:

"یہی (قرآنی) پیغام ایک تعمیری قوت کے طور پر وجود میں آیا، اور عیسائی دنیا میں بہ طور نور (علم) پھیل گیا اور جہالت کی ظلمت کو دور کر گیا۔" (تبرکات عالمی مبلغ اسلام، ص ۴۹۳)

قرآن مقدس نے جہاں انسان کو معبود حقیقی سے قریب کیا وہیں علم سے بھی رشتہ استوار کیا، اس کا یہ اعجاز ہے کہ ہر دور میں اس کی رہ نمائی نے انسانیت کی زلفِ برہم کو سنوارا، اس کے قوانین کی روشنی میں مسلمان علما نے علومِ جدیدہ کی بنیاد ڈالی، ایمانل ڈوش (Emmanuel Deutsch) کے الفاظ میں:

"قرآن مجید میں سائنسی مطالعہ پر زور مذاہب عالم میں بالکل منفرد ہے۔"

مسلسل سازشوں کے نتیجے میں ایک دور وہ آیا کہ مسلمانوں کا علم سے متعلق مزاج بدل گیا، وہ احساس کم تری کا شکار ہو گئے، ہندوستان میں جب کہ مغلوں کا سورج غروب ہوا اور انگریز غالب آئے تو انگریزوں نے مدارس کو بھی مفلوک الحال کر چھوڑا۔ نتیجے میں مدارسِ اسلامیہ زوال سے دوچار ہو گئے۔ اس تنزلی نے فکری سطح کو بھی مجروح کیا، اور پھر سازشوں کے بطن سے علم کا جو تصور اُبھرا اس نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ ڈاکٹر محمد یوسف کے بہ قول:

"مغربی استعمار نے بھی اولین مرحلے میں مسلمانوں کی فکری ونظری اساس پر حملہ کیا۔ اور اس کے لیے انھوں نے مسلمانوں کے نظام تعلیم کے اندر تشکیک والحاد، اپنے مخصوص نظریہ اباحیت وعریانیت اور تجدد پسندی کے اثرات پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ نصوصِ قرآن وسنت میں من مانی تاویلیں کرنے کی سوچ کی سرپرستی کرتے ہوئے اسے پروان چڑھایا۔"

(ضیاے حرم لاہور فروری ۲۰۰۱ء، ص ۳۴)

تجدد پسندی کے اثرات سے ابوالکلام آزاد جیسے لیڈر بھی خود کو محفوظ نہ رکھ سکے، اور اسلامی نظام تعلیم جسے انھوں نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں "درسِ نظامیہ" کی شکل میں سیکھا تھا سے متعلق لکھ دیا:

"پھر اس تعلیم کا حال کیا تھا جس کی تحصیل میں تمام ابتدائی زمانہ بسر ہوا! اس کا جواب اگر اختصار کے ساتھ بھی دیا جائے تو صفحوں کے صفحے سیاہ ہو جائیں......" (غبار خاطر، ص ۹۷)

یہ تھا فکری انحطاط وزوال کا نمونہ! ایسے دور میں جب کہ اسلامی نظام تعلیم سے ذہنوں کو متنفر اور فکروں کو پراگندہ کیا جارہا

www.muftiakhtarrazakhan.com

تھا امام احمد رضا محدث بریلوی (۱۲۷۲ھ۔۱۳۴۰ھ) نے مسلمانوں کی سوچ وفکر کو اسلام کی طرف مائل کیا اور حوصلوں کو سہارا دیا، اس کا اندازا آپ کے افکار وتحریرات کے مطالعہ سے ہوتا ہے، آپ نے اُس دور کی یاد تازہ کر دی جس میں امام غزالی وامام سیوطی جیسی باکمال شخصیات علم وفن کے دریا بہارہی تھیں، امام احمد رضا چاہتے تھے کہ مسلمان علم دین حاصل کرے اور پھر معاصر علوم سے بھی آراستہ ہو لے۔ اور یہ سوچ ایسی ٹھوس تھی کہ اس سے ایک طرف ایمان بھی محفوظ رہتا اور دوسری طرف قوم کو جدید و قدیم علوم سے آراستہ باصلاحیت افراد بھی میسر آتے۔ اسی نوع کا ایک معاملہ پیش ہوا کہ تعلیم انگریزی و ہندی کی مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ تو ارشاد فرمایا:

''اگر جملہ مفاسد سے پاک ہو تو علوم آلیہ مثل ریاضی و ہندسہ وحساب وجبر ومقابلہ وجغرافیہ وامثال ذٰلک ضروریات دینیہ سیکھنے کے بعد سیکھنے کی ممانعت نہیں، کسی زبان میں ہو اور نفس زبان کا سیکھنا کوئی حرج رکھتا ہی نہیں۔'' (فتاویٰ رضویہ، ج ۲۳، ص ۷۰۶)

جو قومیں اپنے اسلاف کی راہ سے ہٹ جاتی ہیں وہ تباہ ہو جاتی ہیں، پھر سوچنے کی بات ہے کہ مسلمان دین کا علم چھوڑ کر کس طرح دوسرے علوم ہی کو مقصد قرار دے سکتا ہے؟ تاریخ اسلامی میں ہر نمونہ شخصیت اول علم دین ہی سے آراستہ نظر آتی ہے اور پھر دوسرے علوم میں بھی ممتاز اور پھر مذکورہ اقتباس میں جو'' مفاسد سے پاک علم'' کی شرط لگائی گئی ہے وہ غیر ضروری نہیں، اس لیے کہ استعماری قوتوں نے جہاں اسلامی علوم سے مسلمانوں کو دور کرنے کی کوشش کی وہیں جدید علوم میں ایسے نظریات کو رواج دیا جو اسلامی عقاید سے متصادم ومتعارض تھے۔

امام احمد رضا کا یہ فکری نکتہ نیا نہیں امام غزالی (۴۵۰ھ۔۵۰۵ھ) نے بھی علوم کو دو انواع میں تقسیم کیا ہے: (۱) محمود (۲) مذموم...... امام احمد رضا کی تعلیمی فکر علوم محمودہ کے حصول پر زور دیتی ہے اور وہ علوم جن سے عقاید کمزور ہوں یا سوچ منفی بنے، اور ایمان وعقیدے میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ ان سے آپ بچنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اسی لحاظ سے انگریزی تعلیم کے پڑھنے پڑھوانے سے متعلق یہ فکر دیتے ہیں جس میں اعتدال وتوازن بھی ہے:

''یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے دین واخلاق ووضع پر اثر نہ پڑے، اسلامی عقاید وخیالات پر ثابت ومستقیم اور مسلمانی وضع پر قائم رہے، ان سب شرائط کے اجتماع کے بعد جائز رزق حاصل کرنے کے لیے (انگریزی پڑھنے میں) حرج نہیں۔'' (ایضاً ص ۷۱۰)

استعماری نظام تعلیم کا مقصد برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی کے مطالعہ سے بھی ہوتا ہے اس کا ایک نکتہ اس طرح ہے:

''کمپنی کی حکومت کا واضح مقصد انگریزی زبان اور مغربی علوم کو ہندوستان میں رائج کرنا (ہے) تاکہ یہاں کے لوگ ''مغربی تہذیب'' اور ''مغربی مذہب'' کو قبول کریں۔'' (ضیائے حرم لاہور فروری ۲۰۰۱ء، ص ۳۵)

بات اگر صرف انگریزی زبان کی ہوتی تو کوئی تعجب نہیں تھا، مگر یہاں مقصد ''مغربی مذہب'' عیسائیت کی تبلیغ ہے، امام احمد رضا کی فراست ایمانی دیکھ رہی تھی کہ ''مغربی نظام تعلیم'' میں کچھ مستور ہے اسی لیے آپ نے علوم جدیدہ کے حصول کی اجازت دی تو علم دین حاصل کر لینے کے بعد تاکہ غیر اسلامی نظریات سے آگہی بہ آسانی ہو، اور جو باتیں خلاف اسلام ہوں ان کی تردید کی جا سکے اور آج تو علوم میں کس قدر غیر اسلامی افکار پڑھائے جاتے ہیں یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، اقبالؔ نے کہا تھا:

یورپ میں بہت روشنی علم وہنر ہے ۔۔۔ حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

www.muftiakhtarrazakhan.com

سرسید نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انگریزی حکومت کی طرف سے عیسائیت کے پرچار اور مغرب کی عریاں تہذیب کی خفیہ مہم تعلیم سے مربوط چھیڑی گئی تھی جس کا اظہار "اسباب بغاوت ہند" میں ملتا ہے، سرسید نے لکھا ہے:

"لڑکیوں کی تعلیم کا بہت چرچا ہندوستان میں تھا اور سب یقیناً جانتے تھے کہ سرکار کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیاں اسکولوں میں آئیں اور تعلیم پائیں اور بے پردہ ہو جائیں۔" (اسباب بغاوت ہند، ص ۱۲۶)

مغربی نظام تعلیم کا ایک اور مقصد یہ تھا کہ:

"جدید تعلیم کے زیور سے آراستہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو اسلام اور اسلامی اقدار سے اعلان برأت نہ کرے تو کم از کم اظہار نفرت تو کرے۔" (ضیاے حرم لاہور فروری ۲۰۰۱ء، ص ۴۴)

آج منظر نامہ اس کی تصدیق کر رہا ہے کہ خود کو مسلمان کہنے اور کہلوانے والا ایک ماڈریٹ طبقہ اسلامی اقدار و تہذیب سے بے زار نظر آتا ہے، اس کے مشاہدات ہمیں آئے دن دیکھنے میں آتے ہیں۔ مثلاً:

☆ مسلم پرسنل لا سے متعلق بہت سے دانش ور قسم کے افراد اسلامی احکام سے جدا غیر اسلامی نظریے کی تائید کرتے ہیں۔
☆ شرعی احکام و مسائل میں اپنی عقل کی بات لاتے ہیں۔
☆ حجاب کے مسئلے میں بھی، اسے "قدامت پسند" "فرسودہ علامت" بھی قرار دینے والوں میں بعض کلمہ گو نظر آتے ہیں۔
☆ سود سے متعلق اسلامی حکم سے خلاف کرنے والے بھی بہت سے کلمہ گو ہیں۔

(یہ حقیقت ہے کہ ایسا طبقہ ۲۰۰۹ء کی The Royal Islamic Strategic Studies Center کی سروے رپورٹ کے مطابق ایک فی صد ہے۔ مگر ان کے جراثیم مسلم معاشرے میں اپنے دامن پسار رہے ہیں۔)

استعماری نظام تعلیم کے زیر اثر الحاد کو راہ ملی ..... امام اہل سنت اسی سے قوم کو بچانا چاہتے تھے۔ اقبال نے الحاد کے پس منظر میں کہا تھا:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

مسئلہ در اصل یہ تھا کہ انگریز اپنے نظام تعلیم کے توسط سے مسلمانوں کو ذہنی غلام بنا رہا تھا۔ فکر مرتی ہے تو قوم مر جاتی ہے۔ امام احمد رضا اسلامی سوسائٹی کو اس کی فکری اساس کے ساتھ دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے ہر اس عمل کی آپ نے مخالفت فرمائی جس سے ہمارے دینی تشخص کو خطرہ لاحق ہو۔

امام اہل سنت کے نزدیک تعلیم کا مقصد "خدا رسی و رسول شناسی" ہے اور بقول استاذ سلیم اللہ جندران: "آپ تعلیم برائے تفہیم دین کے قائل ہیں۔" ...... استعماری نظام تعلیم کے مقابل آپ کے نظریات دین کے فکری سرمائے کی حفاظت کے لیے نہایت اہم مقام رکھتے ہیں۔ انھیں وجوہ سے اسلامی دنیا میں آپ کے عہد میں آپ کے پائے کا کوئی ماہر تعلیم نظر نہیں آتا......

www.muftiakhtarrazakhan.com

مغربی فکر کے مقابل آپ کی ذات غزالیِ عصر نظر آتی ہے، اور بعض دانش وروں نے جو اپنے دور کا بوحنیفہ کہا وہ مطالعے کے آئینے میں دیکھتے ہیں تو درست پاتے ہیں۔

فرنگی اثرات کے تحت ہی آپ نے کالج کی تعلیم کے سلسلے میں شریعت کے پاس ولحاظ کی قید لگائی ہے، جہاں آپ نے علوم جدیدہ کے حصول کی ترغیب دی وہیں شریعت کے اصولوں کی پاس داری کا درس بھی دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"کالج اور اس کی تعلیم میں جس قدر بات خلافِ شریعت ہے اس سے بچنا ہمیشہ فرض تھا اور ہے، جہاں تک مخالفتِ شرع نہ ہو اس سے بچنا کبھی بھی فرض نہیں۔"
(فتاویٰ رضویہ قدیم، ج۶، طبع ممبئی ص ۱۷۱)

یہ ایک عقلی بات ہے کہ جو قائد ہوگا وہ اپنی مذہبی وقومی روایات کا پاس دار ہوگا، اور اس میں معمولی لچک بھی اسے گوارا نہ ہوگی۔ امام احمد رضا ملت اسلامیہ کے قائد تھے، انھوں نے قیادت بھی خوب نبھائی جب کہ بڑے بڑے پھسل گئے تھے اس وقت آپ نے اسلامی نظام تعلیم ومعاشرہ کے تشخص کو بچایا اور اسلام کی اس روایتی سوسائٹی کو قایم رکھا جو ہمارا آئیڈیل رہی ہے اور ہماری اسلامی شان کی مظہر بھی۔ اس سلسلے میں آپ نصاب سازی میں اسلامی فکر وروایات کی پاس داری پر زور دیتے ہیں۔

آپ کی خدمت میں ایک سوال اسی قسم کا کوچین مالا بار سے آیا جس میں پوچھا گیا کہ: آج کل مسلمان جو تکمیل یونی ورسٹی کی کوشش کرتے ہیں اور چندہ فراہم کرتے ہیں وہ ثواب ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے چند شرائط اسلامی رو سے ذکر کیں اور ان بنیادوں پر یونی ورسٹی کے تعاون کی اجازت دی۔ جنھیں نمبر وار درج کیا جاتا ہے:

"اگر یہ بات قرار پائے اور اس کے افسر عہدہ داران اس کا پورا ذمہ قابل اطمینان کریں کہ:

(۱) اس کا حصہ دینیات صرف اہل سنت وجماعت کے متعلق رہے گا،
(۲) جن کے عقاید مطابق علماے حرمین طیبین ہیں، انھیں کی کتب نصاب میں ہوں گی،
(۳) انھیں کے علما مدرسین ہوں گے،
(۴) انھیں کی تربیت میں طلبا رہیں گے،
(۵) غیروں کی صحبت سے ان کو (طلبا کو) بچایا جائے گا،
(۶) روپیہ جو اہل سنت سے لیا جائے گا صرف اسی کام میں صرف کیا جائے گا،

اس وقت اہل سنت کو ان میں داخل ہونا جائز اور باعث ثواب ہوگا، اور جو کچھ اس میں دیا جائے گا صدقۂ جاریہ ہو گا۔"
(فتاویٰ رضویہ، ج ۲۳، ص ۶۸۴۔ ۶۸۵)

فکری حملہ ظاہری حملے سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے، استعماری قوتوں نے اسی رُخ کو اختیار کیا کیوں کہ وہ جہدِ مسلسل کے بعد بھی اسلام کی شمع بجھا نہ سکے، انھوں نے فکری حملے شروع کیے اور جدید علوم کے توسط سے صہیونی افکار کو نصابِ تعلیم کا حصہ بنایا اسی وجہ سے امام احمد رضا نے مذکورہ اقتباس میں اسلامی اصولوں کو فایق رکھتے ہوئے یونی ورسٹی کی اعانت اور اس میں حصول علم کی اجازت دی...... پھر ایک پہلو یہ بھی آتا ہے کہ جب ہمارے یہاں سب کچھ موجود ہے تو مخالفینِ اسلام کے مرہونِ منت کیوں بن رہے ہیں؟ اس پہلو سے امام احمد رضا نے قوم کو ماضی کی حوصلہ افزا تاریخ کا اشارہ دیا ہے کہ اب بھی وقت ہے سنبھل جاؤ اور اپنے

www.muftiakhtarrazakhan.com

اسلاف کے نظام تعلیم کو عام کرو، کیوں ہم غیر کے محتاج بن رہے ہیں، تعجب خیز انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

''سائنس میں وہ باتیں ہیں جو عقاید اسلام کے خلاف ہیں، بچوں کی تربیت دینے، تہذیب و انسانیت سکھانے کے لیے دنیا بھر میں کوئی مسلمان نہ رہا؟ عرب، مصر، روم، شام حتیٰ کہ حرمین شریفین کے علما و مشائخ میں کوئی اس قابل نہیں، ہاں! کمال مہذب و شیخ تربیت و پیر افادت بننے کے لائق یورپ کے عیسائی ہیں؟'' (مرجع سابق)

قوت فکر و عمل پہلے فنا ہوتی ہے
تب کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

امام احمد رضا قرآن مقدس کی روشنی میں سائنس کو پرکھنے کے قائل تھے، اسی لیے جن سائنسی دلائل کو قرآن مقدس کے مطابق پایا انھیں تسلیم کیا اور جنھیں قرآنی فیصلے سے متصادم پایا ان کی مخالفت کی، ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''قرآن عظیم کے وہی معنیٰ لینے ہیں جو صحابہ و تابعین و مفسرین و معتمدین نے لیے ان سب کے خلاف وہ معنیٰ لینا جن کا پتا نصرانی سائنس میں ملے مسلمان کو کیسے حلال ہوسکتا ہے۔'' (نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان، ص ۲۰، طبع کراچی)

مجھے اس مقام پر نو مسلم مغربی دانش ور ڈاکٹر محمد ہارون (متوفی ۲۰۰۸ء) کا وہ تبصرہ یاد آرہا ہے جس میں آپ نے فکرِ رضا کی ہمہ گیری اور فکرِ مغرب کی خامی کو سائنس کے تناظر میں واضح کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا (مغربی) سائنس کے مقابل اسلام کا دفاع کرنے اور سائنس کی حدیں واضح کرنے کی کاوشوں کی وجہ سے عالمی اہمیت کی حامل شخصیت ہیں...... صرف امام احمد رضا کے افکار کو اپنا کر ہی مسلم دنیا اپنے تباہ کن حالات سے پیچھا چھڑا سکتی ہے...... اگرچہ وہ خود سائنس میں خاصی مہارت رکھتے تھے، لیکن اگر کوئی اسلام میں سائنس سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے کوئی تبدیلی لانا چاہتا تو آپ اسے ٹھوس علمی دلائل سے جواب دیتے...... یہی امام احمد رضا کی عالمی اہمیت کی ایک دلیل ہے۔'' (امام احمد رضا کی عالمی اہمیت، مترجم ڈاکٹر ظفر اقبال نوری، ص ۸۔۹، طبع مالیگاؤں ۲۰۰۵ء)

مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی کے خاتمہ کے لیے امام احمد رضا نے کئی تعلیمی منصوبے پیش کیے، معاشی جہت سے آپ کا ۱۹۱۲ کا چار نکاتی منصوبہ ''تدبیر فلاح و نجات و اصلاح'' مطبوع ہے جس کے نکات پر آج بھی عمل ہو جائے تو مسلمان کسی غیر کے محتاج نہ ہوں گے، اور پھر کسی سچر کمیٹی کی رپورٹ ہمیں تعلیمی و ترقیاتی میدان میں ابتر و پست ثابت نہ کر سکے گی، ضرورت اس بات کی ہے کہ احساس کم تری اور مایوسی کے غار سے نکلیں اور آفاقی دین کے حامل ہونے کے ناطے علم و فن سے رشتے استوار کریں، امام احمد رضا کی یہی فکر تھی، تعلیم برائے خدمت و اشاعت حق حاصل کریں اور رزق کا دینے والا تو حق تعالیٰ ہے، اس لیے اسباب کے بجائے خالقِ اسباب پر بھروسا کریں، حسنِ نیت کے ساتھ ہم تعلیم کے میدان میں آگے بڑھیں گے تو کامیابیاں منزل کا پتا دیں گی:

ہر اک منتظر تیری یلغار کا
تری شوخیِ فکر و کردار کا

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا! اکابرین کی نظر میں

از: مفتی محمد ارشد نعیمی قادری ککرالوی

عصر حاضر میں کچھ نام نہاد پیروں، فرضی وجعلی مولویوں اور اپنے زعم میں خود کو کاروان اہل سنت کا اخص الخاص فرد سمجھنے والوں نے یہ بات ان عوام الناس کے اذہان وقلب میں پیدا کردی ہے جو قطب المکان، غوث الزمان، سراپا اخلاق نبوی، مظہر اسرار مصطفوی، ولی کامل، عالم وعامل، رازدار طریقت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی تغمدہ اللہ تعالیٰ علیہ بفضل الحاوی کی سیرت پاک سے ناآشنا ہیں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تخالف قبیحہ بغض شنیعہ رکھنے والے عوام الناس کو یہی کہہ کر دھوکہ دے رہے ہیں کہ احمد رضا خان بریلوی صرف اور صرف ایک مولوی اور پٹھان قبیلے سے تعلق رکھنے والے تھے، وہ مولوی تھے ولی کیسے ہو سکتے ہیں؟ کوئی مولوی ولی ہوتا ہی نہیں، معاذ اللہ!

دراصل حاسدین اعلیٰ حضرت معاندین اعلیٰ حضرت منکرین عظمت اعلیٰ حضرت عالم اسلام میں اعلیٰ حضرت کی عظمت ورفعت دیکھ سن کر جل بھن رہے ہیں، اس لئے اپنے ذہن شیطانیہ قلب سیاہیہ سے آئے دن یہ سوچتے رہتے ہیں کہ کسی طرح عالم اسلام کے پردوں سے عظمت اعلیٰ حضرت کا چراغ گل ہو یا اس کی روشنی کم ہو مگر یہ دشمنان اعلیٰ حضرت اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ۔

تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائینگے دشمن تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی زہد وورع احتیاط فی الشرع میں گزری آپ کے خداداد عشق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ کر بڑے بڑے عارفوں اور مشائخ کی گردنیں جھکی رہ گئی، علم وحکمت فضل وعزت زہد ومروت تقویٰ وطہارت وہ کون سا وصف پاک نہیں جو آپ کے اندر بدرجۂ اتم موجود نہ تھا، تحریری وتصنیفی خدمات جلیلہ جو آپ نے شجر اسلام کی آبیاری میں ہم کو عطا فرمائیں، وہ اپنی جگہ اک مثال ہے جس کی نظیر از منہ ماضی میں تلاش بسیار کے بعد ہی نظر آئے گی، آپ نہ صرف اپنے وقت کے امام العلماء تاج الفقہاء شیخ المشائخ مفتی انام تھے بلکہ ولایت ومجددیت کے اعلیٰ مقام پر فائز المرام بفضل رب الانام تھے، شرق وغرب ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے علمائے حق خصوصا حرمین الشریفین طیبین الطاہرین کے مشائخ عظام، اولیائے کرام نے آپ کو مجدد ووقت ولی وقت تسلیم کیا۔

دو وصف آپ کے اندر ایسے تھے جو کسب ومحنت سے حاصل نہیں ہو سکتے ایک ولایت کا دوسرا مجدد کا کسب ومحنت کے

www.muftiakhtarrazakhan.com

ذریعہ کوئی عالم و مفتی بن سکتا ہے مگر ولی و مجدد نہیں بن سکتا یہ اوصاف خالص وہبی انتخاب الٰہی ہیں جیسا کہ ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے: ان اللہ یبعث لھذا الامۃ علی راس کل مائتہ سنتہ من یجدد لھا دینھا۔ اللہ جل مجدہ ہر صدی میں ایک مجدد کو بھیجتا ہے جو اس کے دین کو نکھارتا ہے۔

اب میں ان نفوس قدسیہ کے اقوال و تاثرات پیش کرتا ہوں، جنہوں نے اعلیٰ حضرت کو غوث وقت قطب وقت ولی وقت مجدد وقت تسلیم کیا اور دوسروں کو تسلیم کرنے کی تعلیم دی اور یہ اقوال و تاثرات ایسے نفوس قدسیہ کے ہیں جو زمین پر حسب و نسب عز و شرف کے اعتبار سے تمام انسانوں میں افضل و اکمل ہوتے ہیں جن کو ہم اہل سادات شہزادگان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام سے جانتے مانتے اور پہچانتے ہیں، جن کے متعلق احادیث پاک میں ظاہر و باہر ہے کہ میری اولاد کے حق کو ہلکا وہی سمجھے گا جو ان تینوں میں سے ایک ہوگا یا تو وہ حیض کا بچہ ہوگا یا وہ ولد الزنا ہوگا یا پھر منافق ہوگا۔

محدثین عظام نے اس حدیث پاک کی تشریح میں ارشاد فرمایا کہ اہل سادات کی حق بات کا منکر بھی ان کے حق نہ پہچاننے والوں میں گردانا جائے گا، عالم اسلام کے بے شمار اہل سادات جو اپنے وقت کے قطب وقت بھی تھے غوث وقت بھی ولی وقت بھی انھوں نے اعلیٰ حضرت کی عظمت و رفعت کس انداز میں دنیا والوں کے سامنے ظاہر فرمائی اس کو دیکھیں اور عمل کریں، ان شاء اللہ اعلیٰ حضرت آپ کے دل کا نور ذہن کا سرور ثابت ہوں گے۔

میں یہاں اختصار کے پیش نظر صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد کے ہی اقوال پیش کرتا ہوں جس سے یہ بات اظہر من الشمس و اجلی من القمر ہو جائے گی کہ اعلیٰ حضرت صرف مولوی تھے یا اور کچھ بھی تھے۔

1۔ حضور سیدنا شیخنا سید محمد اسماعیل بن خلیل رضی اللہ عنہ محافظ کتب مکہ مکرمہ کا ارشاد: اگر میں یہ کہو کہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی اس صدی کے مجدد ہیں تو یہ حق ہوگا۔

2۔ حضور سیدنا شیخنا سید ابوالحسین مرزوقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ کا ارشاد: معرفت حق کا ایسا دریا جس سے مسائل نہروں کی طرح چھلکتے ہیں علوم دینیہ کی حفاظت و صیانت میں مستحکم علم کلام، فقہ و فرائض پر حاوی مولانا محمد احمد رضا خان صاحب بریلوی ہیں۔

3۔ حضور سیدنا شیخنا سید محمد علوی مکی رضی اللہ عنہ مفتی مالکیہ مکہ مکرمہ کا ارشاد: "اعلیٰ حضرت کی محبت اہل سنت کی پہچان اور ان سے دشمنی اہل بدعات کی علامت ہے۔"

3۔ حضور سیدنا شیخنا سید سعید محمد المغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کا ارشاد: جن علمائے دین کے ہاتھوں شریعت مطاہرہ تغیر و تبدیل سے محفوظ رہتی ہے انہی اللہ والوں میں ایک نام، مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا بھی ہے۔

4۔ حضور سیدنا شیخنا سید احمد مدنی رضی اللہ عنہ مفتی مالکیہ مدینہ منورہ کا ارشاد: الشاہ شیخ احمد رضا خان بریلوی وہ عظیم شخصیت ہیں جن کو، سرچشمہ علم معرفت کہا جاتا ہے۔

5۔ حضور سیدنا شیخنا سید احمد حسینی علوی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کا ارشاد: امام احمد رضا خاں محدث بریلوی کو فخر السلف قدوۃ الخلف کہا جاتا ہے۔

6۔ حضور سیدنا شیخنا سید شریف احمد برزنجی رضی اللہ عنہ مفتی شافعیہ کا ارشاد: جماعت اہل سنت کے مصلح و۔ قائد الشاہ امام احمد رضا

www.muftiakhtarrazakhan.com

خان وہ عالم اسلام کے ہر اہل عشق۔ ووفا صاحب علم وفضل کی ضرورت ہے۔

7۔حضور سیدنا شیخنا سید مصطفیٰ غیطہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کا ارشاد: حضرت شیخ امام احمد رضا خان عارف ربانی ہیں۔

8۔حضور سیدنا شیخنا سید محمد یوسف رفائی کویت کا ارشاد: حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی پوری زندگی خدمت اسلام میں گزری آپ کو سلسلہ قادریہ کے علاوہ سلسلہ چشتیہ سہروردیہ نقشبندیہ سے بھی اجازت وخلافت ملی ہیں یہ باتیں آپ کے عالم کامل صوفی وبزرگ ہونے پر دال ہیں۔

9۔حضور سیدنا شیخنا سید احمد سعید کاظمی رضی اللہ عنہ پاکستان کا ارشاد: اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ پر اعتراض کرنا دنیا وآخرت میں ذلت ورسوائی کے سوا کچھ نہیں۔

10۔حضور سیدنا شیخنا سید خلیل احمد کاظمی علیہ الرحمہ کا ارشاد: اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کو ہمہ وقت سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمایت اور سرکار غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پشت پناہی حاصل تھی۔

11۔حضور سیدنا شیخنا سید ابوالبرکات احمد قادری رضی اللہ عنہ پاکستان کا ارشاد: آج اسلام کی ڈگمگاتی کشتی کو ساحل مراد پہچانے والوں میں اعلیٰ حضرت کا نام بڑا نمایاں ہے آپ بیشک چودھویں صدی کے مجدد ہیں۔

12۔حضور سیدنا شیخنا سید شریف طاہر علاؤالدین القادری علیہ الرحمہ پاکستان کا ارشاد: اعلیٰ حضرت اپنے وقت کے امام ولی وقت مجدد وقت صوفی وبزرگ اور زبردست عاشق رسول تھے۔

13۔حضور سیدنا شیخنا مفتی سید حامد جلالی پاکستان کا ارشاد: اعلیٰ حضرت بریلوی فنافی الرسول کی منزل پر تھے تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کے اندر فنائیت کی حد تک تھی۔آپ صدق وصفا زہد وورع میں نمونہ سلف تھے۔

14۔حضور سیدنا شیخنا سید امیر الدین قادری پاکستان کا ارشاد: اعلیٰ حضرت عشق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک عکس ہے۔

15۔حضور سیدنا شیخنا سید غلام، سدید الدین نقشبندی سجادہ نشین سرگودھا کا ارشاد: اعلیٰ حضرت کی زندگی کا ہر پہلو عشق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لبریز ہے۔

16۔حضور سیدنا شیخنا سید عبدالرحمن بخاری پاکستان کا ارشاد: امام احمد رضا خان بریلوی کا وجود امت مسلمہ کے لئے خدا پاک کا خاص تحفہ ہے۔

17۔حضور سیدنا شیخنا مفتی سید تراب الحق صاحب پاکستان کا ارشاد: اعلیٰ حضرت کا نظیر آنکھوں نے نہ دیکھا۔

18۔حضور سیدنا شیخنا مفتی سید وجاہت رسول قادری پاکستان کا ارشاد: اعلیٰ حضرت قرآن مجید کے احکام اور اس کے رموز ومعانی کے عارف ہونے کے ساتھ ساتھ مومن صادق بھی تھے۔

19۔حضور سیدنا شیخنا علامہ سید سراج الحق قبلہ پاکستان کا ارشاد: اعلیٰ حضرت اپنے وقت کے مرجع علماء ومشائخ ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کے عاشق رسول تھے۔

20۔حضور سیدنا شیخنا علامہ سید جماعت علی شاہ نقشبندی علی پور کا ارشاد: مجھے ایک مرتبہ خواب میں سرکار غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا میں نے بارگاہ غوثیت میں عرض کی حضور اس وقت دنیا میں آپ کا نائب کون ہے آپ نے

www.muftiakhtarrazakhan.com

ارشاد فرمایا بریلی کے مولانا احمد رضا خان ہیں۔

21۔ حضور سیدنا شیخنا مفتی سید دیدار علی صاحب قبلہ پاکستان کا ارشاد: اعلیٰ حضرت اپنے وقت کے عظیم بزرگ تھے۔

22۔ حضور سیدنا شیخنا سید خورشید احمد گیلانی پاکستان کا ارشاد: بلاشبہ فاضل بریلوی عبقری عصر اور نابغہ روزگار تھے۔

23۔ حضور سیدنا شیخنا مفتی سید ریاست علی قادری پاکستان کا ارشاد: اعلیٰ حضرت امام اہلسنت اور مجدد دین وملت ہیں۔

24۔ حضور سیدنا شیخنا سید آل رسول احمدی مارہروی کا ارشاد: اگر بروز حشر اللہ رب العزت مجھ سے یہ معلوم کریگا کہ دنیا سے کیا لایا تو میں احمد رضا خان بریلوی کو پیش کردوں گا۔

25۔ حضور سیدنا شیخنا سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی کا ارشاد: بریلی کے امام احمد رضا خان قطب الارشاد ہیں۔

26۔ حضور سیدنا شیخنا سید ابوالحسین احمد نوری مارہروی کا ارشاد: امام احمد رضا خان بریلوی اس زمانے کے مجدد برحق ہیں دور حاظر میں امام احمد رضا خاں بریلوی کا موقف ہی دین حق ہے مسلک ومذہب اعلیٰ حضرت سے نا اتفاقی رکھنے والا میرے سلسلے کا مرید نہیں ہوسکتا۔

27۔ حضور سیدنا شیخنا سید وارث علی شاہ دیوہ شریف کا ارشاد: مولانا احمد رضا خاں صرف ایک مولوی صاحب ہی نہیں بلکہ ایک عاشق رسول مولویوں کے مولوی مولاناؤں کے مولانا اور حضرتوں کے حضرت یعنی اعلیٰ حضرت ہیں۔

28۔ سیدنا شیخنا سید محمد مقبول احمد صاحب علیہ الرحمہ کشمیر کا ارشاد: اعلیٰ حضرت اپنے وقت کے بہت بڑے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کے صوفی وبزرگ بھی تھے۔

29۔ حضور سیدنا شیخنا سید مفتی محمد آل مصطفیٰ میاں صاحب علیہ الرحمہ ممبئی کا ارشاد: اعلیٰ حضرت کی ذات تمام دنیا کے سیدزادوں کے لئے صد فخر ومباہات ہے ہم کو ان کی ذات پر فخر ہے۔

30۔ حضور سیدنا شیخنا صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ رحمۃ الہادی کا ارشاد: اعلیٰ حضرت کا وجود خدا کی نعمت تھی آپ کا پیکر جمیل ایک۔ وہبی فیض تھا جس کو سمجھنے سے عقل حیران ہے۔

31۔ حضور سیدنا پیر ضامن نظامی علیہ الرحمہ درگاہ محبوب الٰہی دہلی کا ارشاد: اعلیٰ حضرت کی ذات مجمع الصفات تھی وہ محدث وقت ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ طریقت بھی تھے انہوں نے بے شمار خلق خدا کو نیک راستے پر گامزن کیا۔

32۔ حضور سیدنا شیخنا سید محمد اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کا ارشاد: مجھ کو اور سارے علمائے عرب وعجم کو اس بات کا اعتراف ہے کہ اعلیٰ حضرت کی زبان وقلم کو اللہ رب العزت نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے زبان وقلم نقطہ برابر خطا کرے اللہ نے اس کو دور کردیا۔

33 حضور سیدنا شیخنا سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ بہار کا ارشاد: اعلیٰ حضرت بہت بڑے عالم دین ہونے کے علاوہ عاشق رسول نائب غوث الوریٰ بھی تھے۔

34۔ حضور سیدنا شیخنا سید محمد مظفر حسین کچھوچوی علیہ الرحمہ کا ارشاد: اعلیٰ حضرت نے ہمیں ایمان کا ہتھیار بھی دیا اور ایمان کو پرکھنے کے لئے کسوٹی بھی ہم تو اپنے اور سارے جہان کے لوگوں کا ایمان پرکھنے کے لئے اسی کسوٹی کا استعمال کرتے ہیں اور وہ کسوٹی ہے اعلیٰ حضرت کا نام اور ان کا موقف ومسلک۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

35۔ حضور سیدنا شیخنا سید شاہ مصباح الحسن چشتی علیہ الرحمہ خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف کا ارشاد: مذہب حقہ اہلسنت جس کا معیار اس زمانے میں اعلیٰ حضرت کی ذات ہے۔یہی مسلک میرا ہے میں اسی کا پابند ہوں اس سے ہٹنا بد مذہبی ہے میرا ہر مرید اعلیٰ حضرت کا نام بہت ادب و احترام کے ساتھ ادا کرے کیونکہ اعلیٰ حضرت سیدنا سرکار غوث اعظم جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محبوب نظر ہیں۔

36۔ حضور سیدنا شیخنا سید محمد عبدالحمید فاروقی قادری نقشبندی علیہ الرحمہ بنارس کا ارشاد: خانقاہوں میں آج تالے پڑے ہوتے اگر اعلیٰ حضرت نے اولیا اللہ کی عظمت و تقدس کی حفاظت میں اپنا خون جگر پیش نہ کیا ہوتا۔

37۔ حضور سیدنا شیخنا سید محمد مدنی میاں اشرفی کچھوچھوی کا ارشاد: ''اعلیٰ حضرت نے پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت فرمائی، آپ کی ذات علم و فضل زہد و تقوی کا بحر بیکراں تھی آپ سے محبت سنیت کی پہچان ہے۔''

38۔ حضور سیدنا شیخنا سید معین الدین اشرف اشرفی کچھوچھوی کا ارشاد: مجدد اسلام اعلی حضرت نے ہمارے دلوں کو عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روشن کیا، ملت پر یہ آپ کا عظیم احسان ہے۔

39۔ حضور سیدنا شیخنا سید محمد اشرفی کرناٹک کا ارشاد: اعلیٰ حضرت کی ذات پاک ہر اہل ایمان کے لئے کسی علاقے کی تخصیص کے بغیر مرکز رشد و ہدایت ہے۔

40۔ حضور سیدنا شیخنا سید محمد دیدار علی صاحب قبلہ نقشبندی اگرہ کا ارشاد: اعلیٰ حضرت اپنے وقت کے مقتدائے مسلمین فخر العارفین ہادی الہادین نائب سید المرسلین شیخ طریقت امام ملت اور مجدد برحق تھے۔

برادران ملت! متذکرہ والا شواہد حسنہ و اقوال طاہرہ ان نفوس قدسیہ کے ہیں جن کی رگوں میں خون مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ان کا بدخواہ ضرور مردود یہ سب نفوس قدسیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل طاہر و مطہر سے ہیں جن کو دنیا سید پاک کے پاک نام سے پکارتی ہے۔

ان نفوس قدسیہ کے اقوال اس بات پر شاہد و عدل ہیں کہ ہمارے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نہ صرف ایک عالم و مولوی تھے بلکہ بہت بڑے عابد و زاہد تقی و عارف صادق و شاکر ہونے کے ساتھ ساتھ ولی کامل غوث وقت قطب وقت اور مجدد وقت بھی تھے۔

جس کا جتنا ظرف تھا، اس نے ذات اعلیٰ حضرت کو اسی طرح سمجھا، ہر کس و ناقص کے فہم و درک سے ذات اعلیٰ حضرت بری ہے۔ اللہ والوں کو وہی سمجھتا ہے جو خود اللہ والا ہو۔ شیطان کے اطوار و طرق پر گامزن رہنے والا کیسے اولیاء اللہ کی عظمت و رفعت شرف و عزت جاہ و حشمت زہد و طہارت کو سمجھ سکتا ہے۔

آج پوری دنیا کے حق پسند علماء اس بات کو مان چکے ہیں کہ اعلیٰ حضرت حضرت مرور عصر میں اہلسنت کی پہچان ہیں۔

کچھ ادھر ادھر کی کھانے کمانے والے حق شناس علما کے بدخواہ پیر و ملا نہیں مان رہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ بھی ولی باکمال عطائے رب ذوالجلال تھے، ان کے نہ ماننے کی واحد وجہ ان کے دل میں اعلیٰ حضرت کی طرف سے کجی ہے جو ان کو ضرور دوزخ تک لے جائے گی، اس لئے کہ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے:

''جس نے میرے ولی سے دشمنی روا رکھی، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔''

اب جو نام نہاد پیر و ملا عوام الناس کو یہ کہہ کر ورگلا رہے ہیں کہ ہمارا سلسلہ بہت اعلی و والا ہے ہمارے گلے میں غوث

www.muftiakhtarrazakhan.com

الاعظم کا پٹہ ہے۔ ہم تم سے کہتے ہیں کہ احمد رضا خان بریلوی صرف ایک مولوی تھے ولی اللہ نہیں۔

ایسے نام نہاد پیر و ملا متذکرہ بالا سید زادوں کے اقوال پاک بار بار پڑھیں اور دیکھیں کہ اعلیٰ حضرت کیا تھے اور اس بات کا بھی خوب دھیان رکھیں کہ جو اعلیٰ حضرت کا مخالف ہوگا وہ پیر و عالم تو در کنار اہل سادات کے اقوال کی روشنی میں سنی تک بھی نہیں بچے گا اور اگر اہل سادات کے اقوال پاک کو کذب وتحقیر سے لیگا تو یہ اہل سادات کی توہین پر دال ہوگا اور اہل سادات کی توہین کرنے والا حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشنی، میں اہل سادات کے حق کو ہلکا سمجھنے والا اقرار پائے گا جو تین حالتوں سے خالی نہ ہوگا 1☐۔ یا تو منافق ہوگا۔ 2۔ یا ولد الزنا ہوگا۔ 3۔ یا پھر طفل حائضا ہوگا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے مخالفو! ذرا غور کرو کہ اعلیٰ حضرت کی مخالفت نے تم کو کہاں سے کہاں پہنچادیا، تم خود کو پیر مغاں، علامۃ الزماں، ولی دوراں اور عاشق غوث الوری سمجھے ہوئے ہو، یاد رکھو! کسی بھی ولی کی شان میں ہلکی سے ہلکی بات بولنے والا، اس کی شان کو ہلکا لینے والا، اس کی کسی دوسرے سے برائی سننے کرنے والا اللہ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دشمن ہوتا ہے اور جو اللہ ورسول کا دشمن ہوگا وہ کیسے اللہ کا ولی ہوسکتا ہے؟

اس لئے اعلیٰ حضرت کو سمجھنے کی کوشش کرو ان کی کتب کا مطالعہ کرو ان کے متعلق جو شکوک وشبہات تمہارے اندر ہیں دور کرو۔ اگر فہم و درک کی ذرا بھی ضیاء تمہارے اندر ہے تو دیکھو کہ اعلیٰ حضرت کون ہیں ان کا ہمارے اوپر کتنا احسان ہے۔ جس کا بدلا ہم رہتی دنیا تک ادا نہیں کر سکتے، ہرگز ہرگز کسی ایسے کی بات مت سنو جو منکر اعلیٰ حضرت ہے اہل سادات کے اقوال پاک کی روشنی میں ان کا منکر ضرور راہ راست سے پاست ہے، اعلیٰ حضرت کی عظمت ورفعت کو دیکھ کر عاشقان رسول جھوم اٹھتے ہیں جلتے بھنتے نہیں تاریخ گواہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی شان میں گستاخانہ اقوال بدتر از ابوال بولنے والوں پر کیسے کیسے شدائد غائلہ مصائب ہائلہ اللہ کی طرف سے آئے اس سے بڑھ کر اور کیا عذاب ہوگا کہ وہ منکر اعلیٰ حضرت جب اس دنیا سے گئے تو دنیا والوں نے ان کو ضال ومضل، جاہل واجہل کے زمرے میں گردانا، العیاذ باللہ۔

حاصل کلام یہ کہ اعلیٰ حضرت اپنے وقت کے قطب وقت بھی تھے غوث وقت بھی ولی وقت بھی تھے اور مجدد وقت بھی، اب جو کوئی اعلیٰ حضرت کا منکر ہوگا تو وہ از روئے اقوال اہل سادات منافق وگمراہ اور حدیث قدسی (کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی رکھی، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں) کی روشنی میں اللہ ورسول جلت عظمتہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دشمن ہوگا، جس کا ٹھکانہ ضرور جہنم ہوگا، جب تک کہ وہ توبہ تو بہ صادقہ کاملہ تامہ دائمہ نہ کر لے، میں نے جو کچھ بھی لکھا، یہ عاقل کو کافی وشافی اور جاہل کو دفتر بھی ناوافی، راقم کی یہ تحریر جذبات پر دال نہیں حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ جذبات کے سیل رواں میں بہہ کر حقیقت سے چشم پوشی کرنے والا اپنے اسلاف اور اکابر کے طرق سے انحراف کرنے والا مانا جاتا ہے۔

اللہ لم یزل ہم کو اپنے فضل وکرم سے اپنے محبوبین کا محب بنائے اور ہمارا خاتمہ مسلک اہل سنت مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں فرمائے، لکھنے میں اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تو دامن عفو میں جگہ دیتے ہوئے مجھے مطلع فرما کر میری زبان سے خود کے لئے تشکر وامتنان کے جملے کی امید رکھیں۔

❖❖❖

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا

علم اوزان، اکیال اور مقادیر

از: مفتی محمد شمشاد حسین رضوی
پرنسپل مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ''سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی'' اپنے دور کے سب سے بڑے مصنف تھے...... نہ ان کے دور میں کوئی اتنا بڑا مصنف ہوا اور نہ ہی ان کے دور کے بعد اس دور میں کوئی نظر آتا ہے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی انسان اپنے ''اکتسابی علوم وفنون'' کی بدولت اتنا بڑا مصنف بننا چاہے تو نہیں بن سکتا ہے...... ہاں ''علوم لدنی'' اور ''فنون وہبی'' کے سہارے ضرور کوئی اتنا بڑا مصنف بن سکتا ہے...... باوجود اس امکان کے...... اب تک کوئی بھی امام احمد رضا جیسا مصنف دکھائی نہیں پڑتا ہے...... بڑی خوشی کی بات ہے کہ ''ماہنامہ پیغام شریعت دہلی'' ''جشن صد سالہ عرس اعلیٰ حضرت'' کے موقع پر ''مصنف اعظم'' نمبر نکال رہا ہے...... اور مجھے ''اوزان واکیال'' پر لکھنے کا حکم دیا گیا ہے...... گو کہ میں اس لائق نہیں کہ کچھ لکھ سکوں مگر جب کسی بڑے کا حکم ہوتا ہے تو ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں کچھ نہ کچھ لکھنا ہی پڑتا ہے۔

جب میں نے اپنی زندگی کے اردگرد کے حالات کو دیکھا...... اور شہر وقصبات کے بازاروں میں جاکر جائزہ لیا...... تو میں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ بازاروں میں کسی چیز کی خرید وفروخت کے مختلف طریقے رائج ہیں۔

☆ ...... بعض چیزیں وہ ہوا کرتی ہیں جو تول کر بکتی ہیں...... تول کر بکنے والی چیزوں میں بہت ساری چیزیں آتی ہیں...... ان چیزوں کو آپ بھی جانتے ہیں اور ہم جیسے لوگ بھی جانتے ہیں۔

☆ ...... اور بعض چیزیں پیمانوں سے بکتی ہیں...... ٹھوس چیزیں بھی بکتی ہیں اور سیال چیزیں بھی۔

☆ ...... اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو نہ ناپ کر بکتی ہیں اور نہ ہی کسی پیمانے سے بیچی جاتی ہیں بلکہ گز اور میٹر سے بیچی جاتی ہیں۔

☆ ...... اس بات کو بھی جانتے ہیں کچھ چیزوں کا لین دین ''گوڑیوں'' سے ہوا کرتا ہے۔

جو چیزیں وزن سے بکتی ہیں انہیں ''موزونات'' کہا جاتا ہے اور جن چیزوں کو پیمانے سے بیچا یا خریدا جاتا ہے انہیں ''مکیلات'' کا نام دیا گیا ہے اور گز یا میٹر سے بکنے والی چیزوں کو ''مذروعات'' کہا جاتا ہے اور گنتی سے بکنے والی چیزوں کو ''معدودات'' کہا جاتا ہے...... خرید وفروخت کے معاملے میں ہمارے شہروں کا عرف ورواج بھی مختلف ہے...... مثال کے طور پر بہت سارے شہروں میں کیلے وغیرہ گنتی سے بکتے ہیں...... ایک درجن، دو درجن وغیرہ اور کچھ شہروں میں یہی کیلے وزن سے

www.muftiakhtarrazakhan.com

بیچے جاتے ہیں......ایک کیلو......آدھا کیلو وغیرہ۔

رہا یہ سوال......کہ یہ "اوزان واکیال" علوم مدونہ میں سے ہیں یا نہیں؟......جب اس بات کی تحقیق کی گئی تو یہ بات سامنے آئی کہ ان "اوزان واکیال" کا تعلق براہ راست علوم مدونہ سے نہیں ہے......البتہ انہیں "علم ریاضی" کی ایک شاخ "علم حساب" سے ضرور جوڑا جاسکتا ہے......ذیل میں "علم ریاضی" کی تعریف، موضوع، غرض وغایت بیان کی جارہی ہے اور اس علم کی شرافت کا بھی تذکرہ کیا جائے گا۔

تعریف

ریاضی اس علم کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق ایسے امور سے ہوتا ہے جو خارج میں مادے کا محتاج ہوتے ہیں اور اپنے "وجود ذہنی" میں کسی مادے کا محتاج نہیں ہوتے جیسے کرہ، زاویہ، مثلث وغیرہ۔

موضوع

علم ریاضی کا موضوع "جسم تعلیمی" ہے......اس سے وہ جسم مراد لیا جاتا ہے جو لمبائی، چوڑائی اور گہرائی میں انقسام کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جیسا کہ علامہ شریف جرجانی اپنی کتاب "التعریفات" میں تحریر کرتے ہیں:

"الجسم التعلیمی هوالذی یقبل الانقسام طولاً و عرضاً و عمقاً ونهایته السطح وهو نهایة الجسم الطبعی ویسمی جسماً تعلیماً اذ یبحث عنه فی العلوم التعلیمیه ای الریاضیة الباحثة عن احوال الکم المتصل والمنفصل منسوبة الی التعلیم والریاضة فانهم کانو یبتدؤن فی تعالیمهم وریاضتهم لنفوس الصبیان لانها اسهل ادراکاً۔ترجمہ......جسم تعلیمی وہ ہے جو طول و عرض اور عمق میں انقسام کو قبول کرتا ہے اس کی نہایت "سطح" ہے اور خود جسم تعلیمی "جو" جسم طبعی "کی انتہا ہے......اس کا نام "جسم تعلیمی" اس لئے رکھا جاتا ہے کہ علوم تعلیمی یعنی ریاضی میں اسی سے بحث کی جاتی ہے......یعنی اس کے مقدار متصل اور مقدار منفصل سے بحث کی جاتی ہے اسے تعلیم اور ریاضی سے اس لئے منسوب کیا گیا کہ اہل علم حضرات تعلیم وریاضت کی ابتدا اسی جسم تعلیمی سے کیا کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ بچوں کے نفس وذہن کے لئے بطور ادراک یہ سہل ہوا کرتا ہے۔"

غرض......نفس انسانی کو محسوسات کے ذریعہ مجردات کی جانب منتقل کرنا ہے۔

علم ریاضی کا موجد "بطلیموس" ہے۔

اس کی "وجہ تسمیہ" کے تعلق سے "علامہ عبداللہ قادری قصوری علیہ الرحمۃ" فرماتے ہیں:

"اس کا نام "ریاضی" اس لئے رکھا گیا ہے کہ نفس محسوسات سے مجردات کی طرف منتقل ہونے کے لئے ریاضت کرتا ہے اس بنیاد پر اس علم کا نام "ریاضی" رکھا گیا ہے اسے "حکمت وسطی" بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ محسوسات اور مجردات کے درمیان "برزخ وواسطہ" ہے۔"

علم ریاضی کے اقسام

الف......علم حساب

www.muftiakhtarrazakhan.com

ب......علم ہندسہ

ج......علم ہیئت

د......علم موسیقی

ریاضت کا مطلب اخلاق و کردار کو مہذب کرنا اور اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا ہے تاکہ اخلاق حسنہ حاصل ہو سکے ...... کسی شاعر نے کہا ہے۔ ؎

بے ریاضت نتواں شہرۂ آفاق شدن
مہہ چوں لاغر شود انگشت نما گردد
بغیر ریاضت کے شہرۂ آفاق حاصل نہیں ہو سکتا
چاند جب کمزور ہو جائے انگلی نما ہو جاتا ہے

انسان اگر لاغر ہو جائے اور دبلا پتلا دکھائی دے تو کیا غم؟ احلاق تو اچھے ہیں کردار و عمل میں تو بہتری ہے فکر و شعور اور فہم و فراست میں تو خوبصورت ہیں اصل میں یہی وہ خوبی و کمال ہے جو کسی انسان کو شرف انسانیت سے مشرف کرتا ہے اور اس کے مرتبہ کو اوج ثریا کی بلندی عطا کرتا ہے جیسے چاند جب لاغر ہوتا ہے تو وہ پہلی رات کا چاند کہلاتا ہے اور سارے جہاں سے سرتوں کو سمیٹ کر لاتا ہے اور انسانوں کے حوالے کر دیتا ہے جیسے "عید کا چاند" اسے کون فراموش کر سکتا ہے جس کے طلوع ہوتے ہی ہر طرف خوشیوں کا ماحول نمایاں ہو جاتا ہے...... اسی لئے شاعر نے ریاضت کرنے والوں کو چاند کے لاغر ہونے اور اس کے "انگلی نما" ہونے سے تعبیر کیا ہے اس استعارہ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ "علم ریاضی" کی کیا اہمیت ہے اور انسانی زندگی میں اس کے کیا کیا کرشمے ظاہر ہوتے ہیں اور دور حاضر میں تو اس علم نے کمال ہی کر دیا ہے حد تو یہ ہے کہ اسی علم ریاضی کی بنیاد پر انسانوں نے اپنی معاشرتی زندگی کو خوشیوں سے بھر رکھا ہے جہاں تک نئے علوم وفنون کی بات ہے اس میں بھی اسی "علم ریاضی" کا راج چلتا ہے...... بٹ کائن اور ون کائن کے فرضی سکے بھی اسی "علم ریاضی" کے معموں سے تیار ہوتے ہیں ان سکوں کے تعلق سے اگر کسی سے کچھ پوچھنا ہے تو یورپ و امریکہ والوں سے پوچھیئے ہندوستان کے لوگ بھی ان سکوں کے بارے میں جانتے ہیں پھر بھی اہل یورپ کے مقابلے میں بہت کم معلومات رکھتے ہیں......

"علم ریاضی" کی پہلی قسم "علم حساب" ہے اسی سے "علم اوزان واکیال" کا تعلق ہے...... اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے پہلے "علم حساب" کے بارے میں کچھ جانکاری حاصل کر لی جائے تاکہ "علم اوزان واکیال" کی واقعی حیثیت معلوم ہو جائے...... اگر چہ ابھی تک "علم اوزان واکیال" کو براہ راست علوم مدونہ میں شامل نہیں کیا گیا ہے مگر چونکہ اس کا "علوم مدونہ" میں سے ایک "خاص علم حساب" سے تعلق رہا ہے...... اس بنیاد پر اگر اسے بھی "علوم مدونہ" میں ضمنی طور پر شامل کر لیا جائے تو اس میں کسی طرح کا کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا...... اب ذیل میں "علم حساب" کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

تعریف

حساب...... وہ علم ہے جس کے ذریعہ معلومات مخصوصہ سے مجہول عدد نکالنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

موضوع ...... حساب کا موضوع عدد ہے جو مادہ میں حاصل ہوا کرتا ہے آپ کسی بھی عدد کو مادے سے ہٹ کر جاننا چاہیں یا دیکھنا چاہیں تو ایسا ممکن نہیں ...... البتہ ایک عدد میں شامل نہیں کیونکہ اس پر عدد کی تعریف صادق نہیں آتی ہے ...... ہمارے علماء عدد کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

''العدد...ھو نصف مجموع الحاشیتین. یعنی دونوں کناروں کے ''نصف مجموعہ'' کا نام عدد ہے۔''

مثال کے طور پر (۲) عدد ہے اور اس کے دو کنارے ہیں ...... پہلے کنارہ پر ایک ہے اور دوسرے کنارے پر تین ہے ...... ایک اور تین کا مجموعہ چار ہوتا ہے اور اس کا نصف ۲ ہے اس لئے دو (۲) عدد ہے ...... عدد کی یہ ایک ایسی تعریف ہے جو ہر اعتبار سے جامع ہے اور مانع بھی ہے ...... اب رہی بات ایک کی ...... تو اس بارے میں عرض ہے کہ عدد ہونے کے لئے اس کے دونوں کناروں کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے اگر ایک کنارہ بھی مفقود ہو جائے تو وہ عدد ہی نہیں ہوسکتا ...... ایک کا دوسرا کنارہ تو ہے اور وہ کنارہ دو (۲) ہے اس کا پہلا کنارہ ہے ہی نہیں ...... اور اگر اس کا پہلا کنارہ (۰) زیرہ کو مانا جائے تو زیرو میں جمع وتفریق کی صلاحیت ہی نہیں پائی جاتی ہے اور عدد کا کنارہ ہونے کے لئے قابل جمع وتفریق ہونا ضروری ہوتا ہے ...... ایک یعنی واحد اگرچہ عدد میں شامل نہیں باوجود اس کے بغیر ایک (واحد) کے عدد کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے ...... وہ واحد جو عدد میں متصور ہوتا ہے ''واحد اضافی'' ہے اور جو ''واحد'' اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے وہ ''واحد حقیقی'' سے موسوم ہے ...... سورہ اخلاص میں جو لفظ ''واحد'' آیا ہے اس سے یہی ''واحد حقیقی'' مراد ہے۔

غرض وغایت ...... علم حساب کی غرض وغایت: معاملات کو ضبط کرنا ...... اموال کی حفاظت کرنا ...... منضبط طریقوں سے قرضوں کو ادا کرنا ...... ترکوں کو تقسیم کرنا ...... اس کے علاوہ علوم افلاکیہ، مساحت اور طب وغیرہ میں بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے ...... روزمرہ کی زندگی، بازاروں میں خرید وفروخت اور گھریلو زندگی میں بھی ''علم حساب'' کی ضرورت پڑتی رہتی ہے ...... غرض یہ کہ ''علم حساب ؟ ہماری روزمرہ کی زندگی کی ضرورت بن گیا ہے اور یہ ایک ایسی ضرورت بن گیا ہے کہ اس کے بغیر عام انسانوں کی زندگیاں سونی پڑ جاتی ہیں اس لئے دور حاضر میں علم حساب پر زور دیا جاتا ہے پرانے قسم کے حسابات اور جدید قسم کے حسابات سے بھی کام نکالنا پڑتا ہے جوں جوں زندگی میں تغیرات ہوتے ہیں اسی کے مطابق ''علم حساب'' میں بھی نت نئے تغیرات جنم لے رہے ہیں ...... اور آئندہ بھی اس میں تبدیلیاں ہوسکتی ہیں اس امکان سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے۔

علم حساب کی اہمیت وافادیت

اوپر کی سطروں میں علم حساب کی ضرورت وحاجت کے تعلق سے جو باتیں پیش کی گئیں ان سے ''علم حساب'' کی اہمیت وافادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس کی شرافت کا یہ عالم ہے کہ علوم دینی میں بھی اس سے کام لیا جاتا ہے ...... اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ''علم حساب'' کی شرافت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ارشاد ہوتا ہے ''کفی بنا حاسبین'' کہ ہم حساب کرنے میں کافی ہیں۔

''علم اوزان واکیال'' جو اس مقالہ کا موضوع ہے اس کی واقعی حیثیت ''علوم مدونہ'' کی ایک قسم ''علم ریاضی'' اور اس کی شاخ ''علم حساب'' میں اس کے شامل ہونے سے معلوم ہوجاتی ہے اس پر ''علم ریاضی'' اور ''علم حساب'' کی تعریفات مکمل طور

www.muftiakhtarrazakhan.com

پر صادق آتی ہیں اس کا بھی موضوع وہی ہے جو "علم ریاضی" اور "علم حساب" کا ہے اور غرض وغایت بھی ایک جیسی ہے......اس کی بھی افادت واہمیت سے کسی نوع اختلاف نہیں کیا جاسکتا ہے......

تعریف علم اوزان واکیال

علم اوزان واکیال: وہ ہے جس میں مختلف قسم کے آلہ وزن اور آلہ کیل سے بحث کی جاتی ہے اور اس کی واقعی حیثیت کا تعین کیا جاتا ہے۔

اس کا موضوع......وزن وکیل کا آلہ ہے۔

اس کی غرض وغایت......اس کی واقعی حیثیت کا تعین کرنا تاکہ عوام وخواص اس سے معاملات کو انجام دینے میں کسی قسم کے نزاع کے شکار نہ ہوں اور نہایت ہی اطمینان کے ساتھ اپنے معاملات کو انجام دے سکیں......اس کی شرافت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صحیح تول اور ناپ کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

{والسماء رفعها ووضع الميزان (۷) الا تطغوا فی المیزان(۸) واقیمواالوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان(۹) سورہ الرحمٰن پارہ ۲۷} اور آسمان کو اللہ نے بلند کیا اور ترازو رکھی کہ ترازو میں بے اعتدالی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ تول قائم کرو اور وزن نہ گھٹاؤ"

اللہ تعالیٰ نے ان آیات مبارکہ میں ،ترازو، وزن اور اس کے آلہ کا ذکر کیا ہے اور نہایت ہی صریح انداز میں اس بات کا حکم دیا کہ صحیح ناپ تول سے کام لیا جائے اس میں کوئی کمی نہ کی جائے اور نہ زیادتی ...... کیونکہ ان دونوں صورتوں میں خسران ہی خسران ہے......لہٰذا ہر حال میں انصاف سے کام لیا جائے اور یہ انصاف وزن اور آلہ وزن کے استعمال ہی سے قائم رہ سکتا ہے اندازہ سے کسی کی چیز کی تقسیم کرنے میں یقینی طور پر کہیں کمی ہوتی ہے اور کہیں زیادتی ہوتی ہے......اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ لین دین میں اور خرید وفروخت میں انصاف ودیانت نفس الامری خوبی ہے اور اس خوبی سے رتی برابر بھی ہٹ جانے سے یہ خوبی ناخوبی میں بدل جاتی ہے جو باعث گناہ ہے اگرچہ لین دین میں یا خرید وفروخت میں کمی یا بیشی کو فریقین قبول کرلیں باوجود وہ ناخوب ہی رہے گا......اس کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں جن میں میزان اور وزن کے تذکرے پائے جاتے ہیں۔

اس رب کا اپنے بندوں پر کس قدر بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی ضرورتوں کو بیان کردیا......میزان اور وزن کا ذکر قرآن مقدس میں مختلف مقامات پر ملتا ہے......میزان کیسا ہو؟ اور وزن کیا ہو اور وزن کے آلات کس قسم کے ہوں؟ اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے بلکہ رب تعالیٰ نے اسے اجمالی طور پر بیان کردیا ہے......اب رہی یہ بات کہ اس اجمال کی وضاحت کیسے ہو؟ تو اس وضاحت کی دو صورتیں ممکن ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ وزن وکیل کے لئے وہ آلے لئے جائیں جو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پائے جاتے تھے یا جنہیں سرکار نے پسند فرمایا۔

۳۳۴۰......حدثنا سفیان عن حنظلہ عن طاؤس عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المکیال مکیال اھل المدینۃ والوزن وزن اھل مکۃ(

www.muftiakhtarrazakhan.com

اخرج ابو داؤد فی "سننہ" کتاب البیوع باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم المکیال مکیال المدینۃ الوزن وزن اہل مکۃ (ج ۲ ص ۲۵۴) ترجمہ..... حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' اہل مکہ کا وزن وزن ہے اور اہل مدینہ کا مکیال مکیال ہے یعنی معتبر ہے۔''

چونکہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پاک میں مکہ مکرمہ عالمی تجارت گاہ بنا ہوا تھا وہاں جو بھی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی قیمت اور وزن سے ہوا کرتی تھی کہ وہاں نہ کوئی پھل ہوا کرتا تھا اور نہ کھیتی باڑی..... اس لئے اہل مکہ کے وزن کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معیار قرار دیا..... اس کے برخلاف مدینہ پاک میں پھل فروٹ بھی ہوتے تھے اور کھیتی باڑی بھی ہوا کرتی تھی..... بایں سبب مدینہ پاک میں پیمانوں کا استعمال ہوتا رہتا تھا اور سرکار نے اسی پیمانہ کو پسند فرمایا..... اس سے اس اجمال کی وضاحت ہوگئی جو ترازو میں پایا جاتا تھا کہ ترازو میں وزن کرنے کے لئے وزن کے آلے کا ہونا ضروری ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جس علاقہ اور جس ملک اور جن شہروں میں جو وزن اور جو پیمانے رائج ہیں عمومی حالت اور معاشرتی لین دین میں انہیں اوزان اور پیمانوں پر عمل کیا جائے..... اسلام کے مقاصد میں نزاع اور اختلاف کو ختم کرنا ہے اور ان رائج پیمانوں اور اوزان پر عمل کرنے سے نزاعی صورتیں ختم ہو سکتی ہیں..... اس دور میں بھی کچھ ایسے پیمانے چلتے ہیں جن کے بارے میں صحیح جانکاری نہیں ہے اور نہ لوگوں نے اس بارے میں جاننے کی کوئی کوشش کی ہے اس کے باوجود لوگ ان پیمانوں پر آپس میں لین دین کرتے ہیں اور کسی قسم کا نزاع بھی پیدا نہیں ہوتا ہے..... بہار کے جنوبی علاقے میں ''پیلا'' نام سے ایک پیمانہ رائج ہے جسے عورتیں اپنے گھروں میں استعمال کرتی ہیں اور اسی سے آپس میں معاملات بھی کرتی ہیں..... ایسا بھی نہیں ہے کہ پیمانہ گھروں میں تیار کیا جاتا ہے بلکہ بازاروں میں بکتا بھی ہے..... ہوسکتا ہے کوئی یہ سوال کرے کہ یہ معاملاتی رواج تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی کے خلاف ہے..... اس بارے میں اہل علم حضرات کا کہنا ہے کہ یہ قطعی خلاف نہیں ہے بلکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی وقار کا مطلب کچھ اس طرح کا ہے:

''قال الخطابی ... انما جاء ھذا الحدیث فی نوع ما یتعلق احکام الشریعۃ فی حقوق اللہ دون ما یتعلق بہ الناس فی بیاعتھم وامور معایشھم .. وقولہ : "الوزن وزن مکہ : یرید یرید وزن الذھب والفضۃ خصوصاً دون سائر الاوزان ومعناہ : ان الوزن الذی یتعلق بہ حق الزکاۃ فی النقد :وزن مکہ ...واما قولہ : "والمکیال مکیال اھل مدینۃ "انما ھو الصاع الذی یتعلق بہ وجوب الکفارت ویجب اخراج صدقۃ الفطر بہ ویکون تقدیر النفقات وما فی معناھا بعبارۃ (کتاب الاوزان والاکیال الشریعہ ص ۳۴) ترجمہ..... علامہ خطابی نے کہا: یہ حدیث ان احکام شرعیہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں نہ کہ اس کے تعلق سے جس سے لوگ اپنے خرید و فروخت اور امور معاش میں معاملہ کرتے ہیں..... سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ''وزن اہل مکہ کا وزن ہے'' اس سے مراد خاص طور سے سونے اور چاندی کا وزن ہے نہ کہ تمام اوزان..... اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب کبھی نقد کی صورت میں زکوۃ ادا کی جائے تو اہل مکہ کے وزن کے حساب سے زکوۃ نکالی جائے..... اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

www.muftiakhtarrazakhan.com

قول کہ اہل مدینہ کا مکیال، مکیال ہے اس سے مراد ''صاع'' ہے جس سے کفارے اور صدقہ فطر ادا کئے جاتے ہیں اسی طرح نفقات کی تقدیر بھی صاع سے کی جائے اور اس طرح کے جہاں بھی معاملات ہوں اس کی تقدیر بھی ''صاع'' سے کی جائے۔''

اس دور میں نہ مکہ مکرمہ کا وزن کہیں پایا جاتا ہے اور نہ اہل مدینہ کے ''صاع'' کا کہیں وجود ہے اور حد تو یہ ہے کہ خود ان پاک وطاہر مقامات پر بھی نہ وزن شرعی پایا جاتا ہے اور نہ کیل شرعی......اور جو وزن پایا جاتا ہے یا جو پیمانے پائے جاتے ہیں ان سب کا شرعی اوزان واکیال سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے......غرض کہ ہندوستان سمیت تمام ملکوں اور تمام دیار کا یہی حال ہے......پوری دنیا میں جس وزن اور معیار کا رواج زوروں پر ہے......وہ کیلوگرام ہے......اب میل اور فرسخ کا بھی رواج نہیں ہے اس کی جگہ کیلومیٹر نے لے لی ہے اس طرح کے اوزان واکیال میں تغیرات ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔

ہم میں سے جو صاحب نصاب ہے اس پر زکات فرض ہے اور صدقہ فطر واجب ہے......اسی طرح ہم میں سے کوئی مسافر بھی بنتا ہے جسے نماز قصر پڑھنی پڑتی ہے اور جہاں تک نکاح کی بات ہے کہیں مہر فاطمی باندھا جاتا ہے اور کہیں دینار اور کہیں درہم کے باندھنے کا بھی رواج ہے......اور کفارہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے تو کیسے ادا کیا جائے جس پیمانہ سے ادا کرنا چاہئے اب وہ پیمانہ نہیں......اسی لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ ''شرعی اوزان واکیال'' کی تقدیر کی جائے اور موجودہ نظام ناپ تول سے اس کا معادلہ کیا جائے......اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے علمائے کرام نے معادلہ کا عمل کرنا شروع کیا......اس بارے میں چند ایک کتاب میرے سامنے آئی ہے جس کا ذکر ذیل میں کیا جارہا ہے اور کچھ ایسے مقالات کے حوالے بھی ملتے ہیں جو اس باب میں لکھے گئے ہیں۔

(ا)......کتاب الاوزان والاکیال الشریعه۔

اس کے مصنف کا نام ''تقی الدین ابوالعباس احمد بن علی المقریزی'' ہے۔اس کتاب میں تفصیل سے ''شرعی اوزان واکیال'' سے بحث کی گئی ہے یہ کتاب معلوماتی کتاب ہے اور دلائل وبراہین سے مزین ہے اس میں تمام اوزان واکیال سے تو بحث کی گئی ہے مگر اس کتاب میں ''ذراع'' کے تعلق سے کوئی بحث نہیں ملتی ہے اور نہ ہی میل شرعی اور میل انگریزی سے کوئی بحث کی گئی ہے......یہ کتاب نیٹ پر موجود ہے۔

(ب)......اثبات مالیس منه بد لمن اراد الوقوف علی حقیقة الدینار والدرهم والصاع والمد۔

اس کتاب کے مصنف کا نام ''ابوالعباس العزفی'' ہے اور اس کی تحقیق وتخریج کی ہے ''محمد الشریف'' نے 'مطبوعہ المجمع الثقافی الامارات'' طباعت اولی سن ۱۹۹۹ء یہ کتاب بھی تحقیقی کتاب ہے اور بہت سے مقالے اور کتابوں میں اس کے حوالے ملتے ہیں جو اس بات پر شاہد ہیں کہ ''اوزان واکیال'' کے معاملہ میں اس کتاب کو بھی سند کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

(ج)......الاموال۔

اس کتاب کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس کا تعلق اوزان واکیال کی تحقیق سے ہے مصنف کا نام ''ابوعبید القاسم بن سلام'' ہے اور ''محمد خلیل هراس'' نے اس پر ''تحقیق وتعلیق'' کی ہے ''مکتبة الکلیات الازهریة ودار الفکر'' سے اس کی طباعت ہوئی ہے اور

www.muftiakhtarrazakhan.com

اس کی یہ طباعت تیسری طباعت ہے سن طباعت بار سوم ۱۴۱۲ھ ہے۔

(د)......الایضاح والتبیان فی معرفۃ المکیال والمیزان۔

ابن الرفعۃ الانصاری" اس کے مصنف ہیں اور "محمد الخاروف" نے اس کی تحقیق کی ہے "مرکز البحث العلمی جامعہ ام القری" نے سن ۱۴۰۰ھ میں اس کی طباعت کی ہے۔

(س)......تقدیر الاوزان عند المسلمین۔

از عبد القادر الطرابلسی الخطیب المطبوعۃ نشر دار البصائر سنہ ۱۴۰۴ھ

(ش)......تحدید الصاع النبوی نام سے ایک کتاب اور ایک مقالہ بھی لکھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ علم فقہ کے مذاہب اربعہ کی تمام فقہی کتابوں میں ابواب زکوٰۃ، صدقہ فطر اور مہر و کفارہ کی ضمنی بحثوں میں اوزان واکیال شرعی کی بحث آئی ہے اسی علم اوزان واکیال کے لئے یہ بحثیں سند کی حیثیت رکھتی ہیں فقہ حنفی کی درج ذیل کتابوں میں بھی "شرعی اوزان واکیال" سے بحث کی گئی ہے۔

☆......رد المحتار "مطلب فی تحریر الصاع والمد والرطل (ص ۱/۱۰۷)......مطلب فی مقدار الذراع و تعیینہ (۱/۱۳۱) مطلب فی تحریر الصاع والمُد و المن والرطل (ص ۲/۶۷)......مطلب فی مقدار الفطرۃ بالمد الشامی (۲/۷۷)

☆......"حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح" (ص ۳۹۱، ۳۹۵)

☆......"البحر الرائق شرح کنز الدقائق" (۲/۳۹۶، ۴۴۴)

☆......"فتح القدیر علی الہدایۃ" (۲/۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰)

میں نے نمونہ کے طور پر کچھ فقہی کتابوں کا ذکر کر دیا ہے یوں تو علم فقہ کی تمام کتابوں میں "شرعی اوزان واکیال" کا ذکر کسی نہ کسی نوع سے ضرور کیا گیا ہے یہ اور بات ہے فن کی حیثیت سے ان اوزان واکیال کی بحثیں نہیں ہیں بلکہ انسانی ضرورت و حاجت کے تحت ان کا ذکر کیا گیا ہے...... ہاں! اب فن کی حیثیت سے اس موضوع پر کتابیں لکھی جارہی ہیں باوجود اس کوشش کے اب تک ان کتابوں کو "علوم مدونہ" میں براہ راست شمار نہیں کیا گیا ہے اگر مستقبل قریب میں اسے بھی شمار کر لیا جائے تو علمی اور فنی اعتبار سے اس میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں ہو سکتی۔

ان علوم امام احمد رضا کی خدمات

ہمارے ہندوستان میں بھی اس موضوع کے تعلق سے بحث ومباحثے کی شروعات ہو چکی ہے اور فقہی سیمیناروں میں بھی اس موضوع پر بحث ہوئی ہے اور اس پر فیصلہ بھی ہو چکا ہے...... جہاں تک "امام احمد رضا فاضل بریلوی" کی اس موضوع پر خدمات عالیہ کی بات ہے......تو ان کے فتاوی میں بھی اوزان اور اکیال کے تعلق سے کافی بحثیں ملتی ہیں......اور مختلف مقامات پر تذکرے پائے جاتے ہیں اگر ان تمام بحثوں کو سمیٹ دیا جائے تو ایک مستقل کتاب ہو سکتی ہے اور اسے تصنیف وتالیف کا اعلی معیار کہا جا سکتا ہے......اسی لئے امام احمد رضا فاضل بریلوی کے فتاوی کو مختلف قسم کے علوم وفنون کا مجموعہ کہا جاتا ہے......ان کے

www.muftiakhtarrazakhan.com

فتاوی میں کچھ اس طرح کی انضباطی ترتیب پائی جاتی ہے کہ کوئی بھی ان تحریروں کو "تصنیف و تشکیل" کی صورت دے سکتا ہے ......مگر افسوس اس بات پر ہے ان بکھرے ہوئے تاروں کو کسی نے جمع کرنے کی کوشش نہیں کی ہے...... خیر جب نہیں تو اب سہی ......کچھ تو اس تعلق سے کام کیا جائے!

قبل ازیں کہ اس بارے میں کچھ عرض کروں انضباطی انداز میں کچھ باتیں گوش گزار کرنے کی کوشش کر رہا ہوں......وہ یہ کہ "اوزان واکیال" کو "مقادیر" کے زمرہ میں رکھا جاتا ہے......مقادیر مقدار کی جمع ہے اور مقدار کا معنی کسی چیز کا اندازہ کرنا اور اس کے وزن کا تعین کرنا آیا ہے......اور ظاہری بات ہے کہ اندازہ لگانے کے لئے کسی نہ کسی معیار کا ہونا ضروری ہے چاہے مقدار متصل کا اندازہ لگایا جائے یا کسی مقدار منفصل کا اندازہ لگایا جائے......اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے مقدار متصل کیا ہے؟ اور مقدار منفصل کیا ہے؟ کیوں کہ "اوزان واکیال" کے ذریعہ اسی مقدار کا اندازہ لگایا جاتا ہے......علامہ سید شریف الجرجانی اس بارے میں تحریر کرتے ہیں:

۱۱۹۱......الکم هو العرض الذی یقتضی الانقسام لذاته وهو اما متصل اور منفصل لان اجزائه اما ان تشترك فی حدود یکون کل منها نهایة جزء وبدایة آخر ...وهو المتصل اما قار الذات مجتمع الاجزاء فی الوجود وهو المقدار المنقسم الی الخط.والسطح والثخن وهو الجسم التعلیمی اوغیر قار الذات وهو الزمان والمنفصل هوا لعدد فقط کالعشرین والثلاثین (التعریفات) ترجمہ......کم (مقدار) وہ عرض ہے جو انقسام کو "لذاتہ" یعنی بغیر کسی واسطے کے قبول کرتا ہے وہ متصل ہوتا ہے یا منفصل ہوتا ہے اس لئے کہ اس کے اجزاء کسی حدود میں اس طرح سے مشترک ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک بہ نسبت ایک جز کے نہایت ہوتا ہے اور بہ نسبت دوسرے جز کے بدایت ہوتا ہے پھر یہ کہ وہ جز قار الذات اور وجود میں مجتمع الاجزا ہوگا یہی وہ مقدار ہے جو منقسم ہوتا ہے خط کی طرف ...... سطح کی طرف......اور عمق کی طرف۔ یہی جسم تعلیمی ہے یا غیر قار الذات ہوگا یعنی وہ متصل کہ اس میں از روئے ذات ٹھہراؤ نہیں ہوگا اور وہ زمانہ ہے ......منفصل صرف عدد ہے جیسے بیس اور تیس وغیرہ۔

مقدار کی کوئی ایک جنس نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کے مختلف اجناس ہوا کرتے ہیں جیسا کہ "الموسوعة الفقهية" میں "مقادیر" کے تحت درج ہے:

"المقادیر اجناس اربعة هی: الکیل والوزن والذرع والعدد وهی کلها وسائل لتقدیر الاشیاء والاموال او معایرتها بها ..فالکیل لتقدیر الحجم ,والوزن لتقدیر الثقل والذرع لتقدیر الطول والمساحة والعدد لتقدیر الآحاد والافراد (الموسوعة الفقهية ص ۳۶/ ۲۹۵) ترجمہ ......مقادیر کی چار جنسیں ہیں: کیل، وزن، ذراع، عدد یہ سب کے سب چیزوں اور مالوں کا اندازہ لگانے کے وسائل ہیں ان میں سے کیل سے کسی چیز کے حجم وطول اور موٹائی کا اندازہ لگایا جاتا ہے......وزن سے کسی چیز کے بھاری پن کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور ذراع سے لمبائی اور مساحت کا علم ہوا کرتا ہے اب رہی بات عدد کی......تو اس کے ذریعہ احاد اور

www.muftiakhtarrazakhan.com

افراد کی گنتی لگائی جاتی ہے۔''

اب ذیل میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تحریروں سے اس بات کا اندازہ لگایا جائے گا کہ دنیا کے اس عظیم محقق، مفکر اور دانشور نے ''شرعی اوزان اور اکیال'' کے تعلق سے کیا کیا خدمات انجام دیئے ہیں اور اس موضوع پر انہوں نے کیا پیش رفت فرمائی ہے؟

فتاویٰ رضویہ میں ''ذراع'' کا تصور

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے فتاویٰ میں نہایت ہی شرح و بسط کے ساتھ ''ذراع'' پر بحث فرمائی ہے مگر انہوں نے اس بحث کو محض کسی فن کی حیثیت سے نہیں دیکھا ہے بلکہ کسی مسئلہ کی اثبات وضاحت اور تحقیق کے پیش نظر اس پر سیر حاصل بحث کی ہے...... عام طور پر فن کی حیثیت سے جو بحث کی جاتی ہے اس میں سادگی ہوا کرتی ہے اور اس میں امعان تحقیق سے کام نہیں لیا جاتا ہے کیونکہ وہاں صرف فن کی نزاکتوں کو پورا کرنا ہوتا ہے مگر کسی مسئلہ کی تحقیق میں جب کوئی بات آتی ہے تو اسے اصول تحقیق اور اصول تنقید نیز اس کے ساتھ ساتھ اصول ترجیح کو بھی پیش نظر رکھنا پڑتا ہے...... ان تمام مرحلوں سے گزرنے کے بعد جب فن کی خوبیاں نکھر کر سامنے آجاتی ہیں تو ان میں مزہ ہی کچھ اور ہوا کرتا ہے۔

الذراع: هو مقياس عند الفقهاء وبالفارسية يقال له "گز "وطوله اربعة وعشرون اصبعاً مضمومة سوى الابهام بعدد حروف "لا اله الا الله محمد رسول الله "وكل اصبع ست شعرات مضمومة بطون بعضها الىٰ بعض .ويسمى بذراع الكرباس وهو المعتبر فى تقدير العشر فى العشر واعتبره اهل الهيئة فى مساحة قطر الارض والكواكب وابعادها وثخن الافلاك وهٰذا هو الذراع الجديد ..واما الذراع القديم واثنان و ثلاثون اصبعاً وقيل هو الهاشمى والقديم هو سبعة و عشرون ...وقيل ذراع الكرباس سبع قبضات وثلاث اصابع ،وقيل سبع قبضات باصبع قائمة فى المرة السابعة...وذراع المساحة ويسمى بذارع الملك ايضاً سبع قبضات فوق كل قبضة اصبع قائمة وقيل ذراع المساحة سبع قبضات وذراع الكرباس انقص منه باصبع وقيل ذراع المساحة سبع قبضات مع اصبع قائمة فى القبضة السابعة .وذراع العامة ويسمى ذراع المكسر ست قبضات سميت بذالك لانها نقصت من ذراع الملك اى ملك الاكاسرة بقبضة وذكره فى المغرب ثم ان هٰذه الاذرع هى الطوليه وتسمى بالخطية واما الذراع السطحى فهو مايحصل من ضرب الطولى فى نفسه ويسمى بالذراع الجسمى وهو مايحصل من ضرب الطولى فى مربعه .هٰكذا يستفاد من البرجندى وجامع الرموز وبعض كتب الحساب. (کشاف اصطلاحات العلوم والفنون باب الذال ص ۸۲۳) ترجمہ ...... ذراع فقہاء کے نزدیک پیمانہ ہے جس کو ہندی میں ''گز'' کہا جاتا ہے اس کی لمبائی انگوٹھے کے علاوہ ۲۴ ملی ہوئی انگلیوں کے برابر ہوتی ہے یہ ۲۴ عدد حروف ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے مطابق ہے اور ہر انگلی ۶ شعیرہ (جو)

www.muftiakhtarrazakhan.com

جب کہ ان میں سے ایک کا پیٹ دوسرے جَو سے ملا ہوا ہو...... اسے ''ذراع کرباس'' کا نام دیا گیا ہے...... دِہ در دِہ کی تقدیر میں اسی کا اعتبار کیا گیا ہے...... علم ہیئت کے جاننے والے ''قطر زمین'' کی مساحت۔ کوکب اور اس کے ابعاد اور آسمانوں کی موٹائی میں اسی ''ذراع کرباس'' کا اعتبار کرتے ہیں...... اور یہی ''ذراع جدید'' ہے اب رہا ''ذراع قدیم'' تو وہ ۲ ۳۲ر انگلیوں کے برابر ہوا کرتا ہے بعض لوگوں نے اسے ''ذراع ہاشمی'' کا نام دیا ہے اور ''قدیم ذراع'' ۲۷ر انگلیوں کے برابر ہوا کرتا ہے...... ''ذراع کرباس'' سات مٹھیاں اور ساتویں مٹھی کے ساتھ ایک کھڑی انگلی...... اور ''ذراع المساحت'' اسے ''ذراع الملک'' بھی کہا جاتا ہے سات مٹھیوں کے برابر ہوتا ہے ہر مٹھی کے اوپر ایک کھڑی انگلی ...... اور بعض نے یہ کہا: ''ذراع المساحت'' صرف سات مٹھیاں اور ''ذراع الکرباس'' ''ذراع المساحت'' سے ایک انگلی کم ہوتا ہے اور بعض نے کہا: ''ذراع المساحت'' سات مٹھیاں اور ساتویں مٹھی میں ایک کھڑی انگلی...... اور ''ذراع العامہ'' جسے ''ذراع المکسر'' بھی کہا جاتا ہے یہ ۶ر مٹھیوں کے برابر ہوتا ہے اس کا نام ''ذراع مکسر'' اس لئے رکھا گیا کہ یہ ''ذراع ملک'' سے ایک مٹھی کم ہوا کرتا ہے یہاں ملک سے مراد 'بادشاہان کسری' ہیں اس کا ذکر 'معرب'' میں ملتا ہے یہ تمام ذراعیں طول کے اعتبار سے ''خطیہ' ہیں اور ''ذراع سطحی'' حاصل ہوتا ہے طول میں طول کو ضرب دینے سے اور جسے ''ذراع جسمی'' کہا جاتا ہے وہ مربع میں طول کو ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے ایسا ہی مستفاد ہوتا ہے ''برجندی اور جامع الرموض'' کے مطالعہ کرنے سے۔''

کشاف اصطلاحات العلوم والفنون کی منقولہ عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے مصنف نے ''ذراع'' پر جو بحث کی وہ نہایت ہی سطحی ہے اور سرسری ہے اس بارے میں مصنف نے اپنا کوئی نظریہ پیش نہیں کیا ہے اور نہ ہی ''ذراع'' کی مختلف تشریحات میں سے کسی کو ترجیح دی ہے...... بلکہ انہوں نے وہی کہا جو'' برجندی اور جامع الرموز کے مطالعہ سے ان پر واضح ہوا ہے ...... ہوسکتا ہے یہ سطحی بحثیں ان کے پسند کردہ موضوع کی مجبوری ہو یا ان کے اختیار کردہ فن اور اس کے اصطلاحات کی نزاکت ہو ...... اس سے زیادہ اس بارے میں کچھ اور نہیں کہہ سکتا۔

مگر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے یہاں ایسا نہیں ہے...... آپ اس انداز سے بحث کرتے ہیں کہ ایک دانشور اور ایک محقق مطالعہ کرتے وقت حیرت و کشمکش کی تصویر بن جاتا ہے اور خود ان کا فن تحقیق اور فن تنقید تر و تازگی کا اظہار کرنے لگتا ہے ...... حضرت سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی بارگاہ میں ایک سوال آیا ہے جو اس طرح ہے:

''مسئلہ نمبر ۳۲ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حوض دہ در دہ میں ''گز شرعی'' کی مقدار کیا ہے؟ بینوا توجروا

دِہ در دِہ کا مطلب یہ ہے کہ دس کو دس میں ضرب دی جائے جیسے 10×10=100 ...... جب کسی عدد کو خود اسی عدد میں ضرب دی جاتی ہے تو اس سے اس کی مساحت نکل آتی ہے تو یہاں ''دہ در دہ'' کی مساحت ۱۰۰ر نکل آئی اس مساحت کا جو حوض ہوتا ہے وہ حوض کبیر ہوا کرتا ہے اور ایسا حوض کسی ناپاک چیز کے پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا ہے...... سائل نے اس بات کی وضاحت چاہی ہے کہ ''دہ در دہ'' میں جو گز معتبر ہے اس کی وضاحت کردی جائے ...... اس کا مطلب یہ ہے کہ سائل کو اس بارے میں کوئی جانکاری نہیں ہے اور اس کے پاس گز کے تعلق سے جو جانکاری ہے اس سے مسئلہ کا حل نہیں ہوسکتا ...... اس لئے اعلیٰ

www.muftiakhtarrazakhan.com

حضرت فاضل بریلوی نے نہایت ہی تفصیل کے ساتھ ''ذراع'' کے بارے میں معلومات تحریر فرمادی اور گز کا تعین بھی فرمادیا۔

''الجواب......علماء رحمھم اللہ تعالیٰ دربارۂ مساحت حوض کبیر کہ دِہ دردِہ قرار پایا ہے تعیین گز میں تین قول پر اختلاف ہے،
قول اول......معتبر ''ذراع کرباس'' ہے اور اسی کو ''ذراع عامہ'' کہتے ہیں یعنی کپڑوں کا گز......اسی قول کی طرف اکثر کا رجحان رائے اور اسی کو ''درر، ظہیر، وخلاصہ وخزانہ ومراقی الفلاح وعالم گیری وغیرہا میں اختیار کیا......اور شرح زاہدی وتجنیس اور فتاوی کبری پھر قہستانی پھر درمختار میں اسے مختار، اور نہایہ میں ''صحیح'' اور ہدایہ میں ''مفتی بہ'' اور ولوالجیہ میں ''الیق واوسع'' کہا......

اس عبارت کا مطلب واضح ہے کہ ''دہ دردہ'' میں شرعی اعتبار سے جو ذراع معتبر ہے وہ ''ذراع کرباس'' ہے جس کو ''ذراع عامہ'' بھی کہا جاتا ہے اور ''ذراع کرباس'' سے مراد کپڑوں کا گز ہے جسے عام طور پر لوگ کپڑوں کے ناپنے میں استعمال کیا کرتے ہیں اس گز کا اعتبار کسی ایک نے نہیں کیا ہے بلکہ بہت سے اکابر فقہانے اسے تسلیم کیا ہے اکثر فقہاء کا رجحان اسی طرف ہے اس کے علاوہ بہت سے مصنفین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اسی کو صحیح، مختار، مفتی بہ اور الیق واوسع بھی کہا ہے......اب رہا یہ سوال کہ یہ گز کتنی انگلیوں کا ہوتا ہے؟ اعلی حضرت فاضل بریلوی نے ارشاد فرمایا: کہ اس میں بھی اختلاف ہے۔''

جیسا کہ آپ تحریر کرتے ہیں

پھر خود ''ذراع کرباس'' کی تقدیر میں اختلاف واقع ہوا:

الف......امام ولوالجی نے سات مشت قرار دیا ہر مشت چار انگل مضموم تو اٹھائس اونگل کا گز ہوا...... ہمارے یہاں کی نو ''گرہ'' سے زائد اور دس گرہ سے کم یعنی ۹۔۱/۳ گرہ......اس قول پر نہایہ، پھر جامع الرموز پھر درمختار اور باتباع ولوالجی فاضل ابراہیم حلبی نے شرح منیہ میں اقتصار کیا۔

ب......مگر جمہور علماء کے نزدیک ''ذراع کرباس'' چھ مشت کا ہے ہر مشت چار اونگل مضموم اور اس کی طرف رجحان رائے علامہ محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن ہمام کا ہے اور یہی عالمگیریہ میں تبیین اور بحر الرائق میں کتب کثیرہ سے منقول۔ پس قول راجح میں یہ گز چوبیس انگل کا ہوا کہ ایک ہاتھ ہے تو ہمارے یہاں کا ''آدھا'' گز ٹھہرا

اس کو اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ:

4/ ملی ہوئی انگلیاں = 1/ مشت   7/ مشت ×4 ملی ہوئی انگلیاں = 28/ انگلیاں

''دہ دردہ'' میں جب ''ذراع کرباس'' معتبر ہے تو اس کی مساحت مذکور بالا تقدیر میں 10 ×10 = 100 ذراع کرباس ہوتی ہے۔

اعلی حضرت فاضل بریلوی کے فرمان کے مطابق:

الف...... 1/ ذرع کرباس = 9-1/3 گرہ

10/ '' '' × 9-1/3 گرہ = 93 گرہ ہوا

93/ گرہ ×93/ گرہ = 8649 گرہ ہوا یعنی ''دہ دردہ'' کی مساحت گرہ کے اعتبار سے 8649 گرہ ہونی چاہیئے

www.muftiakhtarrazakhan.com

چونکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہمارے یہاں کا گز 18 رگرہ کا ہوتا ہے...... اس لئے اعلیٰ حضرت کے یہاں کے گز کے اعتبار سے دہ دردہ کی مساحت اس طرح کی ہوگی۔

10 رذراع کرباس = 93 رگرہ

93 رگرہ ÷ 18 رگرہ یعنی یہاں کا گز = 16.5

16.5 × 16.5 = 62.26 یہاں کا گز...... یہ ساری باتیں جو پیش کی گئیں (الف) کے زمرہ میں آتی ہیں......

(ج)...... کے تحت یہ بتایا گیا کہ "ذراع کرباس" چھ مشت کا ہوا کرتا ہے اور یہ گز یہاں کے گز سے آدھا ہوا کرتا ہے اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ "ذراع کرباس" صرف ۹ رگرہ کا ہوتا ہے اور یہاں کا گز ۱۸ رگرہ کا ہوتا ہے:

10 رذراع کرباس × 9 رگرہ = 90 گرہ

90 گرہ × 90 گرہ = 8100 گرہ

90 ر گرہ ÷ 18 = 5 ر گز یہاں کا

5 رگز یہاں کا × 5 رگز یہاں کا = 25 رگز یہاں کا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دہ دردہ کے معاملہ میں اسی گز کو پسند فرمایا ہے...... قول اول کی بات اسی پر ختم ہوتی ہے۔

قول دوم...... اعتبار "ذراع مساحت" کا ہے امام علامہ فقیہ النفس اہل الافتاء بالترجیح قاضی امام فخر الدین خاں اور برجندی رحمۃ اللہ نے خانیہ میں اسی قول کی تصحیح اور قول اول کا رد کیا۔ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں اس پر بھی حکایت فتوی واقع ہوئی اور بیشک من حیث الدلیل اسے قوت ہے......

اس گز (ذراع مساحت) کی تقدیر میں اقوال مختلفہ وارد ہوئے ......

الف...... مضمرات میں سات مشت، ہر مشت کے ساتھ ایک اونگل قرار دیا کہ مجموعہ پینتیس 35 اونگل ہمارے "گز" سے 11-2/3 گرہ ہوا۔

ب...... علامہ کوافی نے چھ مشت معمولی اور ساتویں میں انگوٹھا پھیلا ہوا کہ یہ بھی تخمیناً گیارہ گرہ کے قریب ہوا مگر یہ دونوں قول یعنی الف اور ب شاذ ہیں۔

ج...... قول جمہور کہ عامہ کتب میں مصرح سات مشت ہے ہر مشت نر انگشت کشادہ یعنی ساڑھے تین فٹ کہ اس گز سے کچھ اوپر۔ ساڑھے اٹھارہ گرہ ہوا یعنی 18-2/3 گرہ......

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے "قول دوم" کے تحت "ذراع مساحت" کی تقدیر میں تین اقوال الف، ب، ج کا ذکر کیا ہے اور یہ تینوں اقوال ایک دوسرے سے مختلف ہیں انہیں تینوں اقوال کی توضیح پیش کی جارہی ہے۔

الف کی توضیح...... مضمرات میں "ذراع مساحت" کی تقدیر سات مشت سے کی گئی ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ ہر ایک مشت کے ساتھ ایک انگلی ہو...... اس کا مطلب یہ ہوا کہ 7 رمشت 4× انگلی 28 رانگلیاں + 7 انگلیاں = 35 انگلیاں ہوئیں یعنی ایک

www.muftiakhtarrazakhan.com

ذراع مساحت 35 / انگلیوں کے برابر ہوتا ہے..... جو یہاں کے گز سے 11-3/2 گرہ ہوتا ہے۔

11-2/3 کو اعشاریہ میں اس طرح تبدیل کر دیا جائے.....

11-2/3= 35/3 یعنی =※1166 اعشاریہ گرہ

1166. × 10 / ذراع مساحت = 116.6 / اعشاریہ گرہ

116.6 / اعشاریہ گرہ ÷ 18 / یہاں کے گز = 6.47 / اعشاریہ یہاں کے گز

6.47 × 6.47= 41.86 گز یہاں کا..... اس کا مطلب یہ ہوا کہ مضمرات میں درج ذراع مساحت کی تقدیر سے ''دہ دردہ'' کی مقدار 41 گز اعشاریہ 86 مساحت ہوتی ہے

ب کی توضیح..... علامہ کوانی نے ''ذراع مساحت'' کی تقدیر میں 6 / مشت معمولی اور ساتویں مشت کے ساتھ ایک انگلی قرار دیا اعلی حضرت فاضل بریلوی نے علامہ کوافی کی اس تقدیر کے بارے میں فرمایا: یہ لگ بھگ 11 / گرہ کے قریب ہے اس قول کی بنیاد پر ''دہ دردہ'' کی مساحت کیا ہوگی؟ اس کی وضاحت ذیل میں کی جارہی ہے۔

1 / ذراع مساحت = 11 / گرہ

10 / ذراع مساحت × 11 / گرہ = 110 / گرہ

110 گرہ × 110 / گرہ = 220 گرہ..... یعنی گرہ کے اعتبار سے ''دہ دردہ'' کی مساحت 220 گرہ ہوتی ہے۔

ہندوستانی گز کے اعتبار سے اس کی کیا مساحت ہوگی اس کی بھی وضاحت کی جارہی ہے۔

110 / گرہ ÷18 / گرہ = 6.11 گز ہندوستانی

6.11×6.11 = 37.33 گز ہندوستانی یعنی دہ دردہ کی کل مساحت اس مذکورہ تقدیر کی صورت میں 37.33 گز ہندوستانی ہوگی۔

(ج) کی توضیح..... جمہور کے نزدیک ''ذراع مساحت'' اگرچہ سات مشت ہے مگر یہ مشت کسی مرد کی ہو اس کے ساتھ یہ بھی ضروری کہ مشت کی انگلیاں ملی ہوئی نہ ہوں بلکہ کشادہ ہوں..... حضور سرکار اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس تقدیر کے بارے میں ارشاد فرمایا: یہ ساڑھے تین فٹ کہ اس گز سے کچھ اوپر یعنی ساڑھے اٹھارہ گرہ 18-2/3..... اس تقدیر کے اعتبار سے جو مساحت ہوگی اس کی وضاحت کی جارہی ہے۔

18-2/3 ۳ گرہ = ÷238 =18.1 گرہ

ایک ذراع مساحت =18.1 گرہ × 10 =181 گرہ

181 / گرہ × 181 / گرہ = 32761 گرہ یعنی اس تقدیر پر ''دہ دردہ'' کی مساحت 32761 گرہ ہوتی ہے

ہندوستانی گز کے اعتبار سے اس کی مساحت درج ذیل ہے۔

181 / گرہ ÷ 18 گرہ جو ہندوستانی گز ہے = ہندوستانی گز 10.05 ×10.05 =101 ہندوستانی گز یہ ''دہ در دہ'' کی مساحت ہوئی۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

قول سوم ...... ہر شہر و دیار و ہر عہد و زمانہ میں "گز رائج" کا اعتبار ہے محیط میں اسی کو اصح اور نہر میں انسب کہا اور کافی میں بھی یہی اختیار کیا۔ مگر علمائے متاخرین اس قول کا رد کرتے ہیں اور من حیث الدلیل نہایت ضعیف بتاتے ہیں اور نظر فقہی میں معلوم بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔

جہاں تک قول سوم کی بات ہے اس میں نہ کسی ذراع شرعی کی بات کہی گئی ہے اور نہ ہی کسی ذراع کرباس و مساحت کی بات پیش کی گئی ہے بلکہ دہ دردہ کی تقدیر کے لئے رائج گزوں کی بات کہی گئی ہے اس اعتبار سے دہ دردہ کی کوئی مقدار متعین نہیں کی جاسکتی ہے کیونکہ گز کے اختلاف سے مساحت میں بھی اختلاف نمایاں ہوگا ...... محیط میں اسی کو اگرچہ اصح اور نہر میں انسب بتایا گیا باوجود اس کے علمائے متاخرین نے اس کا رد بلیغ کیا ہے اور اعلی حضرت فاضل بریلوی نے بھی اس کے بارے میں فرمایا: نظر فقہی میں معلوم بھی ایسا ہی ہوتا ہے یعنی من حیث الدلیل نہایت ہی ضعیف معلوم ہوتا ہے ...... بایں سبب اعلی حضرت فاضل بریلوی نے بھی اسے مسترد کر دیا ...... اب رہی بات قول اول اور قول دوم کی تو اس بارے میں عرض ہے ...... قول دوم میں سے مضمرات اور علامہ کوافی کی تقدیر کو اعلی حضرت فاضل بریلوی نے شاذ فرما کر رد فرما دیا ...... اب کل 3 / تقدیریں بچیں "قول اول میں سے الف، ب اور قول دوم میں سے ج ...... اعلی حضرت فاضل بریلوی نے قول اول میں سے ب کو قبول فرمایا:

ورنہ وہی چوبیس انگل کا گز خود معتمد و ماخوذ ہے جس کا دہ دردہ ہمارے گز سے پچیس ہی گز ہوا اور اس کے اعتبار میں اصلا دغدغہ نہیں کہ وہی مفتی بہ ہے اور وہی قول اکثر اور اسی میں یسر و آسانی بیشتر ...... اور مقدار دہ دردہ کا اعتبار بھی خود رفق کی بنا پر ہے کما لا یخفی ......
(فتاوی رضویہ مترجم دوم ص ۷۰ / ۱ / ۲ مطبوعہ رضا اکیڈمی)

اعلی حضرت فاضل بریلوی نے ذراع اور اس میں پائے جانے پر کچھ معروضات بھی پیش کئے ہیں جنہیں میں نے نظر انداز کر دیا اس کی وجہ یہ کہ ہمیں اس موضوع پر بحیثیت فن گفتگو کرنے کو کہا گیا ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ فن میں سب سے زیادہ جس بات پر زور دیا جاتا ہے وہ درس و تدریس ہے اور اس کے تقاضے ہیں اسی طرح میں نے ان فتاوی سے بھی پہلو تہی کی ہے جن میں "ضرب و عمل" کے نہایت ہی گہرے طریقوں سے بحث کی گئی ہے ...... یعنی وہ تالاب جو کرہ کی شکل میں ہو یا مثلث کی صورت میں ہو وغیرہ کیونکہ یہ بحثیں فنی تقاضوں سے کہیں بلند ہیں۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے فتوی شریف کی اسی عبارت سے موضوع مقالہ کا حق ادا ہو جاتا ہے اور یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ "ذراع شرعی" کیا ہے؟ اور "ذراع کرباس" کیا ہے؟ مگر ان دونوں ذراعوں کے ضمن میں جو اختلاف بیان کیا گیا ہے اور جس قدر حوالے پیش کئے گئے ہیں اس سے حق تصنیف کے پورا کرنے میں "ازدیاد اہتمام و شوق" کی وضاحت ہوتی ہے جو تصنیف کو دوبالا اور اسے منفرد بنا دیتا ہے ...... اس کی خوبیوں میں چار چاند لگا دیتا ہے ...... آپ نے ابھی ابھی دیکھا کہ صاحب "کشاف اصطلاحات العلوم والفنون" نے ذراع کے بیان میں جو کچھ کہا ہے اس میں انہوں نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا اور نہ ہی اعلام میں سے کسی کا نام لیا بلکہ صرف یہ کہہ کر گزر گئے کہ "هكذا يستفاد من البرجندي وجامع الرموز وبعض كتب الحساب" مگر امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ایسا نہیں کیا بلکہ انہوں نے "کمال تحقیق" کی راہ پر چلتے ہوئے ایسی تحقیق انیق پیش فرمائی کہ تصنیف و تالیف کا چہرہ کھل اٹھا اور اس کی شگفتہ مزاجی نے ایسا جوہر دکھا دیا کہ دانش و بینش اور فہم و ادراک اور شعور

www.muftiakhtarrazakhan.com

وفکر ان کی بارگاہ میں اپنا خراج عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہو گئے ......اور کیوں نہ مجبور ہوتے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی عبارت مذکورہ میں جوش تحقیق کچھ اور انداز کا پایا جاتا ہے...... ذرا دیکھیئے تو سہی! اس میں کیا کیا رموز واشارات ہیں؟

اولاً......امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس بات کی وضاحت فرمادی کہ "دِہ دردِہ" میں کون سی ذراع معتبر ہے؟ ذراع کرباس، ذراع مساحت یا پھر ہر علاقہ اور ہر زمانہ میں رائج ذراع معتبر ہے......اس طرح کی بحثیں، بہت ہی کم ملا کرتی ہیں......اس بارے میں ہمارے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے تین اقوال بیان کئے۔

ثانیاً......اس بات کی بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے تشریح فرمادی کہ کس نے کس ذراع کا اعتبار کیا ہے اور کس کتاب میں اس بابت کیا لکھا ہے؟ اصح، الیق، انسب لکھا ہے یا "علیہ الفتویٰ" تحریر کیا ہے یا "مفتی بہ" لکھا ہے......یہ وہ باتیں ہیں جو کسی سرسری مطالعہ کرنے والوں سے ظہور میں نہیں آسکتی ہیں......اور نہ کوئی اس بات کی ہمت وجرأت کرسکتا ہے......ہاں وہ انسان جو کسی فن میں مہارت تامہ رکھتا ہے اور جسے مسائل وجزئیات پر مکمل عبور حاصل ہوتا ہے......وہی تو اس پختگی کے ساتھ لکھ سکتا ہے جس پختگی کے ساتھ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے تحریر فرمادیا ہے......دور دور تک دیکھ لیجئے بلکہ جہاں تک آپ کی نظر جائے وہاں تک دیکھ لیجئے اول تو کوئی نظر ہی نہیں آئے گا اور اگر کوئی نظر بھی آجائے تو فکر وشعور اور تحقیق وتنقید میں کسی کا معیار امام احمد رضا فاضل بریلوی جیسا نہیں ہوسکتا......یہ وہ حقیقت ہے جسے کوئی فراموش نہیں کرسکتا......زمینی حقیقت میں تو کیا خواب کی حالت میں کوئی انکار کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے باوجود اس کے اگر کوئی انکار کرے تو یہی کہا جائے گا کہ وہ جنونی ہے یا وہ خبطی ہے۔

ثالثاً......اہل علم پر یہ بات بھی مخفی نہیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے، ،ذراع اور گز" کے تعلق سے جو تصریحات پیش کی ہیں یوں ہی نہیں پیش کی ہیں بلکہ انہوں نے اپنی ایک ایک بات اور ایک ایک نظریہ کے تحت دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں......کوئی ان دلیلوں سے استفادہ کرنے میں اپنے آپ کو لاچار تو محسوس کرسکتا ہے ان دلیلوں کی اہمیت وافادیت اور ان کے کرشمائی اثر ورسوخ کا انکار نہیں کرسکتا ہے...... مجھے حیرت ہوتی ہے کہ پروردگار عالم نے سرکار اعلیٰ حضرت کو کس قدر نوازا تھا کہ ان کے پاس ہر بات اور مسئلہ کی دلیل پائی جاتی ہے انہیں کسی دلیل کو دینے میں دیر نہیں لگتی ہے اُدھر سے کوئی مسئلہ پوچھتا ہے اور اِدھر سے دلیل وبرہان کی ایسی بارش ہوتی ہے جو سمیٹے نہیں جاسکتے...... چاہے دامن کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو......ہاں ہاں جب انہیں کوئی عطا کرتا ہے تو مل جاتا ہے اور بہت زیادہ ہی مل جاتا ہے......کیونکہ کمی ہمارے دامن میں پائی جاتی ہے اس کے دینے میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں ہوتی ہے۔

رابعاً......فقیہ جو بات کرتا ہے یا جس چیز کو تحریر کے دائرہ لاتا ہے......تو یوں ہی نہیں لاتا ہے بلکہ اس کی بھی دلیل رکھتا ہے اور پھر اسی دلیل وبرہان کی روشنی میں وہ فقیہ بات کرتا ہے......اس کے علاوہ ایک فقیہ کے لئے تنقیدی بصیرت کا ہونا بھی ضروری ہوا کرتا ہے......امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جب دلائل وبراہین لانے پر کمربستہ ہوتے ہیں تو انہیں کسی دلیل کو تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہیں ہوا کرتی ہے بلکہ خود دلیلیں ان کے پاس چل کر آتی ہیں اور پھر آپ "فقہی بصیرت کے معیار پر ان دلیلوں کو کستے ہیں......جب وہ دلیل ان کے اس معیار پر کھری اترتی ہے......اس کے بعد ہی آپ اسے ضبط تحریر میں لاتے ہیں......ان کی تنقیدی بصیرت کا جلوہ زیباد یکھنا ہو تو ان کے فتاویٰ کا نہایت ہی گہری نظر سے مطالعہ کریں......اسی مسئلہ ذراع کے تعلق سے

www.muftiakhtarrazakhan.com

آپ نے جو اختلافی نظریوں کو پیش کیا ہے اور علم فقہ کے اعلام واشخاص کے جو حوالے دیئے ہیں ان پر تنقیدی اور فقہی نظر ڈالتے ہوئے کسی قول کا آپ نے رد فرمایا اور کسی قول کو سہو پر مبنی قرار دیا...... اور کسی قول کو غیر صحیح فرمایا...... غرض یہ کہ آپ نے اپنے موقف کو صحیح قرار دینے میں جو راہ اختیار کی ہے وہ ایسی صاف ستھری اور بے غبار راہ ہے کہ دور حاضر کا کوئی بھی محقق یا دانشور اس پر کلام نہیں کرسکتا ہے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ اس راہ میں جہاں کہیں بھی کوئی بات سامنے آتی ہے تو آپ اپنی تنقیدی اور فقہی بصیرت سے پہلے اس کا رد فرماتے ہیں...... یا اسے سہو پر مبنی قرار دیتے ہیں اور کہیں آپ نے یہ فرمایا کہ یہ نظریہ زمینی حقیقت سے بہت دور ہے...... وغیرہ وغیرہ اس کے بعد ہی آپ اپنے موقف کو ارشاد فرماتے ہیں: آپ نے اسی مسئلہ ذراع کے تعلق سے جو جواب ارشاد فرمایا ہے اسے فتوی کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

بالجملہ یہاں تین قول ہیں اور ہر طرف ترجیح وتصحیح اقول مگر قول ثالث درایۃ ضعیف اور اس کا لفظ ترجیح بھی اُس قوت کا نہیں اور قول دوم اگر چہ اقیس ہے اور اس کی تصحیح امام قاضی خاں نے فرمائی جن کی نسبت علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے کہ وہ فقیہ النفس ہیں کما ذکر العلامۃ شامی فی ردالمحتار وغیرہ مگر قول اول کی طرف جمہور ائمہ ہیں اور عمل اسی پر ہوتا ہے جس طرف جمہور ہوں کما فی ردالمحتار وعقود الدرایہ وغیرہما اور اس کا لفظ تصحیح سب سے اقوی کہ علیہ الفتوی بخلاف قول دوم کہ اس میں لفظ صحیح ہے اور سید طحطاوی کی اس پر حکایت فتوی معلوم ہولیا کہ سہو صریح ہے پس جو زیادہ احتیاط چاہے مساحت آب کثیر میں گز مساحت کا اعتبار کرے کہ ساڑھے تین نٹ اور ہمارے گز سے سدس اوپر ساڑھے اٹھارہ گز کا ہے جس کا دس گز ہمارے گز سے ایک سو چھتیس گز ایک گرہ ۷/۹ گرہ ہوا اور نہ وہی چوبیس انگل کا گز خود معتمد وماخوذ ہے جس کا دہ دردہ ہمارے گز سے پچیس ہی گز ہوا اور اس کے اعتبار میں اصلا دغدغہ نہیں کہ وہی مفتی بہ ہے اور وہی قول اکثر اور اسی میں یسر وآسانی بیشتر...... اور مقدار دہ دردہ کا اعتبار بھی خود رفق کی بنا پر ہے کما لا یخفی۔ (فتاوی رضویہ مترجم دوم ص ۷۰/۲۷ مطبوعہ رضا اکیڈمی)

سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے فتاوی میں سے کچھ عبارتوں کو پیش کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ نے علم ذراع کے تعلق سے جو بحث کی ہے وہ نہایت اہم اور انفرادیت کی حامل ہے اس قسم کی بحثیں امام احمد رضا فاضل بریلوی کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتی ہے جیسا کہ ہم ''کشاف اصطلاحات العلوم والفنون'' کی عبارت کو پیش کر کے بتا چکے ہیں...... ہمارے قارئین خود غور فرمالیں مسئلہ واضح ہو جائے گا۔

اب میں خلاصہ کے طور پر بیان کرنا چاہوں گا کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ''ذراع'' کے تعلق سے جو بحث فرمائی ہے اس کے مطالعہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے قول اول کو لیا ہے یعنی ''ذراع کرباس'' کو لیا ہے اور ''ذراع کرباس'' میں بھی اس قول کو لیا ہے جو جمہور کا قول ہے یعنی چوبیس انگل کا ایک گز ہے جو یہاں کے گز کا آدھا گز ہے اور ''دہ دردہ'' کی تقدیر یہاں کے گز سے پچیس گز ہوا۔

ہم واضح کر چکے ہیں کہ ''علم اوزان واکیال'' ''علم حساب'' کے توسط سے علم ریاضی سے ملتا ہے اور علم ریاضی میں ریاضت کی ضرورت پڑتی ہے محنت اور مشقت کی حاجت ہوتی ہے یعنی صرف فارمولے بتادینے سے اس علم میں کوئی کام نہیں بنتا ہے بلکہ اس کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ ریاضت کی جائے...... امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بھی ریاضت کی ہے مگر ان کی یہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

ریاضت فن میں نکھار پیدا کرنے کے لئے نہیں تھی بلکہ انہوں نے جو بھی ریاضت کی ہے دوسروں کو مطمئن کرنے کے لئے کی ہے ......اور کسی پوچھے گئے سوال کا جواب دینے کے لئے کی ہے ......ریاضت کے دوران انہوں نے کرہ، مثلث، مربع، جذور، اعشاریہ اور علم لوگارثم سے بھی کام لیا ہے اور جب ان علوم کے سہارے کسی مسئلہ کو لکھنے پر آئے ہیں تو معلومات کا ایک سیل رواں جاری کر دیا ہے جس کی چکا چوند نے نہ جانے کتنے ماہرین فن کو حیرت و کشمکش میں ڈال دیا ہے؟ اور بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے......ایسا باکمال اور جامع صفات والا انسان کہاں ملتا ہے؟ ذراع اگر چہ علم اوزان واکیال میں نہیں آتا ہے مگر چونکہ وہ علم بھی اس علم سے بہت زیادہ قریب ہے اسی قربت کے سبب میں نے اس مقام پر بیان کر دیا ہے اس کے مطالعہ سے اہل علم یقینی طور پر خوش ہونگے......اب خاص طور سے ''وزن وکیل'' کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔

کچھ اوزان کے بارے میں

اوزان جمع ہے اس کا مفرد وزن ہے اور یہاں وزن سے مراد کسی چیز کو ناپنا ہے یا پھر اس سے وہ چیز لی جاتی جس سے کسی چیز کو ناپا جاتا ہے......ہم گزشتہ اوراق میں حدیث پاک کے حوالے سے یہ بات ثابت کر آئے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے وزن کو معتبر قرار دیا ہے......اوزان میں کیا کیا چیزیں آتی ہیں؟ اور سرکار صلی اللہ کے دور میں کن اوزان کا رواج تھا؟ ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں:

(۱) ......درہم (۲) ......دینار (۳)......مثقال (۴)......دانق (۵)......قیراط (۶)......اوقیہ (۷) ......نش (۸)......نواۃ (۹)......رطل (۱۰)......قنطار

(۱)......درہم

تعارف......درہم ایک ایسا لفظ ہے جو معرب ہے یعنی یہ لفظ اصل میں عجمی ہے مگر اہل عرب نے اسے استعمال کر کے عربی کر لیا ہے ......درہم نقد کی ایک قسم ہے اور چاندی کا ڈھلا ہوا ایک وزن ہے......لوگوں نے درہموں کو اپنے لین دین کا ایک ذریعہ بنا رکھا ہے......اس کی قسمیں مختلف ہیں اور اس کے اوزان میں بھی فرق ہے نوع و وزن میں یہ اختلاف ان شہروں کے اختلاف کے سبب نمایاں ہوا جن شہروں میں لوگوں نے درہموں کے ذریعہ اپنے معاملات کو طے کرنے لگے......ابتدائی صورت میں درہموں کو صرف وزن کی حیثیت تھی......جس طرح سے اس دور میں ۲۵۰ر ۵۰۰ اور ایک کیلوگرام وغیرہ ہوا کرتا ہے بہت بعد میں درہموں کو سکے کا روپ دیا گیا......اس بارے میں بھی اختلاف کہ سب سے پہلے کس نے اسے سکے کا روپ دیا؟ اس بارے میں تین اقوال ہیں۔

القول الاول ......فحکیٰ القاضی ابو الحسن علی بن محمد الماوردی ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما رأی اختلاف الدراھم وان منھا البغلی وھو ثمانیۃ دوانق ومنھا الطبری وھو اربعۃ دوانق ومنھا المغربی وھو ثلاثۃ دوانق ومنھا الیمنی وھو دانق ...قال انظروا الاغلب مما یتعامل بہ من اعلاھا وادناھا فکان الدرھم البغلی والدرھم الطبری فجمع بینھما فکان اثنی عشر دانقا فاخذ نصفھا فکان ستۃ دوانق۔(الاوزان والاکیال الشریعۃ ص ۸۲) ترجمہ...... پہلا

www.muftiakhtarrazakhan.com

قول…… قاضی ابوالحسن علی بن محمد الماوردی نے بیان کیا: کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دراہم میں اختلاف کا جب ملاحظہ فرمایا کہ ان میں سے بعض "بغلی" ہے اور وہ ۸/دوانق کا ہے…… بعض طبری ہے جو ۴/دوانق کا ہے…… مغربی ہے جو ۳/دوانق کا ہے اسی طرح یمنی بھی جو صرف ایک دانق کا ہے……ان میں سے اغلب کو لو…… جو اعلی میں سے اور ادنی میں سے بھی…… تو ان میں سے بغلی اور طبری کو لیا گیا اور پھر دونوں کو جمع کیا گیا تو ۱۲/دانق ہو گئے اور اس میں سے اس کا نصف لیا گیا۔ایک بغلی درہم 6/دوانق کے برابر ہوتا ہے……اور طبری 4/دانق کے برابر ہوتا ہے……8+4=12……اس میں سے صرف یعنی 6/دانق لیا گیا……اور سرکاری طور پر ایک درم کو ۶/دانق کے برابر قرار دیا گیا……گویا درم کا وزن مقرر کر دیا گیا۔"

القول الثانی……اس بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر کے حکم سے مصعب بن زبیر نے بادشاہان کسری کے طرز پر درم ڈھال دیا اس کے ایک جانب میں (برکتہ) اور دوسری جانب (واللہ) نقش کیا گیا یہ بات بڑے پتے کی ہے لیکن ایک سال کے بعد ہی حجاج بن یوسف نے بدل دیا اور اس پر "بسم اللہ" کندہ کرا دیا۔

القول الثالث…… یہ ہے کہ سب سے پہلے عبدالملک بن مروان نے منقوشہ درموں کو تیار کرایا ہے،ایک درم کا کیا وزن ہوتا ہے وہ بعد میں بیان کیا جائے گا جب اس کا موقع آئے گا …… ہاں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ایک درم =975.2 گرام ہوتا ہے۔

(۲)……دینار

تعارف……کہ اس کی جمع دنانیر آتی ہے یہ بھی فارسی الاصل ہے اور اسے معرب کر لیا گیا……ڈھلے ہوئے سونے کے ایک ٹکڑے کا نام "دینار" ہے فقہائے کرام کی اصطلاح میں دینار مثقال کا مترادف ہے جو ایک مقدار کا نام ہے جس کے ذریعہ کسی چیز کا اندازہ لگایا جاتا ہے بلاذری،ابن خلدوں اور ماوردی نے کہا: کہ دینار کا وزن ۲۰/قیراط ہوا کرتا ہے……تاریخ سے ثابت ہوتا ہے ہرقل بادشاہ کے ڈھلے ہوئے دینار جاہلیت کے دور میں منتقل ہو کر مکہ میں آئے اس طرح اس کا رواج بھی عرب کے علاقوں میں ہو گیا جب اسلام آیا تو اس نے بھی دینار کو برقرار رکھا……خلفائے راشدین اور حضرت امیر معاویہ نے بھی دینار کے رواج واستعمال کو جاری رکھا بادشاہ ہرقل کے دینار کا وزن 20/قیراط کے بجائے 12/قیراط ہوا کرتا تھا…… جہاں تک دینار شرعی کی بات ہے اس بارے میں عرض ہے عبدالملک بن مروان نے جو دینار تیار کیا اسی کو "دینار شرعی قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس کا وزن اس دینار کے مساوی تھا جو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پایا جاتا تھا……اور صحابہ کرام کے دور میں تھا……ایک دینار 22 قیراط ایک حبہ شامی کم کے برابر ہوتا ہے……اور متوسط 72/جو کے برابر ہوتا ہے اور دور حاضر میں اس کا وزن 25.4 گرام ہے۔

(۳)……مثقال

تعارف……مثقال اور دینار دونوں ایک دوسرے کے مترادف ہیں……اس اعتبار سے ایک مثقال کا وزن بھی دینار کی مانند ہے جتنے قیراط دینار میں پائے جاتے ہیں ٹھیک اُتنے ہی قیراط مثقال میں پائے جاتے ہیں جدید عصری اوزان میں مثقال 25.4 گرام کے برابر ہوتا ہے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

(۴)......دانق

تعارف......دانق کا وزن درہم کے تناسب سے لگایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ایک دانق درہم کا سدس ہے مثال کے طور پر درہم کا وزن جدید عصری اوزان میں 975.4 گرام ہے تو دانق کا وزن 495. ہوگا (2.6÷975=495.)

(۵)......قیراط

تعارف......قیراط دینار کا 24واں جز ہے اور تین جو کے برابر ہوتا ہے اور جدید اوزان میں قیراط (1770. گرام) کے مساوی ہوتا ہے۔

(۶)......اوقیہ

تعارف......اوقیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ 40 درہموں کے مساوی ہوتا ہے 975.2+40=119 گرام کے برابر ہوتا ہے

(۷)......نش

تعارف......نش اوقیہ کا نصف ہوا کرتا ہے یعنی 20 درہموں کے برابر ہوتا ہے جسے جدید اوزان میں اس طرح دکھایا جاتا ہے (20.2×975=5.59 گرام)

(۸)......نواۃ

تعارف......نواۃ کا شمار بھی اوزان میں ہوتا ہے اور یہ 5/ درہموں کے برابر ہوتا ہے جدید عصری وزن میں اس کا وزن (5.2×975=875.14 گرام) ہوتا ہے جس طرح چاندی کی نصاب درہموں سے مقرر کی جاتی ہے اسی طرح نواۃ سے بھی یہ نصاب مقرر کی جاتی ہے۔

(۹)......رطل

تعارف......رطل کے بارے میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے اس کے اقسام بھی شہروں کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتی ہیں ایک رطل شامی ہوتا ہے اور اس کی دوسری قسم کو رطل عراقی ہوتی ہے اس کا ذکر نہایت ہی تفصیل کے ساتھ صاع کے بیان میں کیا جائے گا کہ وہی اس کا محل ہے۔

(۱۰)......قنطار

تعارف......قنطار کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قنطار مال کثیر کو کہا جاتا ہے اور اس کی کوئی حد متعین نہیں ہے کسی نے اس کی حد مقرر کی ہے مگر اس کی اس کوشش کو کوشش ناتمام سے تعبیر کی گئی ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انسان زندگی کے تمام جہات پر گفتگو کی ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ انہوں نے کسی جہت اور کسی گوشہ کو چھوڑا نہیں ہے اور جہاں تک ''وزن وکیل'' کی بات ہے یہ تو انسانی زندگی کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے کہ اس کے بغیر کسی کا بھی کوئی کام نہیں نکلتا ہے اس لئے انہوں نے اس پر بھی توجہ فرمائی ہے......جیسا کہ حدیث پاک سے ہم ثابت کر آئے ہیں کہ اہل مکہ کا ''وزن'' معتبر ہے اور اہل مدینہ کا ''کیل'' معتبر ہے......نہ کبھی وزن بدل سکتا ہے اور نہ کبھی ''کیل

www.muftiakhtarrazakhan.com

"پر کوئی حرف آسکتا ہے یہ اور بات ہے کہ انسان بدل جائے اور ان کے نظریات اور عرف وعادت میں زبردست بدلاؤ آجائے...... جیسا کہ علامہ مقریزی لکھتے ہیں:

"کان الاصل فی الموزون ماکان حینئذ بوزن مکه وکان اصل فی المکیال ماکان حینئذ یکال بالمدینة لا یتغیر عن ذالك وان غیره الناس۔ (الاوزان والاکیال الشرعیہ ص ۴۴) ترجمہ ...... موزوں میں اصل یہ کہ وزن توضیح معنی میں مکہ مکرمہ کا ہی وزن ہے اور کیل وہی معتبر ہے جو مدینہ پاک میں پایا جاتا تھا...... یہ کبھی نہیں بدل سکتا اگر چہ لوگ اپنے وزن اور کیل کو بدل دیں۔"

کیونکہ یہ وزن، وزن شرعی ہے اور کیل، کیل شرعی ہے اس کا اعتبار ہر دور میں کیا جاتا رہے گا ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ہر دور میں اس وقت کے رائج اوزان واکیال سے درہم و دینار اور کیل کا معادلہ کیا جائے ...... جیسا کہ اب تک کیا جاتا رہا ہے ...... سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے مختلف فتاوی میں درہم و دینار کا ذکر کیا ہے اس کے علاوہ ان تمام چیزوں کا بھی ذکر کیا ہے جو درہم و دینار سے کسی نہ کسی نوع سے تعلق رکھتے تھے ...... اہل علم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ درم اور مثقال دونوں باہم متناسب ہیں اور انہیں دونوں سے مل کر "وزن سبعہ" بنایا گیا...... ذیل میں اس کی وضاحت پیش کی جارہی ہے۔

☆ ...... مالک نصاب پر زکوٰۃ فرض ہے ہر وہ شخص جو 200/درموں یا اس کی مثل چاندی یا 20/مثقال سونے کا مالک ہے ...... حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں 3/قسم کے درموں کا رواج تھا۔

الف ...... ہر 10 درم برابر 10/مثقال چاندی

ب ...... ہر 10 درم برابر 6/مثقال چاندی

ج ...... ہر 10 درم برابر 5/مثقال چاندی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کا جب دور خلافت آیا تو آپ نے حکم دیا کہ ہر مالک نصاب اپنی زکات کی ادائیگی گراں قدر درم سے ادا کریں...... اس حکم کے پس منظر کسی مالک نصاب کو نقصان پہونچانے کا مقصد نہ تھا...... بلکہ ان کا ارادہ یہ تھا کہ زکات کے مستحقین کو زیادہ سے زیادہ نفع پہونچایا جائے اس حکم کے نافذ ہوتے ہی اس وقت کے اہل ثروت نے گزارش کی کہ کوئی ایسی صورت اپنائی جائے جس سے کسی کا نقصان بھی نہ اور مستحقین کو فائدہ بھی پہونچ جائے بات چونکہ قاعدہ کی تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی بات تسلیم کرلی اور ماہرین حساب کو حکم دیا کہ بیچ کا راستہ اپنایا جائے ...... آخر کار اہل حساب نے بیچ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے ایک فرمولہ طے کیا کہ ہر قسم کے درم سے 1/3/لیا جائے اور پھر جوڑ دیا جائے اور اسی طرح ہر درم کے مقابل مثقال سے بھی 1/3/لیا جائے اور اسے بھی جمع کرلیا جائے اور پھر دونوں کو جوڑ دیا جائے مثلاً:

دراہیم	مثاقیل
الف ...... 10/درموں کا ثلث ہوا 3/صحیح اور 1/3 یعنی 3-1/3/	اس کے مقابل ہر 10/مثقال کا ثلث ہوا 3 صحیح اور 1/3 یعنی 3-1/3

www.muftiakhtarrazakhan.com

ب...... ہر 10/ درموں کا ثلث ہوا 3/صحیح اور 1/3یعنی 3-1/3/	اور اس کے مقابل ہر 6/مثقال کا ثلث ہوا 2 صحیح یعنی صرف2/
ج...... ہر ۱۰/درموں کا ثلث ہوا ۳/صحیح اور ۱/ ۳یعنی ۳ـ۱/ ۳	اور اس کے مقابل ہر ۵/مثقال کا ثلث ہوا ۱/صحیح اور ۲/ ۳ یعنی ۱ـ۲/ ۳

درموں کا طریقہ جمع

۳ـ۱/ ۳ + ۳ـ۱/ ۳ + ۳ـ۱/ ۳

۱۰/ ۳ + ۱۰ـ۳/ ۳+ ۳ / ۳

حاصل جمع　　۱۰ = ۳۰/ ۳

مثقال کا طریقہ جمع..........۳ـ۱/ ۳ + ۲ـ + ۱ـ۲/ ۳

۱۰/ ۳ + ۲/ ۱+ ۵/ ۳

حاصل جمع　　۲۱/ ۳=۷

درموں کا حاصل جمع ۱۰/ اور ٹھیک اس کے مقابل مثقال کا حاصل جمع ۷/ لے کر ''وزن سبعہ'' بنایا گیا جس کے نتیجہ میں ہر دس درم کو ۷ مثقال چاندی کے روپ میں دیکھا گیا...... اس کے تناظر میں جس کے اوپر ۱۰/ درم زکات فرض ہے تو وہ ۷/ مثقال چاندی ادا کرے علی ھذ القیاس الی غیر النھایہ...... ہر دس درموں کے مقابل سات مثقال چاندی کو ''وزن سبعہ'' کہا جاتا ہے......تمام دینی معاملات میں اسی ''وزن سبعہ'' کا اعتبار کیا جاتا ہے زکات کے نصاب...... مہر نکاح...... اور دیت میں اسی کو معتبر تسلیم کیا گیا ہے جیسا کہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب ''ردالمحتار'' میں ہے:

''اعلم ان الدراھم کانت فی عھد عمر رضی اللہ تعالی عنہ مختلفۃ فمنھا عشرۃ دراھم علی وزن عشرۃ مثاقیل وعشرۃ علی ستۃ مثاقیل وعشرۃ علی خمسۃ مثاقیل فاخذ عمر رضی اللہ تعالی عنہ من کل نوع ثلثاً کی لا تظھر الخصومۃ فی الاخذ والعطا فثلث عشرۃ ثلاثۃ و ثلث وثلث ستۃ اثنان.. وثلث الخمسۃ واحد واثنان فالمجموع سبعۃ وان شئت فاجمع المجموع فیکون احدی وعشرین فثلث المجموع سبعۃ ولذا کانت الدراھم العشرۃ وزن سبعۃ وھٰذا یجری فی کل شئی حتی فی الزکوٰۃ ونصاب السرقہ والمھر وتقدیر الدیات۔ (رد المحتار ص ۲۸) ترجمہ...... حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں مختلف قسم کے دراہم رائج تھے۔ ہر دس درہم کے مقابل دس مثقال...... ہر دس دراھیم کے مقابل چھ مثقال اور ہر دراہیم کے مقابل پانچ مثقال ...... حضرت عمر فاروق نے درہم ومثقال کی ہر نوع سے ثلث ثلث لے لیا...... دس کا ثلث ۳ـ۱/ ۳ چھ کا ثلث ۲/ اور پانچ کا ثلث ۱ـ/ ۳/ اور ان سب کا مجموعہ سات ہوا...... اور اگر آپ چاہیں تو سب کو جمع کر لیں تو یہ اکیس ہٹ جائیں گے اور اس کا ثلث سات ہی رہے گا ...... ہر چیز میں یہی رائج ونافذ ہے زکات میں ...... نصاب سرقہ میں ...... مہر اور تقدیر دیات میں بھی۔''

www.muftiakhtarrazakhan.com

اس تفصیل سے واضح ہوجاتا ہے کہ دس درم سات مثقال کے مساوی ہے اسی کا رواج ہر ملک ہر علاقہ اور ہر شہر وقصبات میں بھی ہوگیا۔

چاندی کا نصاب زکات

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دور میں نہ درم تھا اور نہ مثقال ...... بلکہ رتی ...... آنا ...... ماشہ اور تولہ کا عام رواج تھا ...... یہی وجہ ہے کہ آپ نے اسی ''وزن سبعہ'' کا اعتبار کرتے ہوئے درم کی تقدیر اپنے دور کے سکوں سے فرمائی ہے...... حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے فتاوی میں کسی ایک مقام پر نہیں بلکہ مختلف مقامات پر ماشہ اور تولے میں نصاب زکات کی تقدیر فرمائی ہے...... جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

''فی الواقع سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے اور چاندی کا ساڑھے باون تولے ہے ان میں سے جو ان کے پاس ہو اور سال پورا اس پر گزر جائے اور کھانے پہننے مکان وغیرہ ضروریات سے بچے اور قرض اسے نصاب سے کم نہ کردے تو اس پر زکات فرض ہے۔'' (فتاوی رضویہ ۴/ ۴۰۷)

ایک اور مقام پر سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نصاب زکات کی تقدیر مروجہ سکوں سے فرماتے ہیں:

''سال تمام پر اس کے پاس اگر یہ ساٹھ روپے بچے تو اس پر زکات واجب ہوگی زکات کی نصاب چھپن روپے ہے اور وہ زیور اگر شوہر کی ملک میں ہے تو وہ بھی شامل کیا جائے گا ایک سو دس پر زکات واجب ہوگی اور اگر وہ مال تجارت بھی بچا تو وہ بھی شامل ہوگا ایک سو ساٹھ پر ہوگی۔'' (فتاوی رضویہ ۴/ ۴۱۷)

سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مبارک فتاوی سے جو دو عبارتیں پیش کی گئیں ان میں سے ایک عبارت میں نصاب زکات کی تقدیر ماشہ اور تولہ میں کی گئی ہے اور دوسری عبارت میں ۵۶ روپے سے کی گئی ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ زکات کی نصاب درم میں ۲۰۰ درم ہے اس لئے یہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ ایک درم کی قیمت کس قدر ہے؟ کہیں اور کسی کے یہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے از خود اس کی تعیین فرمادی ہے آپ فرماتے ہیں:

''درہم شرعی کا وزن ۳ر ماشہ ۱/ ۵ سرخ چاندی ہے۔'' (فتاوی رضویہ ۵/ ۴۸۶)

اس مقام پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ''سرخ'' سے ''رتی'' مراد لی جب ہم درم شرعی کے اس وزن کو رتی ماشہ اور تولہ کے تناظر میں جائزہ لیتے ہیں تو نصاب زکات واقعی طور پر ساڑھے باون تولے چاندی ہی ہوتی ہے...... حساب کی تفصیل ذیل میں درج کی جارہی ہے:

۲۔۷/۹ شعیر (جو)	=	۱ر سرخ (رتی)	
۷۰ شعیر (جو)	=	۱ر درم	۷۰ ÷ ۲ر ۷/ ۹
۷۰/ ۱			× ۲۵/ ۹

www.muftiakhtarrazakhan.com

۱/۷۰	۲۵/۹ ×
۱/۱۴	۵/۱۲۶ = ۵/۹ ×
۵/۱۲۶	= ۲۵۔ ۱/۵ سرخ یعنی رتی
۲۵۔ ۱/۵ سرخ (رتی) ÷ ۸ = ۳ماشہ ۱/۵ سرخ یعنی رتی	

میں نے جو حساب رتی اور ماشہ کا پیش کیا اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایک درم کا وزن ۳ماشہ اور ۱/۵ سرخ چاندی ہوا کرتا ہے...... جب درم کا وزن ثابت ہو گیا تو اسے ۲۰۰ درم سے ضرب دے دیا جائے اور جو حاصل ضرب ہوگا وہی نصاب فضہ قرار پائے گی......مثال کے طور پر:

۱ درم = ۲۵ر ۹/۵ سرخ چاندی (رتی)

۲۵ر ۹/۵×۱/۲۰۰ درم

۵/۱۲۶ × ۱/۲۰۰

۵/۱۲۶ × ۱/۴۰ = ۵۰۴۰ سرخ چاندی (رتیاں)

۵۰۴۰ ÷ ۸ = ۶۳۰ ماشے

۶۳۰ ماشے ÷ ۱۲ = ۵۲۔۱/۲ تولے یعنی ساڑھے باون تولے چاندی

حساب کے اس عمل سے ثابت ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ۲۰۰ درم کی جو تقدیر رتی، ماشہ اور تولے سے کی ہے از روئے حساب وہ بالکل صحیح اور درست ہے اس میں کہیں اور کسی اعتبار سے کوئی لوچ یا کوئی کمی نہیں پائی جاتی ہے......اور یہ بات بھی دھیان میں رہے حضرت سیدی امام احمد رضا نے جہاں رتی ماشہ اور تولہ سے نصاب چاندی کی تقدیر فرمائی ہے وہیں آپ نے اپنے دور کے مروجہ سکوں سے بھی اس کی تعیین کرتے ہوئے چاندی کا نصاب ۵۶ر روپے بھی قرار دیا ہے......اعلیٰ حضرت کے دور اقدس میں جو سکہ رائج تھا اس کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اللھم ھدایۃ الحق والصواب: چاندی کی نصاب ساڑھے باون تولے ہے جس کے سکہ رائجہ سے چھپن روپے ہوئے اور سونے کی نصاب ساڑھے سات تولے درمختار میں ہے نصاب الذھب عشرون مثالاً والفضۃ مائتا درھم کل عشرۃ دراھم وزن سبعۃ مثاقیل مثقال ساڑھے چار ماشے ہے تو درہم کہ اس کا ۷/۱۰ ہے تین ماشے ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہوا...... "کشف الغطا" میں ہے مثقال بیست قیراط و قیراط یک حبہ و چہار خمس حبہ کہ آں را بفارسی سرخ گویند ہشتم حصہ ماشت پس مثقال چہار و نیم ماشہ باشد" ۔جواہر الاخلاطی" میں ہے الدرہم الشرعی خمسو عشرون حبۃ یعنی درہم شرعی پچیس رتی اور پانچواں حصہ رتی ہے اس حساب سے واضح ہو سکتا ہے کہ دو سو درم نصاب فضہ کے باون تولے ۶ ماشے اور بیس مثقال نصاب ذہب کے ساڑھے سات تولے اور یہاں کا روپیہ کہ ۱۱ ماشہ ہے اس سے ۵۰ روپے دو سو درم کے برابر ہوئے یہی وزن معین متون مذہب و عامہ شروح و فتاوی میں ہے رد المحتار میں فرمایا علیہ الجم الغفور والجھور الکثیر

www.muftiakhtarrazakhan.com

واطباق کتب المعتقد مین وامتأخرین تو اس کے خلاف عمل جائز نہیں عقود الدریہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے العمل بما علیہ الاکثر۔" (الفتاوی الرضویہ ۳/ ۱۱۴)۔

ایک اور موقعہ پر اعلی حضرت فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں یہاں کا روپیہ ۱۱ ماشہ دو سرخ ہے۔

پہلے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ نصاب فضہ میں کل (۶۳۰) ماشے ہوا کرتے ہیں اور جب ان (۶۳۰) ماشے کو یہاں کے سکہ (۱۱،۲) ماشہ پر تقسیم کی جائے تو اس کے کل ۵۶ روپے بنتے ہیں ...... یہ وہ مسائل ہیں جو ضابطے کے تحت بیان کئے گئے ہیں فتاوی میں صرف ضابطے اور اس کے تحت آنے والے مسائل و جزئیات ہی نہیں بیان کئے جاتے ہیں بلکہ اور بھی ایسے مسائل ہو اکرتے ہیں جن میں ضابطوں کا پاس ولحاظ بھی کیا جاتا ہے اور سائل کے سوال اور اس میں مندرج واقعات وحادثات اور سائل کی نفسیات کو بھی دیکھا جاتا ہے...... کوئی پوچھتا ہے زید کے پاس چالیس تولہ چاندی ہے تین تولہ سونا ہے یا ستر تولہ چاندی ہے اور چھ تولہ سونا ہے اس میں کتنی زکات واجب ہوگی...... مفتی سب کا حساب لگاتا ہے کہیں ماشہ کہیں تولہ اور کہیں رتی کی بات کرتا ہے ...... اور کہیں درہم و دینار اور قیراط وحبہ کی بات کرتا ہے اور پھر واضح انداز میں سائل کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے...... یہ جواب ضابطہ کے تحت بھی ہوتا ہے اور مطابقتِ عمل کا خوبصورت منظر بھی پیش کرتا ہے...... یعنی کل ملا کر فتاوی ریاضت ومزاولت کا اعلی شاہکار رہوا کرتے ہیں...... امام احمد رضا فاضل بریلوی نے درم کے تعلق سے جس قدر تفصیلات بیان کی ہیں اگر ان تمام تفصیلات کو فن کا روپ دیا جائے تو اس میں فن کے تمام تر تقاضے اور نزاکتیں نمایاں ہوسکتی ہیں ...... اور بعض تحقیقات تو ایسی ہیں کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتی ہیں ...... اس اعتبار سے بھی امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات مقدسہ اس قدر نایاب معلوم ہوتی ہے کہ جب ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے تو ہر بار ایک نیا مزہ...... اور نئے لطف کا احساس ہوتا ہے اور رضویات کے گہرے سمندر میں اترنے کا نیا حوصلہ ملتا ہے اور پورے جسم وجاں میں نہ جانے کیسی امنگ پیدا ہوتی ہے؟ کہ دل یہی چاہتا ہے یہ نئی اُمنگ سلامت رہے اور یوں ہی تر و تازہ رہے...... اور اس کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا رہے۔

سونے کا نصاب

اب بات رہی سونے کے نصاب کی تو اس بارے میں عرض ہے کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی نے اس کی تقدیر ساڑھے سات تولے سونے سے کی ہے اور یہ تقدیر بھی اپنی جگہ صحیح اور درست ہے...... اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ شریعت میں سونے کا نصاب ۲۰ مثقال کے وزن کے برابر سونے کو قرار دیا گیا ہے اور شریعت اسلامیہ میں جب کبھی سونے کے نصاب کی بات آتی ہے تو اس موقعہ پر دینار اور مثقال کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں کے بارے میں ہمارے علمائے کرام مختلف ہیں کچھ علمائے کرام کا نظریہ ہے کہ دینار اور مثقال دونوں ایک ہی ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں...... اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ نہیں دینار الگ ہے اور مثقال جدا ہے ان علماء کا ماننا ہے کہ دینار عرب کا کوئی سکہ نہیں ہے بلکہ یہ بلاد روم سے منقول ہو کر عرب کے علاقوں میں آیا اور عرب کے معاشرہ میں اس طرح گھل مل گیا کہ یہ عرب کا ہی بن کر رہ گیا جب اہل عرب دینار کو "ھرقلہ" کا نام دیتے ہیں ...... یہ اختلاف صرف اور صرف کیفیت میں ہے کمیت میں ہمارے علمائے کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے

کما قال العلامہ المقریزی فی حاشیۃ کتاب الاوزان والاکیال الشریعہ:

www.muftiakhtarrazakhan.com

"والعلماء منهم من يجعلهما شيئاً واحداً ومنهم من يميل الى وجود احتلاف بينهما قال الحريري في "اوراق النقود ونصاب الورق النقدي" منسور ضمن "مجله البحوث الاسلاميه العدد ۳۹ سنة ۱۴۱۴ ھ ص ۲۴۴ ۔ ۲۴۵ المثقال من اوزان الكيل ،والدينار : من اوزان النقد وهذا احد اسباب الاشتباه بين الوزنين وهما في الحقيقة كمية واحدة وهو الراجح عند الفقهاء (کتاب الاوزان والاکیال الشریعہ ص ۲۰) ترجمہ...... علماء میں سے بعض نے دونوں کوایک ہی کہا ہے اور کچھ علماء اس طرف مائل ہیں کہ دونوں میں احتلاف ہے حریری نے "اوراق النقود ونصاب الورق النقدی" میں کہا "مجلہ بحوث اسلامیہ جز ۳۹ سن ۱۴۱۴ھ ص ۲۴۴، اور ۲۴۵ میں بیان کیا ہے کہ مثقال اوزان کیل میں سے ہے اور دیناراوزان نقد میں سے ہے، یہ بیان ان دونوں وزنوں کے مابین اسباب اشتباہ میں سے ایک ہے بہر حال دونوں کمیت میں ایک ہیں یہی فقہاء کے مابین راجح ہے۔"

اس کے علاوہ اور بھی شواہد پیش کئے جا سکتے ہیں مگر چونکہ یہ مقالہ کسی تفصیلی گفتگو کا متحمل نہیں اس لئے میں نے مزید شواہد کو پیش کرنے سے گریز کیا......اور میں نے جس قدر بیان کیا ہے سمجھنے کے لئے یہی کافی ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی دینار کا وزن اور اس کی قیمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اور دینار ایک مثقال یعنی ۴ ۔ ۴ ماشہ سونا یہی وزن سبعہ ہے یعنی سات مثقال وزن میں برابر دس درہم کے في تنوير الابصار كل عشرة دراهم وزن سبعه مثاقيل اور باعتبار قیمت ایک دینار شرعی دس درہم کا في ردالمحتار في الهدايه كل دينار عشرة دراهم قال في الفتح اي يقوم بعشرة كذا۔ (فتاوی رضویہ ۵/۴۸۶) ترجمہ......ہر دس درم سات مثقال کا وزن رکھتا ہے......ہر دینار دس درم ہے......یعنی ہر دینار کی قیمت دس درم سے لگائی جاتی ہے۔"

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی مذکورہ عبارت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ دینار اور مثقال دونوں وزن اور قیمت میں برابر ہیں......چونکہ سونے کی نصاب میں "مثقال کو ہی نصاب کا معیار قرار دیا گیا ہے......اس لئے مثقال کی وضاحت کی جارہی ہے......ہم نے جہاں تک اس بارے میں سمجھا وہ یہ ہے کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اہل حساب کے نزدیک (۱۰۰ شعیرہ) برابر (۱) مثقال کے ہوتے ہیں......مثقال کو رتی میں بدلنے کا طریقہ یہ ہے:

۱۰۰/ ۱ ÷ ۲۔۷/۹ (رتی)

۱۰۰/ ۱ × ۹/۲۵

۱۰۰/ ۱ × ۲۵/۹

۴/ ۱ × ۹/ ۱ = ۳۶(رتی)

۳۶ × ۲۰ مثقال = ۷۲۰ رتی

۷۲۰ رتی ÷ ۸ = ۹۰ ماشے

www.muftiakhtarrazakhan.com

ماشے ۹۰ ÷ ۱۲ = ۷-۱/۲ یعنی ساڑھے سات تولے

اور جب سونے کی نصاب کل ۹۰/ ماشے کو یہاں کے مروج سکہ ۱۱ء۲/ تقسیم کرتے ہیں تو اس کے ۸ء۵۰۳۰ ہوتے ہیں ......اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان نے اپنے فتاوی میں ''شرعی اوزان و اکیال'' کا تذکرہ نہایت ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے اور صورت سوال سے مطابقت کرتے ہوئے اس گہرائی میں جا پہونچے ہیں کہ اہل علم اور ارباب فکر ان کی ان کاوشوں کا مطالعہ کر کے نہ صرف نفسیاتی طور پر خوش ہوتے ہیں بلکہ از خود ان کے چہروں پر شگفتگی آجاتی ہے اور ان کی معلومات کا ذخیرہ اس قدر وسیع ہو جاتا ہے کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں اور ہر کوئی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ ان کی صلاحتیں اکتسابی ہیں یا پھر من جانب اللہ ودیعت کی ہوئی ہیں...... میرے اعلیٰ حضرت نے جو بھی معلومات اخذ کئے ہیں اور جہاں سے بھی لئے ہیں اس کا ثبوت تو ان کی کتابوں میں ملتا ہی ہے مگر ان کا کمال اس بات میں کہ انہوں نے پیش کرنے کے لئے جس ہیئت اور جس اسلوب کو پسند کیا ہے وہ بہت خوب ہے...... معلومات کے ذخیروں پر فن کا جو نکھار پایا جاتا ہے وہ اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس رنگ میں جو شوخی اور تیکھا پن ہے اور تحقیق و تنقید کا جو رنگ غالب ہے ذہن و فکر اور شعور کی سطح پر ہی نہیں اترتا ہے بلکہ دل کی گہرائیوں میں سما جاتا ہے...... ان کے اسی رنگ شوخ کے سبب پوری دنیا محو حیرت بنی ہوئی ہے۔

عرب کے معاشرے اور سماج میں یہی تین اوزان یعنی درم و دینار اور مثقال ہی نہ چلا کرتے تھے بلکہ ان کے سوا بھی کچھ اوزان چلتے تھے کہ جنہیں دیکھ کر...... یا کسی سے سن کر یا پھر کتابوں میں پڑھ کر روحانی مسرت حاصل ہوا کرتی ہے اب ذیل میں سرسری طور پر کچھ ایسے ہی اوزان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۱)......درم شرعی ۱/ = ۲۵-۱/۵ رتی = ۳/ ماشہ ۱/۵ رتی ۳/ گرام اور ۶۱۸ ملی گرام

(۲)......دینار شرعی = ۴/ ماشہ ۱/ ۵ رتی = ۴/ گرام اور ۳۷۴ ملی گرام

(۳)...... مثقال = ۴/ ماشہ اور ۱/۵ رتی = ۴/ گرام اور ۳۷۴ ملی گرام

(۴)......دانق = ۱/ ۶ درم شرعی = ۴/ شعیرہ اور ۱/۸ حبہ =

(۵)......قیراط:...... دینار کا ایک جز ہوا کرتا ہے اور دینار میں ۲۴ جز یعنی ۲۴ جو ہوا کرتے ہیں گویا ایک جو کا نام ''قیراط'' ہے

(۶)......اوقیہ...... ۴۰/ درہموں کو کہا جاتا ہے = ۱۴۴ گرام اور ۲۷ ملی گرام

(۷)......نش: اوقیہ کا نصف اور ۲۰ درہموں پر مشتمل ہوا کرتا ہے اور جدید اوزان میں اس کا وزن ۷۲ گرام اور ۷۲ ہی ملی گرام ہوا کرتا ہے۔

(۸)......نواۃ: ......درہم شرعی کے پانچویں حصہ کو کہا جاتا ہے یعنی درہم کا ۱/۵ اور جدید وزن میں اس کا وزن ۷۲۳۶ء۰ ملی گرام بنتا ہے۔

(۹)......رطل......اس کا کوئی وزن متعین نہیں ہے مختلف شہروں میں اس کا وزن بھی مختلف ہے خود مصر میں رطل ۱۲/ اوقیہ کا ہوتا ہے اور اوقیہ ۱۲ درہم کا ہوتا ہے۔

(۱۰)......قنطار......اس کا بھی کوئی وزن متعین نہیں ہے اور کسی بھی شہر میں متعین نہیں ہے...... ہاں! مال کثیر کو قنطار کہا جاتا ہے،

www.muftiakhtarrazakhan.com

اوزان شرعیہ کے تعلق سے جو بھی قدریں متعین کی گئی ہیں وہ سب کی سب تقریبی ہیں البتہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے جو متعین کی ہیں ہم یا کوئی بھی تقریبی نہیں کہہ سکتا ہے بلکہ وہ ٹھوس اور دو دو چار کی مانند ہیں اس کی وجہ یہ ہے آپ ہر فن میں مہارت تامہ رکھتے تھے بڑے بڑے حساب داں اور علم ریاضی کے ماہر طفل مکتب کی حیثیت رکھتے تھے......ان کی یہ خوبی صرف اوزان شرعیہ کی قدریں متعین کرنے میں نہیں پائی جاتی ہیں بلکہ صورت سوال میں آپ نے جو قدریں متعین کی ہیں اور پھر زکات کی ادئیگی کا حکم دیا ہے وہ بھی ٹھوس حقیقت پر مبنی ہے......امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے فتاوی میں اوزان کے تعلق سے جو بھی معلومات فراہم کی ہیں میں سمجھتا ہوں اس فن میں اب تک جو کتابیں تحریر کی گئی ہیں عربی میں یا فارسی میں یا اردو میں یا اس کے علاوہ کسی اور زبان میں ان کی حیثیت بھی نا کے برابر ہے......کسی وزن کا متعین کر دینا اور بات ہے اور اس پر بحث کرنا ......تحقیق وتلاش سے کام لینا اور تنقیدی زاویہ نظر سے اس کے خدوخال میں نکھار پیدا کر دینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں......اس میدان میں بھی امام احمد رضا فاضل بریلوی ہر کسی سے آگے نظر آتے ہیں......اوزان کی معلومات سب پر فوقیت رکھتی ہیں......خدا کرے ان کی یہ معلومات بہت دور تک پھیلے تاکہ از روئے مصنف ان کی حیثیت اجاگر ہو جائے اور ان کی فراہم کردہ معلومات سے ارباب فکر ونظر کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی رہیں۔

اب نصاب زکات کا معادلہ جدید عصری اوزان سے کیا جارہا ہے جو اس دور کا تقاضا ہے ذیل میں اس کا نقشہ پیش کیا جارہا ہے:

نمبر شمار	تعدادِ جو	درہم	مثقال	قدیم پیمانے رتی ماشہ تولہ	عصری اوزان گرام، ملی گرام
۱	۲_۷/۹	......	......	ایک (رتی)	۱۲۱ء۵رملی گرام
۲	۷۰	ایک (۱)	......	۲۵_۱/۵	۶۱۸ء۳رگرام
۳	۱۰۰	......	ایک (۱)	۳۶ررتی	۴ء۳۷۴رگرام
۴	۷۰۰	۱۰	۷	۲۵۲ررتی	۶۱۸ء۳۰رگرام (کم سے کم مہر)
۵	۱۴۰۰۰	۲۰۰	۱۴۰	۵۰۴۰ررتی	۶۱۲ء۶۰۳رگرام (نصاب چاندی)
۶	۲۰۰۰	......	۲۰ (سونا)	۷۲۰ررتی	۸۷ء۸۰۴رگرام (نصاب ذہب)
۷	۲۲_۶/۹	......	......	۸ررتی = ایک ماشہ	۹۷۲ءملی گرام
۸	۲۶۶_۶/۹	......	......	۱۲رماشے = ۱رتولہ	۱۱ء۶۶۴رملی گرام
۹	۱۴۰۰۰	......	......	۵۲_۱/۲ تولے چاندی	۱۱۲ء۶۰۳رگرام چاندی
۱۰	۲۰۰۰	......	......	۷_۱/۲ تولے سونا	۸۷ء۸۰۴رگرام سونا (نصاب ذہب)

امام احمد رضا اور ”اکیال شرعیہ“

حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی نہ معلوم کتنے علوم وفنون پر مہارت رکھتے تھے؟ یہ بتادینا کم از کم ہمارے بس

www.muftiakhtarrazakhan.com

کی بات نہیں...... میں اوروں کے بارے میں کیا کہوں؟ انہیں خود اپنی حیثیت اور علمی استعدادوں کا انداز ہوگا کہ وہ کچھ کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ یوں تو آدمی کہنے کو بہت کچھ کہہ دیتا ہے مگر ان کا اس بارے میں کچھ کہہ دینا بڑا بول تو ہو سکتا ہے مگر حقیقت کی ترجمانی نہیں ہو سکتی ہے...... ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ ہم جو بات بھی کہہ رہے ہیں اپنی استعداد اور لیاقت کے حساب سے کہہ رہے ہیں نہ کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی عظیم شخصیت اور ان کی گہرائیوں اور پہنائیوں کے اعتبار سے کہہ رہے ہیں اس لئے کہ اس بارے میں کچھ بھی کہنا خراج عقیدت ہے اور صرف خراج عقیدت ہے کسی کی شخصیت، اقدار علم وفکر، کی ناپ تول نہیں...... بس اسی خوش گوار جذبوں کے تناظر میں میری کاوشوں کا اندازہ کرنا چاہیئے۔

اس بات کو ہم ثابت کر آئے ہیں کہ پیمانوں کا استعمال صرف اور صرف مدینہ پاک میں ہوا کرتا تھا...... اسلامی دور سے پہلے بھی اور اسلامی دور میں بھی...... اور اس کے بعد خلفائے اسلام کے عہد میں بھی ...... جو پیمانے استعمال ہوا کرتے تھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیمانوں کو شرعی طور پر معیار قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا کہ ''کیل تو مدینہ کا ہی کیل ہے'' اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے کیل ہی کو صحیح اور معیار فرمایا ہے اس دور میں کیل کا استعمال مکہ مکرمہ میں نہیں ہوتا تھا بلکہ وہاں وزن سے ناپ تول ہوا کرتے تھے ...... یوں تو زمانہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مختلف قسم کے پیمانے پائے جاتے تھے لیکن ان میں جن پیمانوں کو اساسی حیثیت حاصل تھی وہ صرف '' مد اور صاع'' ہے جیسا کہ ''الموسوعۃ الفقہیہ میں کتاب الاموال ص ۵۱۴ کے حوالے سے درج ہے:

''الوحدة الاسايه الشهر فى عهد النبى صلى الله عليه وسلم للمكاييل هى المد والصاع وكل ماسوى ذالك من المكاييل المعتمد عليها انما هو جزء منها او ضعف لها قال ابو عبيده: وجدنا الآثار قد نقلت عن النبى صلى الله عليه وسلم واصحابه والتابعين بعدهم بثمانية اصناف من المكاييل الصاع ،والمد ،والفرق ،والقسط ،والمدى ،والمختوم ،والقفيز والمكوك ،الا ان معظم ذالك فى المُد والصاع (الموسوعۃ الفقہیہ ص ۳۸/ ۲۹۵) یعنی اتفاقی طور پر اساسی حیثیت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور پاک میں جن پیمانوں کو حاصل تھی وہ صاع اور مد ہے اور جو اس کے علاوہ ہیں وہ یا تو ان دونوں کے جز ہیں یا پھر ان سے دوگنا ہیں ابو عبیدہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے جو احادیث اور آثار منقول ہیں میں نے ان میں ۸ رقسم کے پیمانوں کو پایا اور وہ صاع، مد فرق قسط مدی مختوم قفیز اور مکوک ہے۔''

مد اور صاع کو اس لئے اساسی حیثیت حاصل ہے کہ اگر ارباب فقہ مد اور صاع پر متفق ہو جائے تو تمام تر مقادیر میں بھی اتفاق ہو جاتا مگر ایسا نہیں اور فقہائے اسلام اس مسئلہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے بایں سب دوسرے مقادیر میں بھی اختلاف واقع ہو گیا اور تاریخ بتاتی ہے کہ دونوں میں جیسا کہ اسی میں کہا گیا ہے:

''ولو ان الفقهاء اتفقوا فى مقدار المد والصاع لاتفقوا فى كل المقادير الا انهم لم يتفقهم فيهما (حوالہ سابق) اگر فقہائے کرام مد اور صاع میں متفق ہو جاتے تو تمام پیمانوں میں بھی اتفاق ہو جاتا مگر ایسا نہیں ہوا۔''

www.muftiakhtarrazakhan.com

خیر جو ہوا سو ہوا اب ان میں سے ہر ایک پیمانے کا نہایت ہی سنجیدگی کے ماحول میں الگ الگ ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۱)......مُد اسی کو ''مُدی'' بھی کہا جاتا ہے لیکن علامہ مقریزی نے کہا کہ مُد الگ ہے اور مُدی الگ ہے مُدی مُد سے بڑا ہوا کرتا ہے مُدی کا استعمال اسلام سے پہلے مصر اور شام میں ہوا کرتا تھا......از روئے لغت مُد کا معنی پھیلنا اور پھیلانا ہے انسان اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر کھانے اور دوسرے اناج کو اپنی ہتھیلیوں میں بھر لے اسی کو مُد کہا جاتا ہے......اس بنیاد پر مُد مختلف ہو سکتا ہے......جن کی ہتھیلی چوڑی ہوتی ہے اس کا مُد بڑا ہوا کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں جس کی ہتھیلی چوڑی نہیں ہوتی ہے اس کا مد پہلے کے مقابلے میں کم ہوا کرتا ہے اور جس انسان کی ہتھیلی متوسط قسم کی ہوا کرتی ہے اس کا مُد دونوں سے مختلف ہوگی...... ہتھیلی بھر اناج وغیرہ لینے کو عربی زبان میں ''حفنہ'' کہتے ہیں اور اسی کیفیت کو اردو زبان میں ''لپ بھر کر لینا'' کہا جاتا ہے......اب تک مد کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا اس کا تعلق لغت سے ہے۔

ارباب فقہ جب لفظ ''مُد'' کا استعمال کرتے ہیں تو اسے ''کیل اور پیمانہ'' کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں اور اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ ''مُد'' ربع صاع'' کا نام ہے یعنی ''صاع'' کا ۱/۴ ہے......لیکن جب اس کا اندازہ باعتبار ''رطل'' کرتے ہیں تو اس میں اختلاف پایا جاتا ہے اس بارے میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ ''مُد'' ار رطل اور رطل کا ۱ر/ ۳ ہے......اور علمائے احناف فرماتے ہیں کہ دو رطل کا نام مُد ہے اس بات کا خیال رہے کہ یہاں رطل سے مراد ''رطل عراقی'' ہے جب بھی اور جہاں کہیں رطل کا استعمال مطلقاً کیا جاتا ہے تو اس سے مراد یہی رطل عراقی ہوا کرتا ہے......حالانکہ ایک اور رطل بھی جس کو ''رطل شامی'' کہا جاتا ہے مگر اس کا استعمال کم اور بہت ہی کم ہوا کرتا ہے اور جو بھی اس کا استعمال کرتا ہے تو رطل شامی کہتا ہے مطلق رطل نہیں کہتا ہے......رطل شامی کا اندازہ دو صاع سے لگایا جاتا ہے جو ۸ر مد شرعی کے برابر ہوا کرتا ہے اور ۸ر مد شامی ۹۰۰ر درم کے مساوی ہوا کرتا ہے۔

مُد سے کیا کیا اندازہ لگایا جاتا ہے؟

الف......آب وضو کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

ب......صدقہ فطر کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

ج......اور بعض فقہاء کے نزدیک اسی مد کے ذریعہ بیوی کے نان ونفقہ کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

مفد کے ذریعہ آب وضو کے اندازہ کا ذکر تو خود حدیث پاک میں ہے

''عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضؤ بالمُد ويغتسل بالصاع (اخرجہ مسلم ۱/ ۲۵۶) یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد پانی سے وضو فرماتے تھے اور ایک صاع پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے۔''

اسی طرح صدقہ فطر میں کہا گیا ہے کہ ایک صاع فطرہ واجب ہے اور احناف کے نزدیک نصف صاع واجب ہے یعنی ۴ر مد یا دو مد واجب ہے......اس سے ثابت ہوتا ہے ایک صاع چار مد کے برابر ہے اور نصف صاع دو مد کے برابر ہے......صاع کی بھی دو قسمیں ہیں:

www.muftiakhtarrazakhan.com

اول......اہل مدینہ کی صاع جسے صاع حجازی، صاع اصغر کہا جاتا ہے۔
دوم......اہل عراق کی صاع جسے صاع حجاجی، صاع عراقی اور صاع اکبر کہا جاتا ہے۔

احکام شرع میں جس صاع کو بنیادی حیثیت حاصل ہے وہ اہل مدینہ کی صاع ہے اور اسی صاع کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاع ہونے کی حیثیت حاصل ہے اور یہی صاع "صاع شرعی" ہے۔

صاع شرعی کی تقدیر

جب صاع کی تقدیر مد، رطل اور اِستار سے کی جاتی ہے تو اس میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے......کسی نے اس بارے میں کچھ کہا ہے اور کسی کی اس بارے میں کچھ اور ہی رائے ہے......علم فقہ کی تمام بڑی کتابوں میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے......جمہور فقہا اس بات کی جانب گئے ہیں کہ ایک "صاع شرعی" = ۵۔۱/۳ رطل عراقی ہے اپنے اس موقف کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لکعب بن عجرۃ "تصدق بُفَرق بین ستۃ مساکین" قال ابو عبید: ولا اختلاف بین الناس اعلمہ فی ان الفرق ثلاثۃ آصع والفرق ستۃ عشر رطلاً فثبت ان الصاع خمسۃ ارطال وثلث (بخاری شریف) ترجمہ......حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عجرۃ سے ارشاد فرمایا: ۶ رمسکینوں کے درمیان ایک "فرق" صدقہ کردو......حضرت ابوعبید نے کہا اس بات میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں جو میں "فرق" کے بارے میں جانتا ہوں کہ ۳ رصاع برابر ا ر "فرق" اور ا ر فرق برابر ۱۶ رطل کے ہوتا ہے اور جب ۱۶ ر رطل کو تین صاع پر تقسیم کیا جاتا ہے تو ایک صاع ۵۔۱/۳ رطل کے برابر ہوتا ہے۔"

جمہور فقہائے کرام نے جس رطل عراقی سے صاع کی تقدیر فرمائی ہے وہ = ۱۲۸۔۴/۷ درہم ہے۔

اس بارے میں حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کی رائے مختلف ہے آپ فرماتے ہیں:

"وقال ابو حنیفہ: الصاع ثمانیۃ ارطال لان انس بن مالک قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ بالمُد وھو رطلان ویغتسل بالصاع فعلم من حدیث انس: ان المد رطلان فاذا ثبت ان المد رطلان یلزم ان یکون صاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ امداد وھی ثمانیۃ ارطال لان المد ربع صاع باتفاق (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۶/۳۰۶) ترجمہ......ابوحنیفہ نے کہا: صاع ۸ ر رطل کے برابر ہوتا ہے اس لئے کہ انس بن مالک نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد سے وضو فرمایا کرتے تھے اور مد دو رطل کے برابر ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم ایک صاع سے غسل فرمایا کرتے تھے......حضرت انس کی حدیث سے جان لیا گیا کہ مد کی مقدار دو رطل ہے جب یہ ثابت ہو گیا کہ مد کی مقدار دو رطل ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاع ۴ مد کے برابر ہے اس لئے کہ مد ا/۴ صاع ہے اور ۴ رطل برابر ۸ ر رطل ہے۔"

حضرت امام اعظم کے نزدیک رطل عراقی = ۱۴ استار اور استار = ۶۔۱/۲ درم

www.muftiakhtarrazakhan.com

صاع سے مندرجہ ذیل احکام شرعیہ متعلق ہیں

الف......احادیث میں وارد ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ''صاع'' پانی غسل فرمایا ہمارے فقہ اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ اگر ایک ''صاع'' پانی سے غسل کرنے میں اطمینان حاصل ہو جائے تو اس سے غسل کرنا کافی ہے اور اگر اس سے کم یا زیادہ میں اطمینان ہو جائے تو یہ بھی کافی ہے یہاں مقصد صرف اطمینان کا حصول ہے......شافعیہ اور حنابلہ اس بات کے قائل ہیں ایک ''صاع'' پانی سے غسل کرنا سنت ہے اس کے سنت ہونے میں امام اعظم کی کوئی نص مروی نہیں۔

ب......جس پر صدقہ فطر واجب ہے وہ کس قدر صدقہ فطر نکالے؟ اس پر فقہاء کے مابین اختلاف ہے ایک ''صاع'' نکالے یا نصف ''صاع''؟ ہر ایک امام مجتہد نے اپنے اپنے موقف کا اظہار کیا ہے اس بارے میں امام اعظم کا جو موقف ہے میں اس کی وضاحت کر رہا ہوں جیسا کہ ''موسوعہ فقہیہ'' میں ہے:

''قال الحنفیه : ان الواجب فی صدقة الفطر نصف صاع من حنطة وسویقه او صاع من شعیر او تمر لما روی ثعلبه بن صعیر العذری قال : خطبنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: ادوا عن کل حر وعبد نصف صاع من بر او صاعا من تمر او صاعا من شعیر (الموسوعة الفقهیه ۲۶/۳۰۸) ترجمہ......کہا حنفیہ نے: صدقہ فطر میں واجب نصف صاع گیہوں یا اس کا آٹا ہے یا ایک صاع واجب ہے جب کہ جو دیا جائے یا کھجور دیا جائے جیسا کے ثعلبہ بن صعیر العذری سے روایت ہے انہوں نے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ایک آزاد اور غلام کی جانب سے نصف صاع گیہوں ادا کرو یا ایک صاع کھور یا ایک صاع جَو ادا کرو۔''

صاع کی تشریح و توضیح میں فرق اور استار کی بات آئی ہے......ظاہری بات ہے اس مقام پر ان دونوں لفظوں سے اس کے اصطلاحی معنی مراد لئے گئے ہیں کوئی لغوی معنی مراد نہیں لئے گئے ہیں......اس لئے اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ان دونوں لفظوں کی بھی وضاحت کر دی جائے تا کہ حضرت سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خدمات جو اس بارے میں پیش کئے جائیں گے ان کو سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے اور بات نہایت ہی آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ جائے۔

(الفرق)......اس میں را کو ساکن کے ساتھ پڑھا جائے یا زبر کے ساتھ...... یہ بھی مدینہ پاک کے مختلف پیمانوں میں سے ایک پیمانہ کا نام ہے جو تین صاع کے برار ہوتا ہے یا ۱۶ ارطل کے برابر ہوتا ہے...... جہاں صاع اور مدکی بات آتی ہے وہیں ''فرق'' کا بھی مسئلہ آتا ہے۔

(الاستار)......اس میں ہمزہ کو زیر کے ساتھ پڑھا جائے......اس کی تشریح مختلف انداز میں کی جاتی ہے......عدد کے اعتبار سے چار کو ''استار'' کہا جاتا ہے اور وزن میں ''استار'' ۴۔۱/۲ مثقال کے برابر ہوا کرتا ہے اور اگر رطل کے ذریعہ اس کی تقدیر کی جائے تو ''استار'' مدنی رطل'' کے تیس جزؤں میں ایک جز کے مساوی برابر ہوتا ہے اسی طرح ''رطل عراقی'' کے بیس جزؤں میں سے ایک جز کے برابر ہوتا ہے۔

مد، صاع، فرق اور استار کی تشریح تام کرنے کے بعد ہم امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہیں اور فتاویٰ رضویہ شریف میں "صاع" کے تعلق سے آپ نے جو کچھ بھی فرمایا ہے اس پر غور کرتے ہیں...... حضرت سیدنا امام احمد رضا نے کسی ایک مقام پر صاع کے بارے میں تحریر نہیں فرمایا ہے بلکہ مختلف مقامات پر آپ نے اس کے تعلق سے تحقیق کی ہے...... ہم فتاویٰ رضویہ سے پوری عبارت تو نہیں پیش کر سکتے اس لئے کہ پوری عبارت کو نقل کرنے کی صورت میں مقالہ بہت طویل ہو جائے گا بلکہ ہم اسی قدر عبارت نقل کریں گے جس قدر سے مقالے کے تقاضے پورے ہونگے...... تمام اہل علم وفن کو اس بات کا اعتراف ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اسے پاتال تک پہونچا دیا اور اسے اوج ثریا بلندی عطا کر دی...... اور اسے اس قدر بابرکت کر دیا کہ اس کی برکتیں جسم وجاں کی رگ رگ تک پہونچ گئیں...... اور ایمان ویقین اور دل کی کھیتیاں سرسبز وشاداب ہو گئیں ...... اب ذیل میں فتاویٰ رضویہ سے کچھ عبارتیں تحریر کی جارہی ہیں۔

(۱)...... سیدی امام احمد رضا ارشاد فرماتے ہیں:

"صاع چار مُد ہے اور مُد دو رطل اور رطل بیس استار اور استار ساڑھے چار مثقال اور مثقال ساڑھے چار ماشے اور تولہ بارہ ماشے اور انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے تو صاع دو سو ستر تولے اور روپوں سے دو سو اٹھاسی روپے...... پھر تو اسی (۸۰) روپے کی سیر سے تین سیر نو چھٹانک یا یوں کہیئے ساڑھے تین سیر ڈیڑھ چھٹانک اور ۱/۱۰ چھٹانک...... اس حساب میں کوئی شک نہیں اسی تول کے گیہوں دیئے جاتے تھے۔" (فتاویٰ رضویہ ۴/ ۴۹۵)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے "اوزان واکیال" کو اس طرح پیش کیا جیسے کوئی اس فن کا ماہر لکھ رہا ہو اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے نے صرف اوزان واکیال کے بیان پر اکتفا کیا بلکہ آپ نے موجود "اوزان واکیال" پر اس کی تطبیق بھی فرمادی ...... جب بات تطبیق کی آتی ہے تو یہ کام ہر کوئی نہیں کر سکتا ہے بلکہ وہی کر سکتا ہے جسے اس میدان میں مکمل طور پر درک تام رکھتا ہے ...... آپ نے جو کچھ بھی فرمایا ہے اس کو حسابی انداز میں اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے مثلاً:

۱ رصاع = ۴ رمُد اور مُد = ۲ رطل ۴ رمُد × ۲ = ۸ ررطل ...... لہٰذا ثابت ہوا...... ۱ رصاع = ۸ رطل یعنی ایک صاع برابر ۸ رطل ہوئے

اور ۱ ررطل = ۲۰ راستار × ۸ رطل = ۱۶۰ راستار...... ہاں! واضح ہوا...... ۱ رصاع = ۱۶۰ راستار

اور ۱ راستار = ساڑھے ۴ رمثقال ...... مثقال ۴ـ ۱/ ۲ × ۱۶۰ راستار = ۷۲۰ رمثقال ...... تو ایک صاع ۷۲۰ رمثقال کے مساوی ہوا۔

۱ رمثقال = ۴ـ ۱/ ۲ (یعنی ساڑھے چار ماشے)...... ۷۲۰ رمثقال × ۴ـ ۱/ ۲ = ۳۲۴۰ ماشے یعنی ایک صاع میں تین ہزار دو سو چالیس ماشے ہوتے ہیں...... اور ۱۲ ماشہ کا ایک تولہ ہوتا ہے...... ماشہ ۳۲۴۰ ÷ ۱۲ = ۲۷۰ تولے...... اس حساب سے واضح ہوتا ہے کہ ایک صاع میں دو سو ستر تولے پائے جاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فرمایا: انگریزی روپیہ، سوا گیارہ ماشہ کا ہوتا ہے...... اس کا طریقہ تقسیم اس طرح ہوگا:

ماشہ ۳۲۴۰/ ۱ ÷ ۱۱ـ ۱/ ۴ (ماشہ)

ماشہ ۳۲۴۰/ ۱ ÷ ۴۵/ ۴ (ماشہ)

www.muftiakhtarrazakhan.com

ماشہ ۱/۳۲۴۰ × ۴۵/۴ (ماشہ)
ماشہ ۱/۲۱۶ × ۹/۴ (ماشہ)
ماشہ ۱/۷۲ × ۳/۴ (ماشہ)
ماشہ ۷۲ × ۴ = ۲۸۸/انگریزی......

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک صاع انگریزوں کے روپے سے ایک سو اٹھاسی روپے کے برابر ہوتا ہے......صاع کو کبھی ماشہ میں اور کبھی تولے کی صورت میں پیش کرنا معادلہ کا عمل ہے اسی طرح انگریزوں کے روپیوں میں تقدیر کرنا بھی معادلہ ہے ......بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ اپنے تحریری سفر کو جاری رکھتے ہوئے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ''اکبری سیر'' اور ''جہانگیری'' سیر کی بھی بات کہی ہے آپ اکبری اور جہانگیری سیر کی بات کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ وزن قدیم سے مرد ''سیر اکبری'' ہے اور وزن حال سے مراد ''سیر جہانگیری'' ہے ''سیر اکبری'' ۳۰ استار کا تھا اور صاع ۱۶۰ استار تو صاع ۳۰ ÷ ۱۶۰ = ۵۔۱/۳ سیر اکبری ہوا......اور سیر جہانگیری ۳۶/استار تو صاع ۳۶ ÷ ۱۶۰ = ۴۔۴/۹ سیر ہوا۔

اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ معادلہ کا عمل مشکل ہوتا ہے اور اس کے لئے کافی معلومات کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور دوسری بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ معادلہ کے عمل کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟ اور اس کے اسباب کیا ہوتے ہیں؟ ظاہر ہے اس کا مقصد سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس معادلاتی عمل کے ذریعہ عوام کے سامنے ایک نئی معلومات پیش کی جاتی ہے اور اس کو اس قدر سہل کر دیا جاتا ہے کہ عوام اور خواص دونوں ہی نہایت ہی آسانی کے ساتھ عمل کر سکیں عمل کا راستہ اس قدر صاف شفاف ہو جائے کہ کوئی بھی اس راستہ پر چل سکتا ہے......اور نہایت ہی آسانی کے ساتھ اپنی منزل پر پہونچ سکتا ہے......اس دور میں جب امام احمد رضا فاضل بریلوی اس معادلہ کو انجام دے رہے تھے اس وقت انگریزوں کا روپیہ رواج تھا اور ہندوستان کے تمام علاقوں میں بآسانی یہ روپے دستیاب ہو سکتے تھے اسی لئے آپ نے یہ عمل کر کے تمام مسلمانوں کے لئے آسانیاں پیدا کر دیں......اسی طرح آپ نے رتی، ماشہ اور تولہ کی بات کی یہ تمام چیزیں ہر علاقہ میں دستیاب تھی اور مقررہ وزن کے برابر جو یا گیہوں ادا کیا جا سکتا تھا...... چونکہ احناف کے نزدیک نصف صاع گیہوں صدقہ فطر میں ادا کرنا واجب ہے انگریزی روپے کے اعتبار سے ۱۴۴/روپے بھر گیہوں ادا کرنا واجب ہے اور تولہ ماشہ کے اعتبار سے ۱۳۵/تولے ادا کرنا واجب ہے......فتاوی رضویہ کے مطالعہ سے انداز ہوتا ہے کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی نے عبادات کے مقابلہ میں احتیاط سے کام لیا ہے یعنی صدقہ فطر اس قدر ادا کر دیا جائے کہ فقیروں اور مسکینوں کو زیادہ سے زیادہ نفع حاصل ہو۔

صاع ایک پیمانہ ہے وہ کوئی وزن نہیں ہے اس لئے یہ حکم ہوا کہ صدقہ فطر پیمانہ یعنی صاع سے ناپ کر دیا جائے نہ کہ صاع کو تول کر دیا جائے......اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ صدقہ فطر ادا کرتے وقت صاع کا پیمانہ بنایا جائے اور اس پیمانہ سے ناپ کر صدقہ فطر ادا کیا جائے اب سوال پیدا ہوتا ہے کس کا پیمانہ بنا جائے؟ جو کا بنایا جائے یا گیہوں کا بنایا جائے اس بارے میں ترجیح یہی ہے کہ جو ناپ کر ایک پیمانہ یعنی صاع بنایا جائے اس کے اسباب ترجیح درج ذیل ہیں۔

اولاً......اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ اہل عرب صدقہ فطر میں کیا دیتے تھے؟ اس دور میں اہل عرب کی غذا جو ہوا کرتی تھی اور یہی

www.muftiakhtarrazakhan.com

جو صدقہ فطر میں ادا کیا کرتے تھیاو بر اس دور میں جو ملتی نہیں گیہوں زیادہ ملتا ہے اور ہمارے یہاں صدقہ فطر میں بھی گیہوں ہی دیا جاتا......اس لئے ہوسکتا ہے کوئی کہے کہ جو کے بجائے گیہوں کا صاع بنایا جائے نہ کہ جو کا......مگر احتیاط اس بات میں ہے کہ جو کا ہی صاع بنایا جائے چونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو صاع تھا وہ جو کا ہی صاع تھا۔

ثانیاً......عرض ہے جو اور گیہوں میں بڑا فرق ہے گیہوں کا صاع چھوٹا ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں جو کا صاع بڑا ہوا کرتا ہے اور خود اس بات کا تجربہ سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے کیا ہے جیسا کہ آپ تحریر کرتے ہیں:

"اس بنا پر بنظر احتیاط وزیادت نفع فقراء میں نے ۲۷ رماہ مبارک ۱۳۲۷ھ کو ایک سو چوالیس روپے (نصف صاع) بھر جو وزن کئے کہ نصف صاع ہو ئیاور انہیں ایک پیالہ میں بھرا حسن اتفاق کہ تام چینی کا ایک بڑا کاسہ گویا اسی پیمانے کا ناپ کر بنایا گیا تھا......وہ جو اس میں پوری سطح مستوی تک آ گئے۔ من دون تکویم ولا تقعیر تو وہی کاسہ نصف شعیری ہوا اور پھر میں نے اسی کاسہ میں گیہوں بھر کے تولے تو ایک سو پچھتر روپے آٹھ آنہ بھر تو یہ وزن گندم ہوا اور اس کا دو چند ۳۵۱ روپے بھر وزن جو۔" (فتاوی رضویہ ۴/ ۴۹۶)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کا صاع بنایا جائے اور پھر اس صاع شعیری سے گیہوں دیا جائے اگر گیہوں ہی دیا جائے تو ایک سو پچھتر بھر اور اٹھنی بھر اور اگر جو دیا جائے تو گیہوں کا دو چند یعنی ۳۵۱ روپے بھر ......ایک اور مقام پر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"سیر مختلف ہوتے ہیں صاع کا حساب ہر جگہ کے سیر سے بدلے گا، صاع اس انگریزی روپیہ رائج الوقت سے دو سو اٹھاسی روپے بھر ہے اور تولوں سے دو سو ستر تولے یہ روپیہ سوا گیارہ ماشہ بھر ہے (۳)......گیہوں کا فطرہ انگریزی روپوں سے ایک سو چوالیس روپے بھر ہے۔"

ہمارے یہاں عام طور پر ۲ کیلو ۴۵ گرام گیہوں بطور صدقہ فطر دیا جاتا ہے......برسوں سے اس پر عمل ہو رہا ہے ہمارے اکابر نے بھی اپنی کتابوں میں یہی لکھا ہے مگر ایک دور ایسا بھی آیا کہ صدقہ فطر کی تقدیر میں اختلاف پیدا ہو گیا......کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ کہا......سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے نصف صاع کی تقدیر بریلی کے سیر سے بھی کی ہے فتاوی رضویہ جلد چہارم ص ۴۹۶ میں سیر کی مقدار اس قدر گنجلک ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھا گیا ہے میں نے مختلف ایڈیشنوں میں دیکھا مگر بات وہیں کی وہیں رہی یعنی سمجھ میں نہیں آئی......اس کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے دور کے مروجہ سکوں سے بھی اس کی تقدیر فرمائی ہے......نصف صاع = ۱۴۴ روپے بھر لیکن صاع شعیری سے جب گیہوں ناپا گیا تو اس کا وزن (۱۷۵ء۵۰) روپے بھر گیہوں آیا اس لئے آپ نے فرمایا صدقہ فطر (۱۷۵ء۵۰) روپے بھر ادا کیا جائے......اب یہ سکہ بھی نہ رہا تو پھر اس کے وزن کے برابر صدقہ فطر کس طرح ادا کیا جائے......جب یہ اختلاف زوروں پر تھا اسی وقت میں مختلف سنوں کے سکوں کو کسی نہ کسی طرح جمع کیا اور پھر اس کو ناپا گیا......جو ناپ ہمارے سامنے آئی اسی سے نصف صاع کی تقدیر گرام اور کیلو گرام میں کی گئی......جو اس طرح ہے:

(الف)......عہد ملکہ وکٹوریہ ۱۸۷۲ء کا سکہ ہے جس کے ایک جانب ۱۸۷۲ء تحریر ہے اور دوسری جانب ملکہ وکٹوریہ کی تصویر

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہے......اس کا وزن ۱۱ء۵۰۰ رگرام ہے اس سکہ کی رو سے نصف صاع گیہوں کا وزن اس طرح ہوگا:

۱۷۵ء۵۰×۱۱ء۵۰۰=۲۰۱۸ء۲۵ گرام یعنی ۲رکیلو ۱۸رگرام گیہوں۔

(ب) ایک ہی وزن کے دو سکے ہیں جو ۱۹۰۶ء اور ۱۹۱۳ء کے ہیں ان دونوں کا وزن ۱۱ء۶۴۰ رگرام ہے......ان دونوں سکوں کے تناظر میں نصف صاع گیہوں کا وزن اس طرح ہوگا......(۱۷۵ء۵۰×۱۱ء۶۴۰=۲۰۴۲ء۸۲ گرام) یعنی ۲رکیلو ۴۳ گرام گیہوں۔

(ج) یہ سکہ ۱۹۱۸ء کا ہے ایک جانب سن لکھی ہوئی ہے اور دوسری جانب جارج پنجم کی تصویر ہے گرام ملی گرام سے اس کا وزن ۱۱ء۶۱۰ گرام ہے اس سے نصف صاع گیہوں کا وزن درج کیا جارہا ہے (۱۷۵ء۵۰×۱۱ء۶۱۰=۲۰۳۷ء۵۵۵ گرام) یعنی ۲رکیلو ۳۸رگرام گیہوں۔

(د)......یہ سکہ جارج ششم کا ہے جس پر ۱۹۴۵ء تحریر ہے اور اس کے دوسری طرف جارج ششم کی تصویر ہے اس کا وزن ۱۱ء۶۵۰ گرام ہے اس سکہ کے اعتبار سے نصف گیہوں کا وزن ۲رکیلو ۴۵رگرام نکلتا ہے جیسے (۱۱ء۶۵۰×۱۷۵ء۵۰=۲۰۴۴ء۵۷۵ گرام) یعنی ۲رکیلو ۴۵ گرام گیہوں۔

ہمارے اکابر علماء نے اسی جارج ششم کے سکہ کی بنیاد پر ۲رکیلو ۴۵رگرام گیہوں صدقہ فطر میں غرباء مساکین کو دینے کا حکم دیا ہے۔

مقادیر میں جہاں دراہیم ودنانیر آتے ہیں وہیں ذراع اور میل شرعی کو بھی ان میں شامل کیا جاتا ہے کہ کسی وقت اس کی بھی شدید ضرورت محسوس کی جاتی ہے اور اس بارے میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی جو تحقیق ہے وہ تحقیق انیق ہے ذیل میں اسی میل شرعی کے تعلق سے تحریر کیا جارہا ہے۔

امام احمد رضا اور موجب قصر مسافت کی تقدیر

کوئی شخص کتنی مسافت کا عزم سفر کر کے اپنے شہر سے نکلنے کے بعد مسافر ہوتا ہے؟ اور موجب قصر کون سی مسافت ہے؟ دور حاضر میں یہ ایک اہم مسئلہ ہے اس کا سبب یہ ہے کہ جب بس، ٹرین، ہوائی جہاز اور دوسری قسم کی تیز رفتار سواریاں موجود نہیں تھیں تو عموماً لوگ پیدل یا بیل گاڑیوں سے سفر کیا کرتے تھے ایک دن میں اپنی عادت اور متوسط چال سے اور بشری تقاضوں کی تکمیل کے بعد جس قدر راہ طے کر لیتے تھے اسی قدر مسافت کو،، منزل'' کہا جاتا تھا اور جب تیز رفتار سواریاں ایجاد یا گئیں تو اب اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ موجب قصر مسافت کی تحدید وتقدیر میلوں اور کیلومیٹرس سے کی جائے۔۔۔۔تاکہ اہل ایمان کے لئے سہولت اور آسانی پیدا ہوجائے اور لوگ زیادہ سے زیادہ نعمت رخصت سے استفادہ کرسکیں، چونکہ اعلیٰ حضرت کے دور میں کیلومیٹرس کا رواج نہ تھا اس لئے اس کی تحدید میلوں سے کی گئی لیکن اس بات کا بھی دھیان رہے کہ آپ نے انگریزی میلوں سے تحدید کی۔۔۔۔۔۔ہوسکتا ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال اُٹھتا ہو کہ انہوں نے شرعی میلوں سے تقدیر کیوں نہ کی؟ اس کا جواب اس طرح دیا جاسکتا ہے کہ میل شرعی کی تقدیر وتعیین میں زبردست اختلاف ہے۔

لفظ،، میل،، کے استعمالات میں سے ایک استعمال یہ بھی ہے۔۔۔۔المیل من الارض، لغت میں اس کا معنی،، قدر

www.muftiakhtarrazakhan.com

منتہائے مد بصر لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری نگاہ کی روشنی خط مستقیم کے طور پر جہاں تک پہونچتی ہے اسی کا نام ،،میل،، ہے لسان العرب لابن منظور میں ہے،، المیل قدر منتھی مد البصر والجمع امیال ومیول الخ (۱۱/۶ ۴۳)
اور میل کو میل اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ منتہائے مد بصر پر نصب کیا جاتا ہے اسی مذکورہ لغت میں ہے:

''وقیل الاعلام المبنیة فی طریق مکة امیال لانھا بنیت علی مقادیر مدی البصر من المیل الی المیل۔''الخ

مکہ مکرمہ کے راستے میں جو نشانات نصب کئے گئے ہیں انہیں نشانات کو،، امیال،، کہا جاتا ہے یہ نشان ہر ۱/۳ فرسخ کی مسافت پر لگایا گیا اس بارے میں ایک یہ بھی تحقیق ہے میل کے مقدار کا تعین خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...... اسی لئے اس میل کو میل ہاشمی کہا جاتا ہے۔

،، کشاف اصطلاحات فنون،، میں ہے:

''المیل فی الاصل مقدار مد البصر من الارض ثم سمی به علم مبنی فی الطریق ثم کل ثلث فرسخ حیث قدر حده صلی اللہ علیه وسلم طریق البادیة وبنی علی کل ثلث فراسخ میلاً ولھٰذا قیل المیل الھاشمی الخ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسی میل ہاشمی کو میل شرعی کہا جاتا ہے میل شرعی کی تقدیر فرسخ کی تقدیر پر منحصر ہے۔۔۔۔۔۔اختلف فی مقدارہ علی الاختلاف فی مقدار الفرسخ (حوالہ مذکور)'' فرسخ کے بارے میں بڑا اختلاف ہے ذیل میں وہ اختلاف درج کیا جارہا ہے۔

الف۔ ۳/ ہزار سے ۴/ ہزار تک ذراع کی مسافت کو فرسخ کہا جاتا ہے۔

ب۔۔۔۔۔۔۔ ۲/ ہزار ۳ سو ۳۳/ خطوہ کو فرسخ کہا جاتا ہے۔

ج۔۔۔۔۔۔۔ ۱۸/ ہزار ذراع کو فرسخ کہا جاتا ہے۔

د۔۔۔۔۔۔۔ قول مشہور میں ۱۲/ ہزار ذراع کا نام فرسخ ہے۔

جب میل شرعی اور فرسخ و برید میں اختلاف کا یہ عالم ہے تو ظاہر ہے کہ موجب قصر مسافت کی تحدید و تقدیر مذکور بالا شرعی میلوں سے مناسب نہ تھا اس لئے کہ ایسا ممکن تھا کہ تقدیر کرنے والے میل کا معنی کچھ اور لے اور سفر کرنے والے اس کا مطلب کچھ اور سمجھے مگر یہ صورت انگریزی میلوں سے تعین کرنے میں پیدا نہیں ہوتی ہے انگریزی میل بین الاقوامی مقررات پر مبنی ہے اسی طرح انچ اور فٹ کا بھی یہی عالم کہ اس کی حیثیت بھی بین الاقوامی ہے شرعی طور پر مسافر کون ہوتا ہے؟ اس کے تعلق سے بہار شریعت میں،، متون،، کے حوالہ سے مذکور ہے:

''شرعاً مسافر وہ شخص ہے جو تین دن کی راہ تک جانے کے ارادے سے بستی سے باہر ہوا'' (بہار شریعت ۴/ ۷۵)

تین دن چلنے سے مراد پورا دن چلنا نہیں ہے اور نہ ہی پہلے دن کی فجر سے دوسرے دن کی فجر تک چلنا مراد ہے بلکہ اس سے مراد دن کا اکثر حصہ چلنا ہے اسی بہار شریعت میں ہے:

''شروع صبح صادق سے دوپہر ڈھلنے تک چلا پھر ٹھہر گیا پھر دوسرے اور تیسرے دن یوں کیا تو اتنی دور تک کی راہ کو،،

www.muftiakhtarrazakhan.com

مسافت سفر،، کہیں گے دوپہر کے بعد چلنے میں بھی برابر چلنا مراد نہیں بلکہ عادۃً جتنا آرام لینا چاہیئے اُس قدر اس درمیان میں ٹھہرتا بھی جائے۔۔۔۔۔۔اور چلنے سے مراد معتدل چال ہے کہ نہ تیز ہو نہ ست۔۔۔۔۔۔۔خشکی میں آدمی اور اونٹ کی درمیانی چال کا اعتبار ہے اور پہاڑی راستہ میں اسی کے حساب سے جو اس کے لئے مناسب ہو اور دریا میں کشتی کی چال اس وقت کی ہو کہ ہوا نہ بالکل رکی ہو نہ تیز۔۔۔۔۔۔درمختار و عالمگیری وغیرہ۔'' (بہار شریعت ۴ر ۷۵)

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ،،فتاوی رضویہ،، اور حضور صدرالشریعہ نے بہار شریعت میں فرمایا:

''کوس کا اعتبار نہیں کہ کوس کہیں چھوٹے ہوتے ہیں اور کہیں بڑے ہوتے ہیں بلکہ اعتبار تین منزلوں کا ہے اور خشکی میں میل کے حساب سے اس کی مقدار ۵۷۔۱/ ۲ یعنی ساڑھے ستاون میل ہے)

منزل ہمارے بلاد میں تقریباً ۱۲ر کوس کی ہے یہی قول ،،قول مفتیٰ بہ،، کے قریب تر ہے جسے ظہیریہ، محیط برہانی، نہایہ، کفایہ شروح ہدایہ، خزانۃ المفتیین وغیرہا میں ،،علیہ الفتوی،، کہا کہ منزل ۱۸ر میل ہے ۱۸ر میل کے سوا گیارہ کوس ہوتے ہیں یہ قول ،، اصل مذہب ،، ظاہر الروایہ،، کے خلاف نہیں بلکہ ان بلاد کے مناسب۔۔۔اسی کی تقدیر وشرح ہے کما نبہ علیہ العلامہ اسماعیل مفتی دمشق الشام۔۔۔۔کما نقلہ علی منحۃ الخالق۔۔۔۔۔۔ہمارے بلاد میں ۱۰ر کوس کا اندازہ قابل قبول نہیں کہ قصر ایام یعنی تحویل جدی کے دن میں فجر سے زوال تک ۷ر ساعت کے قریب وقت ہوتا ہے اور شک نہیں کہ پیادہ اپنی معتدل چال سے ۷ر گھنٹہ میں ۱۲ر کوس بے تکلف چل لیتا ہے جس پر بارہا کا تجربہ شاہد ہے۔'' (فتاوی رضویہ ۳ر ۶۵۹)

اور ایک دوسرے فتوی میں امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''جب تک ایک نیت سے پورے ۳۶ر کوس یعنی ساڑھے ستاون میل انگریزی کے ارادہ سے نہ چلے۔'' (حوالہ مذکور ۳ر ۶۶۷)

امام احمد رضا فاضل بریلوی کے فتاوے اور بہار شریعت کے پیش کردہ عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ:

الف۔۔۔۔موجب قصر صلاۃ مسافت خشکی کے راستوں میں معتدل چال کا اعتبار کیا گیا نہ کوس کا اور نہ ہی فرسخ کا اور سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے منزل کا اعتبار کیا اور منزل کی پیمائش کوس اور میل انگریزی سے کی گئی۔

ب۔۔۔۔۔بہار شریعت میں کوس کا اعتبار نہیں کہ وہ بڑے بھی ہوتے ہیں اور چھوٹے بھی۔۔۔۔۔اس کے بڑے چھوٹے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کوس کی سطح عوامی ہے سرکاری نہیں۔۔۔۔۔ذیل میں کتب فقہ سے کچھ عبارتیں نقل کی جارہی ہیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ کوس رفرسخ کا اعتبار نہیں۔۔۔۔۔۔محیط برہانی میں ہے:

"ولم یعتبر بعض مشائخنا الفراسخ قالوا لان ذالك يختلف باختلاف الطرق في السهولة والصعوبة والجبال والبر والبحر ..... وعامة مشائخنا قدروه بالفراسخ ايضاً واختلفوا بينهم بعضهم قالوا احدو عشرون فرسخاً وبعضهم قالوا ثمانية عشر فرسخاً وبعضهم قالوا خمسة عشر والفتوى على ثمانية عشر لانها اوسط الاعداد (ج دوم پی ڈی الیف)

www.muftiakhtarrazakhan.com

اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ فتاوی رضویہ اور بہار شریعت میں ،،میل انگریزی،، سے جو تقدیر کی گئی وہ قابل اعتبار ہے لائق اعتماد ہے اس کا سبب یہ ہے یہ میل کہیں بدلتا نہیں ہے ہر ملک اور علاقہ میں میل انگریزی کی پیمائش ایک ہی ہے اور اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اس میں تجربہ اور تعامل سے کام لیا گیا ہے اور تیسرا سبب یہ ہے موجب قصر صلاۃ مسافت یعنی تین منزلوں کی تعیین عرف کے ذریعہ کی گئی ہے اور فقہ کا قاعدہ ہے کہ:

"القاعدۃ الرابعة والاربعون التعيين بالعرف كالتعيين بالنص (شرح القواعد الفقهية ص ۱/۴۱/۲۴۲ الکٹرونی)

میل انگریزی کیا ہوتا ہے؟ اس میں کتنے انچ اور کتنے فٹ ہوتے ہیں اس کی تفصیلی وضاحت کے لئے ایک جدول پیش کیا جا رہا ہے جو درج ذیل ہے:

میل انگریزی کی تفصیل اس طرح ہے:

۱ ۳/کھڑے جو = ۱/ انچ = ۲٫۵۴ سینٹی میٹر

۲ ۱۲/ انچ = ۱/ فٹ = ۳۰٫۴۸ سینٹی میٹر

۳ ۳، فٹ = ۱، گز = ۹۱٫۴۴ سنٹی میٹر

۴ ۱۷۶۰ گز =۱ میل انگریزی = ۱۶۰۹۳۴٫۴ سینٹی میٹر = ۱۶۰۹٫۳۴ میٹر = ۱٫۶۰۹ کیلومیٹر

۵ ۵۷٫۵ میل انگریزی = ۹۲٫۵۱۷۵ کیلومیٹر

یہی مسافت موجب قصر صلوۃ ہے جو اصل مذہب اور ظاہر الروایۃ کے عین مطابق ہے۔۔۔۔اس تحدید و تقدیر کی بنیاد منزل پر ہے اور منزل کی وضاحت اسی میل مروجہ سے کی گئی ہے جو پوری دنیا میں رائج ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے پہلے منزل کو کوسوں کی مدد سے میلوں میں تبدیل کیا اور میل کی وضاحت بین الاقوامی پیمائش سے فرمائی۔۔جیسا کہ فتاوی رضویہ کی مذکور بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے ایسا اس لئے کیا گیا کہ انگریزی میل کے رواج سے پہلے ہندوستان میں کوس کا استعمال ہوا کرتا تھا مسافت کی تعیین بھی کوس کے ذریعہ ہی کیا جاتا تھا اور جب میل رائج ہوا تو کوسوں کو میل میں تبدیل کرنے کا ایک فارمولہ امام احمد رضا نے پیش کیا۔

مفتی شریف الحق صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں:

"اعلیحضرت نے ظاہر مذہب کو اختیار فرما کر تین منزل کی یہ مسافت بیان فرمائی ہے جد الممتار میں لکھتے ہیں المشهور المعتاد فی بلادنا ان کل مرحلة ۱۲ کوس . وقد جربت مراراً کثیرة بمواضع شهيرة ان الميل الرائج فی بلادنا خمسة اثمان کوس المعتبر ههنا . فاذا ضربت الاکواس فی ۸ . وقسم الحاصل علی ۵ کانت امیالاً فاذن امیال مرحلة ۱۹ ۱/۵ . و امیال مسیرة ثلاثة ایام ۵۷-۵/۳-۱ئی ۶-۵۷-ص ۶۱/۳ ر ۶۲/۳ ہمارے بلاد میں معتاد معہود یہ ہے کہ ہر منزل ۱۲ کوس کی ہوتی ہے میں نے بارہا بکثرت مشہور جگہوں میں آزمایا ہے کہ اس وقت ہمارے بلاد میں جو میل رائج ہے ۸/۵ کوس ہے جب کوسوں کو ۸ میں ضرب

www.muftiakhtarrazakhan.com

دیں اور حاصل ضرب کو ۵ پر تقسیم کریں تو حاصل قسمت میل ہوگا اب ایک منزل ۱۹۔۵/۱ میل ہوئی۔ اور تین دن کی مسافت ۷۵۔۵/۳ میل یعنی ۷۵۔۶ میل۔ (نزہۃ القاری ۲/۴۶۲)

میل شرعی، میل انگریزی سے بہت بڑا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ پہلے ہم،، میل شرعی کا جدول پیش کررہے ہیں۔

۱۔۔۔۔ میل شرعی ۴۰۰۰ گز کا ہوتا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

نمبر شمار	بال، جو، ذراع	علامات	صورت حسابات	سینٹی میٹر	کیلومیٹر
۱	خچر کے دم کے (۱) بال	=	۰۵۲۹۱۶۷،۰	"	......
۲	خچر کے دُم کے ۶/ بال	=	۳۱۷۵۰۰۲	"	......
۳	۶/ جو = ۱/ ذراع شرعی	=	۷۲۰۰۲۹،۴۵	"	......
۵	۴۰۰۰/ ذراع شرعی	=	۱۲،۱۸۲۸۸۰	=	۸۲۸،۱

میل شرعی اور میل انگریزی میں کیا فرق ہے؟ اور فرق کی نوعیت کیا ہے اس کو جاننے کے لئے درج ذیل فہرست پر غور کریں:

نمبر شمار	ایک میل شرعی	علامت تفریق	ایک میل انگریزی	علامت مساوی	زائد کی نوعیت	کتنی زائد ہے
۱	۴۰۰۰	–	۳۵۲۰	=	ذراع شرعی	۴۸۰
۲	۲۰۰۰	–	۱۷۶۰	=	انگریزی گز	۲۴۰
۳	۶۰۰۰	–	۵۲۸۰	=	فٹ	۷۲۰
۴	۷۲۰۰۰	–	۶۳۵۸۰	=	انچ	۸۶۴۰
۵	۱۸۲۸۸۰	–	۳۴،۱۶۰۹	=	سینٹی میٹر	۲۱۹۴۶
۶	۸،۱۸۲۸		۳۴،۱۶۰۹		میٹر	۴۶،۲۱۹
۷	۸۲۸،۱	–	۶۰۹،۱	=	کیلومیٹر	۲۱۹،۰

موجب قصر صلوٰۃ مسافت میں انگریزی گز۔ ۱۰۱۲۰۰ ہوتے ہیں اس مقدار گز کو ۱۷۶۰ پر تقسیم کرتے ہیں تو اس کا میل انگریزی۔ ۵'۷۵ ہوتے ہیں اور جب اسی انگریزی گزوں کو میل شرعی یعنی ۲۰۰۰ انگریزی گزوں پر تقسیم کرتے ہیں تو اس کے میل شرعی۔ ۶'۵۰ ہوتے ہیں یہی موقف اعلی حضرت فاضل بریلوی اور ان کے تمام ہم عصر علمائے اہلسنت کا ہے یہاں تک کہ دور حاضر کے تمام علمائے اہلسنت کا ہے۔۔۔۔۔۔۔ یہی اصل مذہب ہے اور اسی پر فتوی ہے۔۔۔۔۔۔ متقدمین مشائخ احناف کے اس بارے میں تین اقوال ہیں:

پہلا قول	۲۱ فرسخ ہے اور ایک فرسخ تین میل شرعی کا ہوتا ہے۔
دوسرا قول	۱۸ فرسخ ہے
تیسرا قول	۱۵ فرسخ ہے

www.muftiakhtarrazakhan.com

ذیل میں تینوں اقوال کا معادلہ پیش کیا جا رہا ہے:

الف فرسخ ۲۱ × ۳ میل شرعی = ۶۳ میل شرعی × ۱'۸۲۸ = ۱۱۵'۱۶۴ کیلومیٹر

ب فرسخ ۱۸ × ۳ میل شرعی = ۵۴ میل شرعی × ۱'۸۲۸ = ۹۸'۷۱۲ کیلومیٹر

ج فرسخ ۱۵ × ۳ میل شرعی = ۴۵ میل شرعی × ۱'۸۲۸ = ۸۲'۲۶ کیلومیٹر

مولانا غلام رسول سعیدی نے اصل مذہب اور ظاہر الروایہ سے انحراف اختیار کرتے ہوئے مشائخ کے قول کو اختیار کیا ہے جب کہ تمام علمائے اہلسنت اور فقہائے احناف کا ماننا ہے کہ فتوئی ظاہر لروایہ پر ہی دینا چاہیئے ہاں! کسی ضرورت کے تحت قول امام اور اصل مذہب و ظاہر الروایہ پر فتوئی دینے کی روایت ملتی ہے مجھے اس بات پر افسوس ہے کہ مولانا غلام سعیدی نے ایسا کیوں کیا؟ اور ان کے سامنے اصل مذہب سے انحراف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر بر بنائے سہولت انہوں نے ایسا کیا ہے تو ان کی تقدیر سے کہیں زیادہ یہ سہولت امام احمد رضا اور صدر الشریعہ کی تحقیق و تقدیر میں پائی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔اس پر طرہ یہ کہ اعلی حضرت نے اس بات کی وضاحت نہیں فرمائی کہ انہوں نے کس قاعدہ سے اس کی تقدیر کی ہے۔۔۔اس بارے میں مجھے یہ کہنا ہے کہ منزل، کوس، اور انگریزی میل اور کوس کو تبدیل کرنے کا ضابطہ وغیرہ کیا ہے؟ کیا یہ قاعدہ نہیں ہے؟ تو پھر کیا ہے؟ ہاں! یہ سعیدی صاحب کی ضد ہے اور نفسیاتی انفرادیت ہے جسے حاصل کرنے کے لئے انہوں نے ایک خوبصورت بہانہ تلاش کرلیا۔

امام اہل سنت حضرت سیدی اعلی حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی مذہبی خدمات میں مقادیر، اوزان، اکیال اور میل شرعی کے تذکرے اس تفصیل کے ساتھ پائے جاتے ہیں کہ ان تذکروں میں علم وفن کی ساری خوبیاں پائی جاتی ہیں ......کسی بھی علم وتذکرہ کو فن کا روپ دینے میں بہت سے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے اور اس کی ترتیب وتدوین اور اس کے متناسب اجزا کے درمیان ہم آہنگی اور ربط وضبط لانے میں کبھی مشقت کرنی پڑے گی اس کی وجہ یہ ہے فن اپنے آپ میں وجود نہیں پاتا ہے بلکہ اسے فن کی کسوٹی پر کسنا پاتا ہے تب کہیں جا کر فن کا وجود پاتا ہے اعلی حضرت فاضل بریلوی کے یہاں تمام چیزیں پائی جاتی ہیں باوجود اس کے اسے ترتیب دینا بہت ضروری ہے...... یہ بات بہت اچھی ہے ہماری جماعت میں اب رفتہ رفتہ اس جانب کوشش کی جارہی ہے ان شاء اللہ ہماری اور آپ کی یہ کوشش کامیاب ہوگی...... یہی میری دعا ہے اور میرے دال کی آواز بھی ہے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور ان کے تعلیمی نظریات! ایک تجزیاتی مطالعہ

از: عظیم اللہ جندران: پاکستان

معلم مطلوب:

ہر متحرک جسم خواہ مشین ہو، حیوان ہو یا انسان لیور یعنی جگر کے بغیر نہ تو اس کا وجود ہے نہ عمل اور نہ بقاء ان اجسام متحرکہ میں سے کوئی بھی اگر لیور (Liver) سے محروم ہو جائے، تو زندگی عمل اور وجود سب کچھ ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح دنیا کی ہر تنظیم اور ہر نظام بھی اسی اصول کے تابع ہے۔ تنظیم میں کوئی نہ کوئی ہستی اس لیور اور جگر کا کردار ادا کرتی ہے اگر وہ معدوم ہو جائے تو تنظیم بے کار اور عملی کردار سے محروم ہو جاتی ہے۔ دنیا کے ہر نظام کا بھی یہی عالم ہے اور اس کی بہترین مثال نظام تعلیم ہے۔ ہر قوم اور ہر ملک کے نظام تعلیم کا لیور اور جگر ''استاذ'' ہے یہ پرزہ جس قدر اچھے اثرات مرتب کرے گا، نظام تعلیم میں ترقی ہوگی اور جس قدر یہ پرزہ ناکارہ ہو جائے گا، نظام تعلیم اپنی افادیت وتأثیر سے عاری ہو جائے گا۔

ضرورت معلم:

اظہر (۲۰۰۳ء) لکھتے ہیں:

''تعلیم وتدریس کا تصور استاد کی ہستی کے بغیر ناممکن ہے۔ تعلیم وتدریس موزوں ومتوازن مرکب اینٹوں یا خوبصورت جڑے ہوئے پتھروں کی خوشنما عبارت سے وابستہ نہیں بلکہ تعلیم وتدریس کا کام تو سرے سے عمارت کا محتاج ہوتا۔ کسی بھی گھنے سایہ دار درخت، سبزے فرش خاکی سے بھی یہ کام لیا جا سکتا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کئی ایسی درسگاہیں شاہد ہیں جو درخت کے زیر سایہ شروع ہوئیں۔ اسی طرح کتابوں اور پوتھیوں سے بھی بے نیاز رہا جا سکتا ہے لیکن ایک وجود ایسا ہے جس کے بغیر تعلیم وتدریس کا تصور ناممکن ہے وہ ایک ہستی ''استاذ'' کی ہے (ص ۲۳)

اس نثر پارے سے یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ استاذ کو نظام تعلیم میں کلیدی کردار حاصل ہے معلم کو تعلیم کے میدان میں وہی مرتبہ ومقام حاصل ہے جو جڑ کو درخت میں، خوشبو کو پھول میں، روح کو جسم میں اور انبیائے کرام علیہم السلام کو اصلاح انسانیت کے کام میں نصیب ہوا ہے۔ ہمارے سید ومولیٰ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صاف لفظوں میں اپنی بعثت کا مقصد یوں بیان فرمایا۔ ''انما بعثت معلما'' یعنی مجھے معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔

المختصر اچھی عمارت کے بغیر اچھی تعلیم ممکن ہے۔ اچھی اور اچھے نصاب کے بغیر اچھی تعلیم ممکن ہے مگر اچھے استاد کے بغیر اچھی تعلیم قطعی ناممکن ہے لہذا تعلیمی نظریات پیش کئے ہیں انہیں درج ذیل عنوانات کے تحت رقم کیا جاتا ہے۔

(الف) معلم کے حقوق ومراتب:

امام احمد رضا خاں اپنے نظام تعلیم میں معلم کو نہایت اعلیٰ وارفع مقام دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک معلم قوم کے معمار

www.muftiakhtarrazakhan.com

اور محافظ ہیں۔قوموں کا معراج کمال تک پہنچنا ان ہی کے مرہون منت ہے۔امام احمد رضا خاں نے معلم کے حقوق و مراتب کی کئی مقام پر ترجمانی کی ہے۔ایک مقام پر امام احمد رضا خاں ۱۹۸۸ء یوں گویا ہوئے ہیں۔

"پیرو استاد علم دین کا مرتبہ ماں باپ سے زیادہ ہے۔وہ مربیٔ بدن ہیں روح، جو نسبت روح سے بدن کو ہے وہی نسبت استاد و پیر سے ماں باپ کو ہے۔"ص ۱۵

موصوف امام (۱۹۸۸ء) مزید فرماتے ہیں۔

"عالم کا جاہل اور استاد کا شاگرد پر ایک سا حق ہے برابر اور وہ یہ کہ:

ا۔اس سے پہلے بات نہ کرے۔(۲) اس کے بیٹھنے کی جگہ اس کی غیبت میں بھی نہ بیٹھے۔(۳) چلنے میں اس سے آگے نہ بڑھے۔(۴) اپنے مال میں کسی چیز سے اس کے ساتھ بخل نہ کرے یعنی جو کچھ اسے درکار ہو بخوشی خاطر حاضر کرے اور اس کے ساتھ قبول کر لینے میں اس کا احسان اور اپنی سعادت جانے۔ص ۱۲۲۔

مصنف فتاویٰ رضویہ مفکر اسلام امام احمد رضا خان (۱۹۸۸ء) ایک اور جگہ یوں لب کشا ہوئے ہیں۔

"استاد کی تعظیم سے ہے کہ وہ اندر ہو اور یہ حاضر ہو تو اس کے دروازے پر ہاتھ نہ مارے بلکہ اس کے باہر آنے کا انتظار کرے۔اگر استاد کسی خلاف شرع کام کا حکم دے تو ہرگز نہ مانے، مگر اس نہ ماننے میں گستاخی و بے ادبی سے پیش نہ آئے۔بکمال عاجزی وزاری معذرت کرے۔"ص ۱۲۳۔

اچھے استاد کا ملنا رب تعالیٰ کا خاص انعام واحسان ہے۔طالب علم کے لئے نعمت ہے اور طلب علم کے بعد انکار استاد کفران نعمت ہے ملاحظہ ہو اس بابت امام احمد رضا خان (۱۹۸۸ء) کا فرمان۔

"استاد کا انکار کفران نعمت ہے اور کفران نعمت موجب سزا و عقوبت۔۔۔۔۔۔۔۔اگر کوئی صاحب اہل علم ہو کر استاد مربی کا انکار کرے اور
اگر اس شخص نے بلا وجہ شرعی تکبر وعناد کے سبب وہ الفاظ کہے تو ضرور گنہگار اور سخت مواخذہ کا سزاوار۔"ص ۱۲۳۔

یہ اقتباس اس حقیقت کی ترجمانی کر رہا ہے کہ:

استاد کا انکار بہت بڑی ناشکری ہے اس سے علم کی برکات زائل ہو جاتی ہیں۔جس نے اچھا علم سکھایا اگرچہ ایک لفظ ہی پڑھایا اس کی تواضع ضروری ہے۔حدیث پاک میں بھی ارشاد مقدس ہے "جس نے تھوڑے احسان کا شکر نہ ادا کیا اس نے زیادہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔

تو ایک ایسا شخص جو کہ پورے شہر کا استاد ہے اس کا اعجاز و امتیاز امام احمد رضا خان (۱۹۸۸ء) نے یوں متعین فرمایا ہے۔

"علماء سادات کو رب العزت نے اعزاز و امتیاز بخشا تو ان کا عام مسلمانوں سے زیادہ اکرام و شرع کا امتثال اور صاحب حق کو اس کے حق کا ایفا ہے۔اللہ عزوجل نے علماء اور جہلا کو برابر نہ رکھا تو مسلمانوں پر بھی ان کا امتیاز لازم ہے۔اسی مناسبت سے آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مثال پیش کرتے ہیں کہ ان کی خدمت میں ایک سائل کا گزر ہوا

www.muftiakhtarrazakhan.com

اسے ایک ٹکڑا عطا فرمادیا، ایک شخص خوش لباس شاندار گزرا اسے بٹھا کر کھانا کھلایا اس بارے میں استفسار پر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیش فرمایا۔

''ہر شخص سے اس کے مرتبہ کے لائق برتاؤ کرو'' ص ۹۹۔

ان دونوں حوالہ جات سے یہ نکتہ اخذ ہوتا ہے کہ علماء واساتذہ کے لئے تعظیما تکریما خصوصی سلوک رکھنا جائز ہے۔

(ب) معلم کے فرائض وذمہ داریاں:

امام احمد رضا خان کے نزدیک ایک معلم کے جو اہم فرائض ہیں ''احمد'' (۲۰۰۱ء) نے انہیں یوں بیان کیا ہے:

(۱) معلم کا فرض ہے کہ طلباء کو جو کچھ پڑھائے حقائق پر مبنی ہو۔ (۲) جھوٹ سے اجتناب کرے جھوٹی باتیں طالب علم کی فطرت پر برا اثر ڈالتی ہیں۔ (۳) معلم کا دل اخلاص ومحبت کی دولت سے سرشار ہو۔ (۴) وطن سے محبت وتعمیر وترقی کی لگن معلم کی گھٹی میں رچی ہوئی ہو۔ (۵) معلم کی شخصیت ایک ماڈل کی سی ہو تاکہ طلباء اس کی پیروی میں منزل پاسکیں۔ (۶) تعلیم کے بارے میں معلم کے نظریات واضح اور مفید ہوں۔ (۷) طلباء میں کوداری اور خودشناسی کا جوہر پیدا کیا جائے۔ (۸) طلباء کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی جائے۔ (۹) وقت کی قدر وقیمت کا احساس دلایا جائے۔ ص (۳۱، ۶۸، ۷۱، ۷۲)

مندرجہ بالا سطور پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

تعلیمات رضا کی روشنی میں معلم کو ہر قوم کے تعصب سے بالاتر ہو کر حقائق بیان کرنے ہیں۔ اخلاقی برائیوں سے بچنے کی تلقین کرنی چاہیئے۔ یہ سچ ہے کہ خلوص اور محبت میں کشش ہے۔ اخلاص اور ایثار کو طالب علم زندگی کے کسی اسٹیج پر بھی نہیں بھلا سکتا مگر بدقسمتی سے آج ہمارے معاشرے میں کاروباری نقطۂ نظر غالب آگیا ہے جس نے استاد اور شاگرد کے مقدس رشتےکو مجروح کردیا ہے۔ معلم کا یہ فرض ہے کہ وہ اخلاص کی دولت سے مالا مال ہو۔ وطن کی محبت ایمان ہے۔ معلم کے لئے لازم ہے کہ وہ نظریۂ پاکستان کا حامی ہو

وطن کی محبت اس کے انگ انگ میں رچی ہوئی ہو اور یہی جذبہ وہ اپنے متعلمین کے دل ودماغ میں بھی راسخ کرے۔ وقت کی قدر وقیمت معلم کے لئے ازحد ضروری ہے۔ اسے چاہیئے کہ خود وقت کا پابند ہو تاکہ طلباء بھی اس کی تقلید کرسکیں۔

عصر حاضر کا معلم امام صاحب کے متعین کردہ فرائض وذمہ داریوں سے اگر عہدہ برآہ ہوجائے تو وہ دن دور نہیں کہ اس کے شاگردوں میں خالد بن ولید، سلطان صلاح الدین ایوبی، طارق بن زیاد، محمد بن قاسم، محمود غزنوی، اقبال اور قائداعظم جیسے اعلیٰ صفت واعلیٰ اخلاق کے حامل نوجوان پیدا ہوسکیں۔

رضوی (۲۰۰۱) نے امام احمد رضا خاں کے افکار ونظریات سے حسب ذیل فرائض معلم اخذ کئے ہیں۔

(۱) معلم کا فرض ہے کہ ہر وقت ''قال اللہ قال الرسول'' کی صداؤں کو بلند کرے اور عشق وعرفان کی دولت سے مالا مال ہو۔ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (۲) طلباء کی اندرونی صلاحیتوں کو صحیح رخ پر استوار کرے۔ (۳) اسلاف کے چھوڑے ہوئے علوم وفنون کو ضائع ہونے سے بچانا اور اپنے تجربۂ تحقیق سے اسے اگلی نسلوں تک منتقل کرنا۔ (۴) رنگ ونسل کا امتیاز کئے بغیر دینی تعلیم کو فروغ دینا۔ (۵) اپنے تجدیدی کارناموں سے قوموں کے مزاج کو بدلنا۔ (۶) علمی انقلاب برپا کرنا تاکہ جہالت ونادانی

www.muftiakhtarrazakhan.com

کی ظلمتیں کافور ہوں۔(۷) معلم کی یہ ذمہ داری ہے کہ طلباء کے اندر برے بھلے کی تمیز، باطل سے نفرت اور برائیوں کو مٹانے کا جذبہ بیدار کرے تاکہ وہ معاشرے کے ناپسندیدہ رجحانات کا مقابلہ کر سکیں۔(۸) معلم پسندیدہ عادات واطوار کا حامل ہونے کے ساتھ بلند سیرت وکردار کا بھی مالک ہو۔(ص ۴۱۔ ۵۳)۔

امام احمد رضا خاں نے معلم کو جن اہم ذمہ داریوں اور فرائض سے آشنا کیا ہے۔ اگر آج معلم ان کو عملی جامہ پہنا لے تو استاد اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرسکتا ہے اور متعلمین آج بھی اپنے استاد پر جان ودل نچھاور کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔

حکومتی سطح پر اقدامات کی ضرورت ہے کہ ایسے معلم کا تقرر کیا جائے جو علم اور عمل اور تجربہ کی بنیاد پر متعلمین کو زیادہ سے زیادہ دینی اور جدید تقاضوں کے مطابق بہتر تربیت مہیا کرسکے۔

(ج) اساتذہ کرام کے لئے ضابطۂ ہدایات:

فکر رضا کی روشنی میں معلم کے اہم تدریسی تقاضے درج ذیل نظر آتے ہیں۔

(۱) پیشہ ور واعظین کا رول اختیار نہ کیا جائے۔

امام احمد رضا خان پیشہ ور واعظین کے بارے میں اپنا واضح نقطہ نظر رکھتے ہیں۔قادری (۲۰۰۱ء) کے مطابق:

"آج کل کم علم بلکہ نرے جاہلوں نے کچھ الٹی سیدھی اردو دیکھ بھال کر حافظہ کی قوت، دماغ کی طاقت وزبان کی طاقت کو شکار مردم کا جال بنایا ہے۔

(۱) اول تو انہیں وعظ کہنا حرام ہے۔(۲) دوم ان کا وعظ سننا حرام ہے۔(۳) سوم وعظ و پند کو جمع مال یا رجوع خلق کا ذریعہ بنانا گمراہی، مردود وسنت نصرانی ہے۔"(ص ۳۵)۔

(۲) کتب تعلیم کا احترام کیا جائے۔

موصوف امام نے کتب تعلیم کا احترام بھی معلم کے احترام کے ساتھ لازم ٹھہرایا ہے ملاحظہ ہو علی واحد (۱۹۹۹ء) کا تجزیہ۔

"کتابوں کا احترام دراصل علم کا احترام ہے اور انہی حروف کا احترام ہے جن سے قرآن پاک لکھا گیا۔ ایک استفتاء کے جواب میں امام صاحب فرماتے ہیں:

"ایسے استاد و معلم جو تخت پر بیٹھ کر پڑھاتے ہیں اور کتب دینیہ قرآن مجید ودیگر کتب دینیہ نیچے ہوتی ہیں۔ وہ معلم اور اس کے ساتھ بیٹھنے میں سب گستاخ ہیں اور اس کو تنبیہ کی جائے اگر وہ نہ مانے تو صاحب مکان پر لازم ہے کہ وہاں سے تخت اٹھا لے اور اس پر متنبہ ہوتا نہ دیکھے تو اسے موقوف کردے۔ بے ادب (نہ کہ شاگرد) کو مولانا قدس سرہ فرماتے ہیں۔

از خدا خواہم توفیق ادب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بے ادب محروم شد از فضل رب۔۔۔۔۔۔(ص ۵۵)

(۳) عبارت کتب میں اپنی طرف سے اضافہ نہ کیا جائے:

براہ سخن پروری اپنی طرف سے عبارت کتب میں چند الفاظ داخل کر کے علماء کرام حتیٰ اساتذۂ عظام خود کو دھوکہ دیتے ہیں۔اس بابت احمد رضا خان (۱۹۸۸ء) نے فرمایا ہے:

www.muftiakhtarrazakhan.com

''سخن پروری یعنی دانستہ باطل پر اصرار و مکابرہ ایک کبیرہ، کلمات علماء میں چند الفاظ اپنی طرف سے الحاق کر کے ان پر افترا او دوسرا کبیرہ، علماء کرام اور خود اپنے اساتذہ کو دھوکہ دینا خصوصا امر دین میں تیسرا گناہ، یہ سب خصلتیں یہود لعنھم اللہ تعالیٰ کی ہیں۔

''قال اللہ تعالیٰ: تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون'' (ص ۲۵۵)۔

(۴) سزا نہایت احتیاط سے ناگزیر حالات میں دی جائے:

امام احمد رجا خان کے تعلیمی افکار کا نظر عمیق مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کسی پہلو کو بھی ادھورا نہیں چھوڑا (جزئیات تک پر روشنی ڈالی) یہاں تک کہ معلم کے لئے آپ نے ضابطۂ اخلاق مقرر کیا کہ بچوں کو اس قدر سزا دی جائے۔ رضوی (س ن) نے امام صاحب کے ایک قول کو بدیں الفاظ نقل کیا ہے۔

'' زدن معلم کودکاں را وقت حاجت بقدر حاجت محض بغرض تنبیہ واصلاح ونصیحت بے تفرقہ اجرت وعدم اجرت رواست اما باید کے بدست زنند نہ بچوباں برسہ بار نیفزایند''

ترجمہ: ضرورت کے وقت استاد کا بچوں کو بقدر حاجت پر پڑھاتا ہو یا بلا اجرت لیکن چاہیے کہ ہاتھ سے مارے نہ کہ لکڑی سے اور تین ضربوں سے زیادہ نہ بڑھائے۔'' (ص ۱۹)۔

(۵) استاد کو مطلوبہ تعلیمی و پیشہ وارانہ قابلیت کا حامل ہونا چاہیئے:

امام احمد رضا خاں اپنے نظریۂ تعلیم میں مقرر وواعظ کے لئے شرط قابلیت مقرر فرماتے ہیں۔ ایک موقع پر امام احمد رضا خاں (۱۹۸۸ء) رقمطراز ہیں:

'' وعظ میں اور ہر بات میں سب سے مقدم اجازت اللہ عز وجل ورسول اللہ ﷺ ہے۔ جو کافی علم نہ رکھتا ہو اسے وعظ کہنا حرام ہے۔ اور اس کا وعظ سننا جائز نہیں۔'' (ص ۳۹۸)۔

اسی ضمن میں سند علم کی فضیلت پر امام احمد رضا خاں (۱۹۸۸ء) کا تبصرہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

'' سند کوئی چیز نہیں بہتیرے سند یافتہ محض بے بہرہ ہوتے ہیں اور جنہوں نے سند نہ لی ان کی شاگردی کی لیاقت بھی ان سند یافتوں میں نہیں ہوتی، علم ہونا چاہئے حدیث پاک کی روشنی میں جو بغیر علم کے قرآن کے معنیٰ کہے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ بنالے۔'' (ص ۱۷)

درج بالا اقتباسات کے تبصرہ کے بعد یہ پوزیشن سامنے آتی ہے کہ امام احمد رضا خاں مفیت و معلم کی تعلیمی قابلیت کے متعلق واضح نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ یعنی حصول کے لئے ہمیں ایسا معلم چننا ہوگا جو علمی ذوق سے بہرہ ور ہو۔ اپنے مضمون میں ہونے والی نئی نئی تحقیقات نئے نظریات اور رجحانات سے واقف ہو۔ نہ صرف اپنے مضمون کا وسیع اور گہرا علم رکھتا ہو بلکہ دوسرے مضامین خصوصا متعلقہ مضامین سے بھی واقفیت رکھتا ہو۔

آج ہم پاکستان کی تعلیمی زندگی کا مطالعہ کریں تو افسوس سے کہنا پڑتا ہے جعلی ڈگریوں کی بھرمار ہے۔ چوبیس سے زیادہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

یونیورسٹیاں ہیں سب کی سب خسارے میں ہیں۔ ماسوائے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مفکر اسلام امام احمد رضا خاں کے نظریہ تعلیم پر عمل کیا جائے اور وہ معلم جو اپنے ہاتھوں میں جعلی ڈگریوں کو تھامے بیٹھے ہیں ان کی اسناد پر اعتبار نہ کیا جائے۔ سند کوئی چیز نہیں بہتر ہے سند یافتہ بے بہرہ ہوتے ہیں۔

(۶) متعلم کے ساتھ حسن ومروت:

امام احمد رضا خان اپنے طلباء متعلمین کے ساتھ انتہائی شفقت ومروت کے قائل ہیں جندران (۲۰۰۲ء) کے مطابق:

''امام احمد رضا خاں کے ہاں جو بھی طلباء آتے آپ انہیں اکثر ان کی مرغوب اشیاء فیرنی، شیرینی پکا کر کھلاتے۔ انواع و اقسام کے کھانے سے ان کی تواضع فرماتے۔ بلکہ اکثر کھانوں میں اپنے شاگردوں کی انفرادی پسند کا بھی خیال رکھتے۔ خود مختلف طعام تیار کر کے انہیں پیش کرتے تعلیم میں بھی طلباء سے کسی قسم کی مادی منفعت کی ہرگز امید نہ رکھتے تھے۔'' (ص ۲۲)

یہ پیراگراف عصر حاضر کے معلمین کو دعوت فکر دے رہا ہے کہ وہ حرص وطمع دنیاداری سے اپنے دامن کو پاک کریں اور اپنے اندر اخلاص پیدا کریں کیونکہ اخلاص کے بغیر تمام اعمال بے کار ہیں۔ اخلاص کی عملی صورت یہ ہے کہ اساتذہ دن (یعنی پڑھانے کے متعین اوقات) میں متعلمین کو اس قدر سیراب کر دے کہ وہ ٹیوشن پڑھنے پر مجبور نہ ہوں اگر کوئی طالب علم مزید تشنگی محسوس کرے تو اسے بغیر کسی مادی لالچ کے وقت دیا جائے۔

(۷) متعلم کو اس کی استعداد سے باہر علم نہ دیا جائے:

امام احمد رضا خاں (۱۹۸۸ء) فرماتے ہیں:

'' قابلیت سے باہر فتنہ میں ڈالنا ہے اور نا قابل کو مباحث ومجادل بنانا دین کو معاذ اللہ ذلت کے لئے پیش کرنا ہے۔ نبی محترم ﷺ کا فرمان مقدس ہے'' جب نا اہل کو کام سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔'' (ص ۵۹۴)۔

اس اقتباس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ معلم کو تدریسی عمل کے دوران متعلم کی علمی صلاحیت کو پیش نظر رکھنا چاہیے وہ لیکچرر جو متعلم کی تعلیمی استعداد سے باہر ہے کبھی بھی طالب علم کے لئے مؤثابت نہیں ہوسکتا۔

اسی بابت رابرٹ، اے ڈیوس (۱۹۸۶ء) تعلیم کی نوعیت اور شرائط (Conditions of Nature Learning) کے رقمطراز ہیں:

The learning activities selected should be wuthin the capability of ,however that it is an important problem in the learner Experience shows ((page No.434teaching

(د) معلم کے ضروری اوصاف:

تعلیم وتدریس کے عمل میں استاد کی شخصیت اہم کردار ادا کرتی ہے اچھے یا برے تعلیمی نتائج کا انحصار اسی شخصیت کا مرہون منت ہے۔ اگر استاد مختلف اوصاف کا مالک ہوگا تو بچے اس کی تقلید کریں گے۔ امام احمد رضا خان کے نزدیک معلم کو جن اوصاف وآداب کا حاصل ہونا ضروری ہے وہ درج ذیل ہیں:

www.muftiakhtarrazakhan.com

علی وعبدالقیوم (۱۹۹۱) کے بقول:

(۱) معلم عقائد اسلامیہ سے پوری طرح واقف ہو اور ان پر یقین کامل رکھتا ہو۔ (۲) معلم اثبات حق وابطال پر قادر ہو جہاں شک پیدا ہو وہاں متعلمین کے ذہن میں اس کا بطلان ثابت کرے۔ (۳) معلم صحیح العقیدہ ہو۔ اس کے اغراض ومقاصد فاسد نہ ہوں۔ (۴) معلم کا دل حب خدا وحب رسول ﷺ سے سرشار ہو۔ (۵) معلم سلامت عقل ہو اور اس کا دل نور ایمان سے منور ہو۔ (۶) معلم اچھے اخلاق اور خصائل حمیدہ کا مالک ہو۔ (۷) معلم کے پیش نظر ہر معاملہ میں خوف خدا عزوجل اور رضائے الٰہی جل جلالہ ہو۔ (۸) معلم طلباء سے مشفقانہ رویہ رکھتا ہو۔ (۹) معلم طلباء کی ذہنی وروحانی تربیت کے ساتھ جسمانی تربیت بھی کراتا ہو۔ (۱۰) معلم علمی ذوق سے بہرہ ور ہو اور اپنے مضمون میں وسیع، گہرا علم رکھتا ہو۔ (۱۱) معلم اپنے اردگرد کے ماحول اور معاشرتی حالات سے واقفیت رکھتا ہو۔ (۱۲) معلم لاریب کتاب قرآن مجید کے ترجمہ وتفسیر سے واقفیت رکھتا ہو۔ (۱۳) معلم طلبا کی انفرادی ضروریات کے مطابق طریقہ تدریس کا استعمال کرسکتا ہے۔ (۱۴) معلم استقامت پسند ہو، اپنی رائے کا اظہار سوچ سمجھ کر کرے پھر اس پر ڈٹ جائے۔

معلم کے ضروری کی فہرست کچھ یوں سامنے آتی ہے۔

اسلامی عقائد سے باخبری۔ حق وباطل کا امتیاز قائم کرنا۔ عقیدہ کی درستی، حب کدا ور سول ﷺ طلبا سے مشفقانہ رویہ، ذہنی وروحانی

تربیت کے لئے کوشاں، تنگ نظری سے اجتناب، وسعت مطالعہ، دینی علوم سے شناسائی، جدید طریق تدریس کے استعمال سے آشنائی۔

(ہ) دیگر مسلم فلاسفر سے موازنہ:

امام احمد رضا خان فرماتے ہیں: ''رزق علم میں نہیں رزق تو رزاق کے پاس ہے۔ معلم تعلیم دیتے وقت اپنے پیش نظر ''للٰہیت'' کا نظریہ رکھے۔ گویا امام صاحب ان اساتذہ کو ناپسند فاماتے ہیں جو پیٹ کے غلام ہیں۔ مسلم مفکر امام غزالی علیہ الرحمۃ بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں، فرماتے ہیں: ''روحانی باپ کسی صلہ کے بغیر رضائے الٰہی کے لئے پڑھانے والا ہو''

جہاں تک طلباء کی تربیت کا تعلق ہے امام احمد رضا خاں تعلیمی عمل میں بچوں کی تعلیم وتربیت کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں، اپ کے نزدیک ''نرم لکڑی جدھر جھکاؤ ادھر جھک جاتی ہے۔''

حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمہ بھی اس سے مماثلت رکھتی رائے دیتے ہیں معلم کا کام بچوں کی روحانی واخلاقی تربیت ہے معلم صرف معلومات فراہم کرنے والی ایجنسی نہیں بلکہ معمار انسانیت ہے معلم صرف معلومات فراہم کرنے والی ایجنسی نہیں بلکہ معمار انسانیت ہے۔

متعلم مطلوب:

(الف) متعلم علم حقیقی اور اسلامی کردار سے سرشار ہو قادری (۲۰۰۲ء) امام صاحب کی تصنیفات وتالیفات کے حوالہ سے رقمطراز ہیں:

www.muftiakhtarrazakhan.com

''امام احمد رضا خاں چاہتے تھے کہ قوم کے نوجوان اللہ تعالیٰ عزوجل اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی رضا جوئی کی خاطر (اس نیت سے) وہ تمام جدید قدیم علوم حاصل کریں جس سے اسلام اور عالم انسانیت کا فائدہ ہو۔ مزید آپ طلباء کے نام یہ پیغام ارسال کرتے ہیں کہ عشق رسول ﷺ کے چراغ سے اپنے قلوب کو ہمہ وقت منور رکھو۔ ذکر رسول ﷺ اور اتباع سنت کے نور سے اپنی فکر وعمل کو جلا دیتے رہو اور علم حقیقی کے ہتھیار سے خود کو ہمیشہ مسلح رکھو۔'' (ص ۵)

اس پیراگراف پر تبصرہ کچھ یوں ہے۔

امام احمد رضا خاں کے نزدیک جدید وقدیم علوم کی تحصیل حالات زمانہ کی مجبوریوں کے پیش نظر بہت ہی ضروری ہے۔ امام صاحب واقعی ماہر تعلیم تھے آپ نے قوم کے ہونہاروں کے لئے جو روشن اصول وضع کئے ہیں وہ واقعی تحسین کے لائق ہیں۔ آپ کے نزدیک تعلیم کے حصول کا اصل مقصد رضائے الٰہی عزوجل اور عشق رسول ﷺ ہے۔

(ب) متعلم کے لئے استاد کی تعظیم وتکریم کی ہدایت:

امام احمد رضا خاں دینی علوم کے استاد کو محض استاد ہی نہیں خیال کرتے بلکہ اسے ''نائب انبیاء علیہم السلام'' قرار دیتے ہیں اور شاگرد کو اسے مقام کا لحاظ رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے امام احمد رضا خان (۱۹۹۶ء) فرماتے ہیں:

''عالم دین ہر مسلمان کے حق میں عموماً اور استاد علم دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصاً نائب حضور ﷺ ہے۔ اگر کوئی خلاف شرع بات کا حکم دے تو ہرگز نہ کرے۔ لا طاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالیٰ یعنی خدا تعالیٰ کی معصیت ونافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔ مگر اس کو نہ ماننے پر بھی گستاخی وبے ادبی سے پیش نہ آئے ۔۔۔۔۔ بکمال عاجزی وزاری معذرت کرے اور اگر اس کا حکم مباحات میں ہے تو حتی الامکان اس کی بجا آوری میں اپنی سعادت جانے ۔۔۔۔۔ جس سے اس کے استاد کو ایذا پہنچے وہ علم کی برکت سے محروم رہے گا۔ اور اگر اس کے احکام شرعیہ ہیں جب تو ظاہر ہے ان کا لزوم اور زیادہ ہو گیا۔ ان میں اس کی نافرمانی صریح راہ جہنم ہے۔''

مندرجہ بالا نثر پارے کا بغور جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ امام صاحب کی نظریۂ تعلیم کے مطابق استاد کا ہر جائز حکم ماننے میں دیر نہیں کرنی چاہیے، تساہل نہیں برتنی چاہیے۔ زندگی کے کسی اسٹیج پر بھی متعلم کو استاد کے احترام میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑنی چاہیے اور نافرمانی سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بہت ہی بڑی بدبختی ہے۔

اسی ضمن میں رضوی (س ن) نے امام احمد رضا خاں کا حوالہ نوٹ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ہارون رشید بادشاہ نے مامون رشید کی تعلیم کے لئے حضرت امام کسائی علیہ الرحمہ سے محل میں آنے کے لئے عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا یہاں پڑھانے نہ آؤں گا۔ شہزادہ میرے مکان پر ہی آجایا کرے۔ ہارون رشید نے عرض کی اچھا وہیں آجایا کرے گا مگر اس کا سبق پہلے ہو۔ فرمایا یہ بھی نہ ہوگا جو پہلے آئے گا اس کا سبق پہلے ہوگا۔ غرض مامون رشید نے پڑھنا شروع کیا۔ اتفاقاً ایک روز وہاں سے ہارون کا گزر ہوا۔ دیکھا کہ امام کسائی علیہ الرحمہ ہاتھ پاؤں دھو رہے ہیں اور مامون رشید پانی ڈالتا ہے۔ بادشاہ غضب ناک ہو کر سواری سے اترا اور مامون رشید کو کوڑا مارا اور کہا او بے ادب! خدا نے دو ہاتھ کس لئے دیئے ہیں۔ ایک ہاتھ سے پانی ڈال اور دوسرے سے ان کے ہاتھ پاؤں دھلا۔'' ص ۱۸۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

یہ تاریخی واقعہ اس حقیقت کی ترجمانی کررہا ہے کہ دنیا میں کوئی شخص کتنے ہی جاہ وحشمت کا مالک کیوں نہ ہو جب تک وہ اپنے استاد کا مؤدت بہ ہوگا بے مراد ہی رہے گا خواہ کوئی بادشاہ ہو یا گداگر۔ متعلم کے لئے استاد کا ادب واحترام بہت ضروری ہے۔ استاد کے ادب واحترام کے بغیر علم وعرفان سے آگہی کا تصور کان خیالی ہے۔

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں:

شاگرد کو استاد سے کسب فیض کے لئے اس کا شکر گزاری ہی رہنا چاہیے کیونکہ استاد کی ناشکری بڑی بھیانک اور زہر قاتل ہے۔ بقول امام احمد رضا خان (۱۹۹۶ء):

''استاد کی ناشکری بڑی بھیانک اور مرض قاتل ہے جس سے علم کی برکت زائل ہوجاتی ہے۔ حضور انور ﷺ کا فرمان ذی وقار ہے۔:

''من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا وہ خدا کا بھی شکر گزار نہیں:

استاد کی نافرمانی، ناشکری وناقدری باپ کے ساتھ نافرمانی کا حکم رکھتی ہے اس لئے کہا استاد بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔'' ص ۱۱

(ج) متعلم کی مطلوبہ لازمی صفات:

احمد (۲۰۰۱ء) نے نہایت انہماک اور رحان کا ہی کے ساتھ تعلیمات رضا کی روشنی میں متعلم کی درج ذیل صفات بیان کی ہیں:

(۱) تعلیم کا بنیادی مقصد خدا رسی اور رسول شناسی ہونا چاہیے۔

(۲) طلباء میں خودداری وخودشناسی کا جوہر پیدا کریں تاکہ وہ دست سوال دراز کرنے کے عادی نہ بن جائیں اور اپنا یہ جوہر کھو کر معاشرے کے لئے ایک بوجھ اور اسلام کے لئے ایک داغ نہ بن جائیں۔

(۳) طالب علم کے دل میں تعلیم اور متعلقات تعلیم کا احترام پیدا کیا جائے۔

(۴) طالب علم کو بری صحبت سے بچایا جائے کہ یہی عمر بننے اور سنورنے کی ہے۔

(۵) غیر نصابی سرگرمیوں کو پیش نظر رکھا جائے کہ کھیل اور سیر وتفریح طالب علم کے ذہن ودماغ کو طراوت بخشتے ہیں اور طبیعت کو نشاط وانبساط پہنچاتے ہیں جبکہ مسلسل تعلیم سے بچوں کی طبیعت اکتا جاتی ہے۔

(۶) امام صاحب کے نزدیک سکینت خصوصی اہمیت کی حامل ہے یعنی علمی ادارے کا ماحول پرسکون ہو، باوقار ہوتا کہ طالب لعم کے دل میں وحشت اور انتشار فکر نہ ہو۔ (ص ۳۱)

درج بالا سطور اس بات کی شہادت پیش کررہی ہیں کہ امام احمد رضا خان کے نزدیک متعلم کے لئے حمیت وغیرت، حرمت، صحبت اور سکینت کا ماحول از حد ضروری ہے جب تک یہ اقدار طالب علم کے دل ودماغ میں اچھی طرح راسخ نہ ہوجائیں طالب علم ترقی کی منازل نہ طے کرسکے گا۔

(د) متعلم کے لئے روحانی تعلیم کی ضرورت واہمیت:

امام احمد رضا خاں اسرار تصوف کے شناور اور لعل شب افروز طریقت تھے۔ آپ راہ سلوک کے لئے مرشد کامل کی

www.muftiakhtarrazakhan.com

حاجت کو متعلم کے لئے ضروری سمجھتے ہیں اس بابت مصباحی (۲۰۰۰ء) کا بیان ملاحظہ ہو:

"امام احمد رضا خان کے نزدیک تصوف کی منازل مرشد کامل کامل کی نگاہ عنایت اور دستگیری حاصل کرے کیونکہ یہ مسلم ہے کہ تصوف قرآن وسنت ہی کی روشنی اور بحر شریعت ہی کی ایک دل آویز موج ہے۔۔۔۔۔۔کامل مرشد کے بغیر طالب علم، علم تو حاصل کرے گا مگر فیضان نظر سے محروم رہے گا۔" (ص ۲۵)

امام احمد رضا خاں نے عارفانہ نقطۂ نظر سے تصوف کو بڑے دل آویز وارفتگی وشوق اور سوز وساز کے پیرایہ میں رقم فرمایا ہے۔ دل ودماغ کی مکمل توجہ سمیٹ کر امام احمد رضا خاں (س ن) کا درج ذیل نثر پارہ ملاحظہ فرمائیے:

"پیر صادق قبلۂ توجہ ہے۔۔۔۔۔۔۔اور قبلہ سے انحراف، نماز کو جواب صاف بانکہ اینما تولوا فثم وجہ اللہ فرماتے ہیں پھر بھی طالبان وجہ اللہ کو حکم یہی سناتے ہیں کہ حیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطر المسجد الحرام۔۔۔۔ یہ محل محل تحری ہے۔۔۔۔۔۔اور صاحب تحری کا قبلہ تحری، یا ہذا ارباب وفا آقایان دنیا کا دروازہ چھوڑ کر دوسرے در پر جانا کور نمکی جانتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔؟ سراینجا، سجدہ اینجا، بندگی اینجا، قرار اینجا۔ پھر احسانات دنیا کو حضرت شیخ سے کیا نسبت عجب اس سے کہ محبت واخلاص پیر کا دعویٰ کرے اور اس کے ہوتے ہوئے ایں وآں کا دم بھرے۔

چوں دل با دلیری آرام گیرد — زوصل دیگر کئے کام گیرد
نہی صد دستہ ریحان پیش بلبل — نخواہد خاطرش نکہت گل (ص ۲۲)

نتیجہ:

مذکورہ بحث کا جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا خاں نے معلم کے لئے للّٰہیت کو لازم ٹھہرایا ہے۔ آپ کے نزدیک معلم کو اخلاص کی ولت سے مالا مال ہونا چاہیے کیونکہ تمام مجاہدات وعبادات کی اصل اخلاص ہے۔ حضرت یحیٰ بن معاذ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اخلاص عیبوں سے عمل کو ایسا جدا کرتا ہے جیسے دودھ گوبر اور خون سے علیحدہ ہوا کرتا ہے۔ نام ونمود یا حرص وریاکاری کی جہت سے حاصل ہونے والی شہادت بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں۔

ایک معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتب تعلیم کا احترام کرے، عبارت کتب میں اپنی طرف سے اضافہ نہ کرے، سزا سے اجتناب برتے، متعلم کو اس کی استعداد کے مطابق سیراب کرے، جدید طریق تدریس سے آشنائی حاصل کر کے بچوں کو نئے رجحانات وتیکنیکس متعارف کرائے۔

جہاں تک متعلم کا تعلق ہے اسے اپنے آپ کو علم حقیقی کے ہتھیار سے خود کو ہمیشہ مسلح رکھنا چاہئے۔ کیونکہ ادب واحترام کے بغیر علم وعرفان سے آگہی کا تصور خام خیال ہے۔ امام صاحب کے نظریۂ تعلیم کے مطابق طالب علم اس وقت تک ترقی کی منازل نہ طے کر سکے گا جب تک اس میں تعظیم استاد، حمیت وغیرت، حرمت، محبت، تواضع جیسی صفات، اقدار نہ پائی جائیں۔

حوالہ جات:

(۱) احمد، محمد مسعود ڈاکٹر (۲۰۰۱) امام احمد رضا خان کے تعلیمی نظریات، منظر اسلام۔ ماہنامہ معارف رضا۔ صد سالہ جشن دار العلوم منظر اسلام بریلی نمبر، شمارہ ۳۸، ۳۹، ۳۰، کراچی ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (صفحات ۳۱، ۶۸، ۷۱، ۷۲۔)

www.muftiakhtarrazakhan.com

(۲) اظہر، ظہور احمد ڈاکٹر (۲۰۰۳ء) مولانا احمد رضا خان اور احترام استاد، ماہنامہ نوائے اساتذہ، شمارہ ۵، جلد ۱۴، خصوصی نمبر امام احمد رضا ایجوکیشنل کانفرنس، لاہور: القمر آرٹ پبلیکیشنز (صفحہ ۲۳)

(۳) امام احمد رضا خاں (۱۹۸۸ء) فتاویٰ رضویہ جلد دہم، کراچی، ادارہ تصنیفات امام احمد رضا (صفحہ ۴۳۱)

(۴) امام احمد رضا خاں (۱۹۹۴ء) استاد کے حقوق، مرتبہ اقبال احمد اختر القادری۔ لاہور بزم عاشقان مصطفی (صفحہ ۱۱)

(۵) امام احمد رضا (س ن) نقاء السلافۃ فی احکام البیعت والخلافۃ۔ بمبئی۔ رضا اکیڈمی (صفحہ ۲۲، ۲۳)

(۶) جندران، سلیم اللہ (۲۰۰۲ء) امام احمد رضا کا طریقۂ تدریس ماہنامہ معارف رضا شمارہ ۴۶، کراچی۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (صفحہ ۲۱، ۲۲)

(۷) رضوی محمد الیاس (س ن) المعلم والمتعلم کراچی۔ مکتبۃ المدینہ شہید مسجد کھارادر (صفحہ ۱۸)

(۸) افضل محمد و عبد القیوم چوہدری (۱۹۹۱ء) اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلیمی نظریات وافکار (غیر مطبوعہ مقالہ ایم اے سیکنڈری ایجوکیشن) لاہور: ادارہ تعلیم و تحقیق جامعہ پنجاب (صفحات ۱۱۰، ۱۱۱)

(۹) اعلیٰ ذوالفقار واحمد، غلام (۱۹۹۹ء) امام احمد رضا خاں کے تعلیمی نظریات کا جائزہ (غیر مطبوعہ مقالہ ایم اے سیکنڈری ایجوکیشن) لاہور: ادارہ تعلیم و تحقیق جامعہ پنجاب (صفحات ۵۵)

(۱۰) قادری وجاہت رسول (۲۰۰۲ء) اپنی بات اداریہ ماہنامہ معارف رضا شمارہ ۴۴ کراچی۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (صفحہ ۵)

(۱۱) مصباحی، مبارک حسین (۲۰۰۰ء) تصوف اور اعلیٰ حضرت ماہنامہ معارف رضا شمارہ مئی جون۔ کراچی۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (صفحہ ۲۰)

(۱۲) skinner, charles, (1984) Edu psuchology E.P) prentice Hall of india Limited Delhi. 434

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا! امامِ تصنیف وتالیف

از: مفتی محمد عاقل رضوی
صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشق رسول اکرم اور اپنے تجدیدی کارناموں کی وجہ سے شہرۂ آفاق شخصیت کے حامل ہیں۔ اصحاب علم وفضل، عوام وخواص، اپنے بیگانے، سب ان کی عظمت کے قائل اور معترف ہیں۔

پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں ان کی گراں قدر تصانیف سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس عظیم شان کا محقق و مصنف، فقیہ ومحدث صدیوں میں نظر نہیں آتا۔ فقہ وافتاء میں قوتِ استحضار، ندرتِ استدلال، دلائل کی کثرت، فقہاء کے مختلف اقوال میں تطبیق وترجیح ان سب کے ساتھ فضلِ الٰہی وعطائے رسول اکرم اسے علم وہبی کے دلکش نظاروں نے امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات کو اصحاب علم وفضل اور عوام سبھی کا مرجع فتاویٰ بنا دیا۔ بلاشبہ وہ اپنے زمانے کے سب سے عظیم محدث وفقیہ ہونے کے ساتھ دیگر تمام علوم میں بھی سب سے فائق اور سب کے امام تھے۔

فقہ وافتاء میں امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرۂ امتیاز یہ رہا کہ وہ مسئلہ کی نزاکت، حال وماحول کی ضرورت کے پیش نظر بہت سارے سوالوں کے جواب میں مسئلہ کی شرح وبسط کے ساتھ اس شان سے وضاحت فرماتے کہ مسئلہ دائرہ کا کوئی بھی گوشہ تشنۂ تحقیق نہ رہتا، نہ اس پر مزید کچھ لکھنے کی گنجائش، نہ مخالف کو مجالِ دم زدن۔ اور وہ سائل کے جواب میں ایک مستقل رسالہ کی تصنیف ہوتی جس کو آپ تاریخی نام کے ساتھ موسوم بھی فرماتے۔

"سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح" کو ہی دیکھئے یہ امکانِ کذب الٰہی کے بارے میں ایک استفتاء کا جواب ہے مگر چونکہ علمائے دیوبند وگنگوہ امکان کذب الٰہی کے قائل تھے۔ جیسا کہ انہوں نے براہین قاطعہ میں لکھا اور تقریروں میں بھی ان کا اظہار کرنے لگے تھے ان حالات کے پیش نظر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف مختصر یا متوسط جواب تحریر نہیں فرمایا بلکہ اس جواب کو ایک مقدمہ، چار تنزیہات اور ایک خاتمہ پر مرتب فرمایا اور امکانِ کذب الٰہی کے محال ہونے پر تیس (۳۰) دلیلیں قائم فرمائیں۔ اور فرمایا کہ ان تیس دلیلوں میں پانچ دلیلیں اسلاف سے منقول ہیں، اور پچیس دلیلیں ھادئ اجل عزوجل کے فیض ازل سے قلب فقیر پر القا کی گئیں۔

دلیلیں پڑھئے تو پڑھتے رہ جایئے: سطر سطر میں علم وہبی کی جلوہ گری نمایاں طور پر محسوس ہوگی۔ رسالہ کے آخر میں جو تحریر فرمایا، ناظرین اس پر خاص توجہ فرمائیں۔

للہ الحمد والمنہ! کہ آج اس مبارک رسالے، سنت کے قبالے، رنگِ صدق جمانے والے، زنگ کذب مٹانے والے، علوم دینیہ میں

www.muftiakhtarrazakhan.com

تصانیف فقیر نے سو کا عدد کامل پایا۔

واضح رہے کہ سوال کے جواب میں لکھے جانے والے رسالے کے تصنیف ہونے کی وضاحت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے رسالوں کے آخر میں بھی فرمائی ہے۔ جیسا کہ "الوفاق المتین بین سماع الدفین و جواب الیمین" کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

> الحمد للہ آج اس رسالہ سے تصانیف فقیر کا عدد ایک سواسی ہوا۔ اکرم الاکرمین جل جلالہ قبول فرمائے اور فقیر حقیر اور اہل سنت کے لئے دارین میں حجت نجات بنائے آمین۔ حسن اتفاق یہ کہ یہ رسالہ سمع ارواح کے بارے میں ہے اور شمار تصنیف میں ایک سواسی۔ اور اسمائے الٰہیہ میں صفت سمع پر دال اسم پاک "سمیع" اس کے عدد بھی یہی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ دونوں تحریریں اس بات کی واضح دلیل بلکہ نص جلی ہیں کہ سائل کا جواب اگر مستقل رسالہ کی شکل پر مرتب ہو، اور مجیب اس کو مستقل نام کے ساتھ موسوم کردے، تو وہ اس کی مستقل تصنیف ہوتی ہے۔ جیسا کہ عوام وخواص بھی جانتے مانتے ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام سوانح نگار، اعلیٰ حضرت کی تصریح کے مطابق ان تمام رسائل کو بھی تصانیف امام احمد رضا میں شمار کرتے آئے ہیں۔ خود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مولوی رحمٰن علی صاحب نے فارسی زبان میں جو "تذکرۂ علمائے ہند" نامی کتاب ترتیب دی، اس میں اعلیٰ حضرت اور تصانیف اعلیٰ حضرت کا تفصیلی ذکر کیا۔ خاص پہلو یہ ہے کہ انہوں نے تصانیف میں ان کتابوں کو بھی شامل کیا جو کسی سوال کا جواب نہیں اور ان رسالوں کو بھی جو کسی سوال کے جواب میں تحریر کئے گئے۔ مذکورہ بالا اعلیٰ حضرت کی تصریح اور سیرت نگار مؤرخین کی وضاحت کے بعد اس میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ تصانیف اعلیٰ حضرت کے وسیع دائرے میں دونوں طرح کی تصانیف داخل ہیں، ہاں یہ حقیقت ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف کا ایک اہم حصہ وہ مبارک رسالے ہیں جو سائل کے جواب میں تحریر کئے گئے، اسی حیثیت سے وہ رسائل، فتاویٰ رضویہ، میں شامل ہیں۔ لیکن سائل کا جواب ہونے یا فتاویٰ رضویہ میں شامل ہونے کی وجہ سے ان کی مستقل تصنیف ہونے کی حیثیت ختم نہیں ہوجاتی جیسا کہ مختلف کتابوں کو ایک ساتھ شائع کرنے پر بھی ہر ایک مستقل کتاب، مستقل کتاب، ہی رہتی ہے۔ بلکہ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسائل دلائل و براہین کی کثرت، استدلال کی ندرت کی وجہ سے دوسروں کی ضخیم کتابوں پر فائق اور حاوی نظر آتے ہیں۔

اس لحاظ سے بھی غور کرنا چاہئے کہ عرف فقہاء و مسلمین بھی اس بات کا شاہد ہے کہ فتویٰ کسی خاص نام کے ساتھ موسوم نہیں ہوتا، اگر فقیہ و مفتی اپنا مدلل و مفصل جواب لکھ کر کسی مستقل نام کے ساتھ موسوم کردے تو اس کو، اس کی تصنیف ہی کہا جاتا ہے۔

عصر حاضر کے مشہور مفتی، محقق مسائل جدیدہ حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی اکثر کتابیں جیسے، عصمت انبیاء، شیئر بازار کے مسائل، انسانی خون سے علاج کا شرعی حکم، تحصیل صدقات پر کمیشن کا حکم، اعضاء کی پیوندکاری، فلیٹوں کی خرید وفروخت کے جدید طریقے، آنکھ اور ناک میں دوا ڈالنا مفسد صوم ہے یا نہیں،

www.muftiakhtarrazakhan.com

نیٹ ورک مارکٹنگ کا شرعی حکم، جدید بینک کاری اور اسلام وغیرہ مجلس شرعی کے سوالات کے جوابات ہیں، حالانکہ عوام وخواص سب انہیں مفتی صاحب کی تصنیف اور مفتی صاحب کو ان کا مصنف کہتے ہیں اور وہ بھی انہیں اپنی تصنیف شمار کرتے ہیں۔

وجہ وہی ہے کہ جب اس کو مستقل نام کے ساتھ موسوم کر دیا گیا تو وہ تصنیف کہلائے گی اور جواب دینے والا مصنف۔

ہاں یہ سچ ہے کہ اب تک جو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف منظر عام پر آئیں ان میں وہ تصانیف زیادہ ہیں جو کسی سوال کے جواب میں تحریر کی گئیں ہیں، اگر چہ ان تصانیف کی تعداد بھی کسی طرح کم نہیں جو کسی سوال کے جواب میں نہیں مثلاً □ الفرق الوجیز بین السنی العزیز والوھابی الرجیز۔ اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفیٰ والآل والاصحاب۔ تمہید ایمان بآیات قرآن۔ دفع زیغ زاغ۔ ابحاث اخیرہ۔ قوارع القھار علی المجسمۃ الفجار۔ برکات السماء فی حکم اسراف الماء۔ قھر الدیان علی مرتد بقادیان۔ الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی۔ مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین۔ اجلی نجوم رجیم بر "ایڈیٹر" النجم۔ مجلی العروس و مراد النفوس۔ القول انجح لاتحاق الحق الصریح۔ اطائب الصیب علی ارض الطیب۔ قانون رؤیت اھلۃ۔ فوز مبین در رد حرکت زمین۔ الکلمۃ الملھمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ لوھاء فلسفۃ المشئمۃ۔ کشف العلۃ عن سمت القبلۃ۔ جد الممتار۔ تاج توقیت۔ البرھان القویم علی العرض والتقویم۔ رسالۃ فی علم الجفر۔ اجلی الاعلام ان الفتوی مطلقا علی قول الامام۔ انور والنور لاسفار الماء المطلق۔ الدقۃ والتبیان لعلم الرقۃ والسیلان۔ سمع الندری فیما یورث العجز من الماء۔ الظفر لقول زفر۔ المطر السعید علی نبت جنس الصعید۔ عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی۔ قوانین العلماء فی متیمم عند زید ماء۔ الطلبۃ البدیعۃ فی قول صدر الشریعۃ۔ مجلی السمعۃ لجامع حدث و لمعۃ۔ انوار المنان فی توحید القرآن۔ انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ۔ ازھار الانوار من صبا صلاۃ الاسرار۔ النیرۃ الوضیۃ شرح الجوھرۃ المضیۃ مع حاشیۃ الطرۃ الرضیۃ۔ خالص الاعتقاد۔ منیۃ اللبیب ان التشریع بید الحبیب۔ ماحیۃ العیب بعلم الغیب۔ الوفاق المتین بین سماع الدفین و جواب الیمین۔ ھدی الحیر ان فی نفی الفئ عن سید الاکوان۔ الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریۃ وغیرہ یہ وہ تصانیف ہیں جو کسی صریح سوال کے جواب کے طور پر نہیں لکھی گئیں۔

ان شواہد کی روشنی میں تحقیقی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایسی تصانیف کی تعداد ایک دو یا چند نہیں بلکہ بہت ہے جو دوسرے مصنفین کی زندگی بھر کی تمام تر تصانیف پر بہر اعتبار بھاری ہے اس لئے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے ان تصانیف میں وہ رنگِ تحقیق جمایا جو تصنیف وتالیف میں ان کی امامت وسیادت اجاگر و نمایاں کرنے کے لئے کافی وشافی ہے وہ سیکڑوں رسائل الگ ہیں جو سوال کے جواب میں تحریر کئے گئے۔

یہ بھی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمالِ شان کا پہلو ہے کہ ہزاروں مدلل فتاویٰ کے ساتھ آپ کی کثیر تصانیف بھی نوع بنوع ہیں اور شروح اور حواشی اس پر مستزاد۔ اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ ہوں یا تصانیف یا شروح وحواشی یہ سب اہل سنت کا وہ قابل افتخار سرمایہ ہے جو کسی بھی دوسری جماعت کے پاس نہیں۔

جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مولانا شاہ محرم علی صاحب چشتی، صدر ثانی انجمن نعمانیہ لاہور کے ۱۰ سوالوں کے جواب میں جو تفصیلی تحریر ہے اس کا یہ حصہ موقع کی مناسبت سے نقل کیا جاتا ہے:

"نیاز مند کی چار سو تصانیف سے صرف کچھ اوپر سو اب تک مطبوع ہوئیں اور ہزاروں کی تعداد میں بلا معاوضہ تقسیم ہوئیں۔"

www.muftiakhtarrazakhan.com

اعلیٰ حضرت کی اس تحریر سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ اعلیٰ حضرت بلاشبہ امام تصنیف وتالیف اور امام اہل سنت ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ تصانیف اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عام سے عام تر کیا جائے اور مل جل کر مذہب اہل سنت مسلک اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترویج واشاعت کی جائے۔ایسا کوئی کام نہ کیا جائے جو جماعتی شیرازہ بندی میں خلل انداز ہو یا ذہنی الجھاؤ اور انتشار کا سبب بنے۔

واضح رہے کہ مذہب اہل سنت، مسلک اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کام کرنے والے تمام افراد قابل قدر اور لائق صد افتخار ہیں، یادر ہے کہ فتنوں کے اس دور میں ہم سب کا ایک ہی علامتی نشان ہے وہ ہے! مسلک اعلیٰ حضرت ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

اللہ رب العزت ہم سب کو اپنے اکابر کے نقش قدم پر قائم رہ کر مذہب اہل سنت، مسلک اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترویج و اشاعت کا حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبک الکریم علیہ افضل التحیۃ والتسلیم

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور جنوبی ہند میں ان پر تحقیقی مقالات

از: مولانا عرفان محی الدین قادری ربانی
ریسرچ اسکالر عثمانیہ یونیورسٹی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی پر جنوبی ہند میں چار تحقیقی مقالات پیش کئے گئے، ایک اردو زبان میں پی، ایچ، ڈی بقیہ تین مقالات عربی زبان میں پیش کئے گئے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر عربی زبان میں ہند و پاک میں صرف ایک پی، ایچ، ڈی کا ذکر ملتا ہے۔

(۱) ڈاکٹر شاہد علی نورانی نے پنجاب یونیورسٹی لاہور پاکستان سے ''الشیخ احمد رضا شاعرا عربیا مع تدوین دیوانہ العربی'' پر مقالہ پیش کیا اور انہیں ۲۰۰۴ میں ڈگری تفویض کی گئی، اسی پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹر محمد اسحاق جلالی صاحب نے ''الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی'' پر پی، ایچ، ڈی کی ہے لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ عربی زبان میں یا اردو زبان میں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر ہندوستان میں ایک بھی Ph.D عربی زبان میں نہیں ہوئی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر جنوبی ہند میں جو تحقیقی مقالات پیش کئے گئے ان میں ایک Ph.D کا مقالہ ہے اور تین (M.Phil) ایم فل کے مقالات ہیں۔

(۱) مولانا غلام مصطفی نجم القادری صاحب نے میسور یونیورسٹی سے ''امام احمد رضا اور عشق مصطفی پر اپنا مقالہ پی، ایچ، ڈی Ph.D اردو میں پیش کیا اور انہیں ڈگری تفویض کی گئی۔ عربی زبان میں تین (M.Phil) ایم فل کے مقالات پیش کئے گئے جس کی تفصیل یہ ہے (۱) ڈاکٹر سید غوث محی الدین عرف اعظم پاشاہ خانوادۂ موسویہ حیدرآباد کے چشم و چراغ کو شعبۂ عربی عثمانیہ یونیورسٹی سے ڈاکٹر غلام محمد کے زیر نگرانی ''الشیخ احمد رضا خاں حیاتہ واعمالہ'' پر 1990 میں ڈگری تفویض کی گئی۔

(۲) مولانا محمد مصطفی علی مصباحی تمل ناڈو چشتی کی خانقاہ قادریہ سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے شعبہ عربی نیو کالج ملحقہ مدراس یونیورسٹی سے ڈاکٹر احمد زبیر پروفیسر نیو کالج چنئی تمل ناڈو کے زیر نگرانی ''مساہمۃ الشیخ احمد رضا خاں فی الادب العربی'' پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ ۲۰۰۰ء میں ڈگری تفویض کی گئی۔

(۳) تیسرا مقالہ مجھ ناچیز محمد عرفان محی الدین کا ہے جو ''دراسۃ عن الحواشی للعلامۃ احمد رضا خان علی امہات الکتب فی الحدیث الشریف'' پر تحریر کیا گیا یہ مقالہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے حدیثی مخطوطات پر پیش کیا گیا۔ پروفیسر محمد مصطفیٰ شریف صدر شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی کے زیر نگرانی تکمیل ہوا ۲۰۰۹ میں ڈگری تفویض کی گئی۔

جنوبی ہند کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں سے تین مقالات عربی زبان میں پیش کئے گئے۔ حاشیہ جد الممتار بھی حیدرآباد ہند سے پہلی مطبع عزیزیہ سے شائع ہوا۔ ۱۹۷۸ء میں راست علامہ محمد احمد مصباحی صاحب کے زیر نگرانی اسی کی اشاعت عمل میں آئی۔

حیدرآباد کے چند نامور محققین عثمانیہ یونیورسٹی نے اپنے مقالات کئی سیمینار میں پیش کئے ہیں۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

(۱) پروفیسر عبدالمجید نظامی صاحب سابق صدر شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی نے (EFLU-Foreign Languages University) میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر مقالہ پیش کیا۔

(۲) پروفیسر محمد مصطفیٰ شریف صاحب صدر شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی نے گلبرگہ میں ''امام احمد رضا کانفرس'' میں امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت پر اردو میں مقالہ پیش فرمایا۔

(۳) ڈاکٹر شجاع الدین قادری عزیز شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی نے سالار جنگ میوزیم میں ''سیرت النبی کانفرنس'' میں ''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور سیرت النبی'' پر اپنا مقالہ پیش کیا۔

(۴) ڈاکٹر عمادالدین نے مدراس یونیورسٹی میں علم حدیث کے ایک سیمینار میں '' مساہمۃ الشیخ احمد رضا خاں فی علم الحدیث'' پر اپنا مقالہ عربی زبان میں پیش کیا۔

(۴) محمد عرفان محی الدین نے ابتک اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر عربی زبان میں تین مقالات پیش کیا ہے ''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور کتب تعریب'' یہ مقالہ عربی میں ایک ترجمہ کے سیمینار میں پیش کیا گیا، دوسرا مقالہ ''ہندو عراقی ادب'' کے سیمینار میں ''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور علماء عراق'' پر پیش کیا گیا، اس مقالے میں ڈاکٹر رشید عبدالرحمن العبیدی کی تحقیق شدہ کتاب ''قصیدتان رائعتان'' جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے عربی اشعار پر مشتمل ہے اور ''شاعر من الھند'' ڈاکٹر محمد مجید السعید کی تصنیف ہے جس میں ''بساتین الغفران'' اعلیٰ حضرت کے عربی دیوان پر بحث کی گئی ہے ''الدولۃ المکیہ'' پر تقاریض لکھنے والے عراقی علماء میں شیخ محمد سعید بن عبدالقادر النقشبندی البغدادی اور الشیخ یوسف عطا البغدادی کے نام ملتے ہیں، ڈاکٹر رشید عبدالرحمن العبیدی اور ڈاکٹر السعید کا تعلق صدام یونیورسٹی عراق سے ہے۔

تیسرا مقالہ ''مساہمۃ الشیخ احمد رضا خان فی علم الحدیث الشریف ومقاومۃ البدع والردعلیہا'' پر پیش کیا گیا۔ یہ سیمینار حدیث شریف سماجی مسائل حل کرنے میں کتنی مؤثر ہے اسی پر یہ سیمینار منعقد ہوا اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے حدیث شریف کے ذریعہ سماجی مسائل کو حل فرمایا، ہندوستان کے غلط رسوم وبدعات پر اپنی گرانقدر تصنیفات لکھی ہیں۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

باب چہارم

شعریات

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور ان کی نعتیہ شاعری

از : ڈاکٹر غلام مصطفی خان، پاکستان

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے فضل و کمالات، ذہانت و فطانت، طباعی اور دراکی کے سامنے بڑے بڑے علماء فضلاء، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، محققین اور مستشرقین نظروں میں نہیں جچتے۔ مختصر یہ ہے کہ وہ کون سا علم ہے جو انہیں نہیں آتا تھا وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے، شعر و ادب میں بھی ان کا لوہا ماننا پڑتا ہے اور میرا تو ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ اگر صرف محاوارت و مصطلحات، ضرب الامثال میں بھی اور بیان و بدیع کے متعلق تمام الفاظ ان کی جملہ تصانیف سے یکجا کر لئے جائیں تو ایک ضخیم لغت تیار ہو سکتی ہے ہم یہاں اجمالی طور پر ان کی اردو شاعری کا ذکر کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت چونکہ عالم متبحر اور فاضل کامل تھے اس لئے ان کی اردو شاعری میں بکثرت قرآنی آیات کے حوالے آتے ہیں مثلاً:

ورفعنا لک ذکر کا ہے سایہ تجھ پر — بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا ترا
انت فیھم نے عدو کو بھی لیا دامن میں — عیش جاوید مبارک تجھے شیدائی دوست
وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا — کہ کلام مجید نے کھائی شہا تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم
مجرم بلائے آئے ہیں جاء وک ہے گواہ — پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے
مومن ہوں مومنوں پہ رؤف الرحیم ہو — سائل ہوں سائلوں کو خوشی لا نہر کی ہے
فاذ فرغت فانصب یہ ملا ہے تم کو منصب — جو گدا بنا چکے اب اٹھو وقت بخشش آیا
کرو قسمت عطایا
غنچۂ ما اوحیٰ کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں — بلبل سرزہ تک انکی بو سے بھی محروم نہیں
ایسا امی کس لئے منت کش استاذ ہو — کیا کفایت اسکو اقراء ربک الاکرم نہیں
رحمۃ اللعالمین تیری دہائی رب گیا — اب تو مولیٰ بے طرح سر پر گنہ کا بار ہے

اب ایک ہی زمین کے اشعار میں احادیث مبارکہ کا استعمال دیکھئے مثلاً:

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے — حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے
ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میرے نخل — اس گل کی یاد میں یہ صدا بوالبشر کی ہے
ماؤ شما تو کیا کہ خلیل جلیل کو — کل دیکھنا کہ ان سے تمنا نظر کی ہے

اعلیٰ حضرت نے تلمیحات بھی بہت استعمال کی ہیں مثلاً ایک ہی غزل میں یہ تلمیحات ملاحظہ ہوں:

www.muftiakhtarrazakhan.com

بندہ ملنے کو قریب حضرت قادر گیا ‏ لمعہ باطن میں گمنے جلوہ ظاہر گیا
میں ترے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ ‏ جن سے اتنے کافروں کا دفعتہ منہ پھر گیا
کیوں جناب بو ہریرہؓ تھا وہ کیسا جام شیر ‏ جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

پھر اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ وہ کوئی ایسی نعت لکھتے جو بے مثل ہوتی چنانچہ ایک نعت انہوں نے صنعت ملمع میں لکھی۔ دراصل ملمع اس صنعت کو کہتے ہیں کہ ایک مصرع یا شعر عربی کا ہو اور دوسرا مصرع یا دوسرا شعر فارسی کا ہو۔ اس میں زیادہ سے زیادہ بیس اشعار ہوا کرتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں۔

ملمع مکشوف یعنی جب ایک مصرع عربی میں اور ایک فارسی میں۔ ملمع محجوب یعنی جب ایک شعر عربی میں ہو اور دوسرا فارسی میں لیکن اعلیٰ حضرت نے ایسے ملمع اشعار لکھے ہیں جن میں عربی، فارسی، ہندی (بھاشا) اور اردو چار زبانوں کے الفاظ ہیں:

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

البحر علا والموج طغٰی من بیکس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

یا شمس نظرت الی لیلی چو بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا

انا فی عطش وسخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا

سبحان اللہ کیسے پیارے اشعار ہیں کہ پڑھنے والا جھومنے لگتا ہے یہ کل دس اشعار ہیں اور مقطع یہ ہے:

بس خامہ خام نوائے رضا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشادِ احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

اس شعر سے ظاہر ہے کہ عقیدت مندوں کی درخواست پر اعلیٰ حضرت نے یہ ملمع لکھا ہوگا پھر ایک غزل محاسبہ نفس کے لئے ہے اور ایسی مرصع ہے کہ جدید اردو شاعری بھی اس پر ناز کرے گی اس کے چند اشعار یہ ہیں:

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھڑی تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے

www.muftiakhtarrazakhan.com

سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیرے مت ہی نرالی ہے

بادل گرجے بجلی تڑپے دھک سے کلیجہ ہو جائے
بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے

پھر پھر کر ہر جانب دیکھوں کوئی آس نہ پاس کہیں
ہاں اک ٹوٹی آس نے ہارے جی سے رفاقت پالی ہے

پھر ایک قصیدہ مرصع بھی ہے جس کے ہر پہلے مصرع کے آخر میں بالترتیب حروف تہجی آتے ہیں مطلع یہ ہے:

کعبے کے بدالدجےٰ تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود

یعنی یہاں پہلے مصرع میں ردیف سے پہلے الف ہے اور چند اشعار کے بعد پہلے مصرع کا آخری حرف ''ب'' آتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب
نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروڑوں درود

ایسے دو شعر ہیں پھر ''ت'' آخری حرف پہلے مصرع میں آتا ہے:

تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا ثبات
اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروڑوں درود

اس ترتیب سے اشعار آخر تک آتے ہیں، ان کے علاوہ صنعت اتصال تربیعی صنعت سوال وجواب وغیرہ کا استعمال بھی ہے اور فارسی کی رباعیوں کے قوافی میں بھی حروف تہجی کی ترتیب ملحوظ رکھی ہے۔

اعلیٰ حضرت کے شعری محاسن میں زبان وبیان کی بکثرت خصوصیات ہیں یہاں چند خصوصیات اجمالاً عرض کی جاتی ہیں دوسرے مجموعہ کلام میں تجنیس مماثل ''تجنیس مستوفی'' تجنیس زائد وغیرہ کی بکثرت مثالیں پائی جاتی ہیں ہم آسانی کے لئے ان مصطلحات کو ترک کر کے صرف اس قدر عرض کریں گے کہ اعلیٰ حضرت الفاظ کی تکرار سے بات سے بات پیدا کر دیتے ہیں مثلاً:

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
''نہیں'' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

جو گدا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

ہے تو رضا نرا ستم جرم پہ گر لجائیں ہم
کوئی بجائے سوز غم ساز طرب بجائے کیوں

یہ کتاب کن میں آیا طرفہ آیہ نور کا
غیر قائل کچھ نہ سمجھا کوئی معنی نور کا

یہاں چھڑکا نمک واں مرہم کافور ہاتھ آیا
دل زخمی نمک پروردہ ہے کس کی ملاحت کا

سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

www.muftiakhtarrazakhan.com

پھر ایک جگہ تو لفظ کی رعایت سے کتنے مضامین تیار کئے ہیں فرماتے ہیں:

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا　　　خاکی تو وہ آدم جد اعلیٰ ہے ہمارا
ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی　　　آباد رضا جس پہ مدینہ ہے ہمارا

حسن تعلیل کی بڑی نادر مثالیں ملتی ہیں مثلاً:

ڈوبا ہوا ہے شوق میں زمزم اور آنکھ سے　　　جھالے برس رہے ہیں یہ حسرت کدھر کی ہے
دیکھو قرآن میں شب قدر ہے مطلع فجر　　　یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو
شرم سے جھکتی ہے محراب کہ ساجد ہیں حضور　　　سجدہ کرواتی ہے کعبہ سے جبیں سائی دوست

اس قسم کی عمدہ مثالیں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً:

دندان ولب و زلف و رخ شاہ کے فدائی　　　ہیں ور عدن لعل یمن مشک ختن پھول

اس کے بعد اور مشہور قصیدہ ہے جس میں بکثرت محاورات ہیں کچھ اشعار یہ ہیں:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا　　　صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
تیئ پر نور پر رخشاں ہے بکہ نور کا　　　ہے لواء الحمد پر اڑتا پھریرا نور کا
تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا　　　سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

محاورات کی چند اور مثالیں ملاحظہ ہوں:

اے دل یہ سلگنا کیا جلنا ہے تو جل بھی اٹھ　　　دم گھٹنے لگا ظالم کیا دھونی رمائی ہے

اعلیٰ حضرت کی شاعری کی یہ چند خصوصیات عرض کی گئیں اگر مزید غور کیا جائے تو اور بھی محاسن نظر آئیں گے لیکن ان تمام محاسن پر غالب ایک چیز ہے اور وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ان کی تعلیم اور ان کا پیام بھی صرف یہی ہے:

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضاؔ اول گیا آخر گیا

پھر کس بے قراری سے یہ شعر صفحہ قرطاس پر آیا:

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینہ پہنچے
تم نہیں چلتے رضا تو سامان گیا

❖❖❖

www.muftiakhtarrazakhan.com

امام احمد رضا اور ان کی میلاد نگاری

از: ڈاکٹر مظفر عالم جاوید صدیقی، پاکستان

مولانا احمد رضا خاں اُردو، فارسی اور عربی زبانوں کے انشا پرداز، خطیب، واعظ، مناظر، فقیہہ، محدث، مفکر، مفسر، مصنف اور مولف تھے۔ شاعری میں بھی کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ اُنھوں نے تقریباً تمام علوم میں علمی یادگاریں چھوڑی ہیں۔

'تجلی الیقین مع تمہید ایمان' ان کا میلادنامہ ہے۔ اس کا سال تصنیف ۱۸۸۵ء ہے۔ اور ۱۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میلادنامے میں آیاتِ قرآنی واحادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدالمرسلین اور خاتم النبیین ہیں۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مقدسہ سے لے کر فتح مکہ تک کے تمام حالات وفضائل پوری وضاحت اور تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں میلاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بھی تمام احادیث وآیات جمع کی گئی ہیں۔ اس میلادنامے میں چار باب ہیں اور ہر باب کا نام ہیکل تجویز کیا گیا ہے۔

ہیکل اوّل میں آیاتِ جلیلہ ہیکل دوم میں احادیث جمیلہ کا بیان ہے۔ ہیکل دوم کی تابش اوّل میں چندوحی ربانی، تابش دوم میں ارشاداتِ عالیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تابش سوم اور طرقِ روایات حدیث تابش چہارم میں صحابہ کبارؓ کے آثار واخبار اور اقوال علمائے کتب سابقہ مرقوم ہیں۔ ان سب روایات کو معتبر مستند کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے اور حاشیہ میں ان تمام کتابوں کی وضاحت کردی گئی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں نے میلادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں نثر کے علاوہ اپنی میلادیہ ونعتیہ شاعری میں بھی جابجا اس موضوع کے حوالے سے کبھی نہ بجھ سکنے والے چراغ روشن کیے ہیں۔ محافل میلاد میں مولانا احمد رضا خاں کا قصیدہ نور ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے۔ یہ ۱۵۹ اشعار پر مشتمل ہے۔ اور اس کے سینتالیس (۴۷) مطلعے ہیں۔ صنائع بدائع، روزمرہ ومحاورات، زورِ بیان وبرجستگی اور سلاست وروانی اس قصیدے کے نمایاں اوصاف ہیں۔ قصیدے کے مختلف اشعار:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا	صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا	تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا	سر جھکاتے ہیں، الٰہی بول بالا نور کا
چاند جھک جاتا جدھر انگلی اُٹھاتے مہد میں	کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا
ذرے مہرِ قدس تک تیرے توسط سے گئے	حدِ اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا

(۱) 'حدائق بخشش' کامل، حصہ دوم شبیر برادرز اُردو بازار۔ لاہور ۱۹۸۸ء، ص ۲۔۳

مولانا احمد رضا خاں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلادِ اقدس کا جشن مناتے ہوئے اپنے اسی متذکرہ بالا قصیدہ میں ایک لحاظ سے قد

www.muftiakhtarrazakhan.com

جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین کی تفسیر بیان کی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے سراپا مطہرہ کے حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پشت پر ڈھلکا سر انور سے شملہ نور کا ۔۔۔ دیکھیں موسیٰ طور سے اترا صحیفہ نور کا

مصحفِ عارض پہ ہے خطِ شفیعہ نور کا ۔۔۔ او سیاہ کارو! مبارک ہو قبالہ نور کا

آبِ زر بنتا ہے عارض پر پسینا نور کا ۔۔۔ مصحفِ اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا

شمعِ دل مشکوٰۃ تن سینہ زجاجہ نور کا ۔۔۔ تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا ۔۔۔ سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

وضع واضع میں تری صورت ہے معنیٰ نور کا ۔۔۔ یوں مجازاً چاہیں جس کو کہہ دیں کلمہ نور کا

سرمگیں آنکھیں حریم حق کے وہ مشکیں غزال ۔۔۔ ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا

ک گیسو ہ دہن ی ابرو آنکھیں ع ص ۔۔۔ کھیعص ان کا ہے چہرہ نور کا

(۲) 'حدائق بخشش' کامل، حصہ دوم، ص ۳۔۴

میلادِ مصطفوی ﷺ کے پاکیزہ اور مقدس موضوع پر سخن آزمائی کرتے ہوئے شاعر کے پیش نظر آپ ﷺ کی عظیم شخصیت بھی ہوتی ہے۔ آدم سے لے کر بے شمار انبیا نے نبی کریم ﷺ کے نام اقدس کے وسیلے سے اپنے درپیش مصائب و آلام سے رہائی پائی۔ مولانا احمد رضا خاں اس پہلو کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

کنز مکتوم ازل میں ۔۔۔ درِ مکنونِ خدا ہو

سب سے اوّل سب سے آخر ۔۔۔ ابتدا ہو انتہا ہو

تھے وسیلے سب نبی تم ۔۔۔ اصل مقصودِ ہدیٰ ہو

سب بشارت کی اذاں تھے ۔۔۔ تم اذاں کا مدعا ہو

سب تمھاری ہی خبر تھے ۔۔۔ تم موخر مبتدا ہو

قربِ حق کی منزلیں تھے ۔۔۔ تم سفر کا منتہا ہو

سب تمھارے آگے شافع ۔۔۔ تم حضورِ کبریا ہو

(۳) 'حدائق بخشش' کامل، حصہ دوم، ص ۳۔۴

شاعر میلادِ النبی ﷺ کا چرچا کرنا اور اس کی اس قدر دھوم مچانا چاہتے کہ فرش سے لے کر عرش تک غلغلے بلند ہو جائیں اور وہ اس سلسلہ میں کسی مصلحت گوشی کے روادار نہیں ہیں۔ میلاد کے تذکار کو عام کرنے کے لیے مدحت سرائی کا انداز دیکھیے:

آفتاب ان کا ہی چمکے گا جب اوروں کے چراغ ۔۔۔ صرصرِ جوشِ بلا سے جھلملاتے جائیں گے

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائشِ مولا کی دھوم ۔۔۔ مثل فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا ۔۔۔ دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

(۴) 'حدائق بخشش' کامل، حصہ اوّل، ص ۵٦

www.muftiakhtarrazakhan.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ایک یہودی دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ احمد کے ستارے نے طلوع کیا۔ یہ ستارہ نبی کی پیدائش پر طلوع ہوتا ہے اور اب انبیا میں سوائے احمد کے کوئی باقی نہیں۔ ان سعادتوں کے حوالے سے مولانا احمد رضا خاں یوں مدحت سرا ہیں:

بزم آخر کا شمعِ فروزاں ہوا		نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبی
جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوس		ہے وہ سلطان والا ہمارا نبی
بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں		شمع وہ لے کے آیا ہمارا نبی
لامکاں تک اُجالا ہے جس کا وہ ہے		ہر مکاں کا اُجالا ہمارا نبی

(۵) 'حدایق بخشش' کامل، حصہ اول ص ۴۹۔۵۰

رضا بریلوی نے میلادِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں شریعت کے تقاضوں کی پاس داری کی تو اسے شہرت دوام اور قبولیت عام نصیب ہوئی۔ اُنھوں نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاں بھی ذکر کیا ہے۔ اس میں ان کی شعری انفرادیت اور ندرت خیال، دل کش انداز سے جھلکتی ہے۔ میلاد کے دن کی عظمت وجلالت کے اظہار میں بے ساختہ پُکار اُٹھتے ہیں:

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا		تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا
تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا		تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا

(۶) 'حدایق بخشش' کامل، حصہ اول ص ۱۷

رضا بریلوی کا قصیدہ معراجیہ ۶۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں قربِ الٰہی زمان ومکاں اور اطراف وحدود کے تعینات اور معراج کے مشاہدات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا مترنم اور نشاطیہ آہنگ میں بیان ہے۔ اس میں روانی وتسلسل اور زبان کی لطافت وپاکیزگی ان کی جودت وجدت طبع کی آئینہ دار ہیں۔ چند شعر درج ذیل ہیں:

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہماں لیے ہوئے تھے
یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رُخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی، جگہ جگہ نصب آئینے تھے
تجلی حق کا سہرا سر پر، صلوٰۃ وتسلیم کی نچھاور
دورویہ قدسی پرے جما کر، کھڑے سلامی کے واسطے تھے
یہ ان کی آمد کا دبدبہ تھا، نکھار ہر شے کا ہو رہا تھا
نجوم وافلاک، جام ومینا، اُجالتے تھے، کھنگالتے تھے
براق کے نقش سم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے

www.muftiakhtarrazakhan.com

مہکتے گلبن، لہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہا رہے تھے
ضیائیں کچھ عرش پر یہ آئیں کہ ساری قندیلیں جھلملائیں
حضور خورشید کیا چمکتے، چراغ منھ اپنا دیکھتے تھے
ادھر سے پیہم تقاضے آنا ادھر سے مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا، جمال و رحمت اُبھارتے تھے

(۷) 'حدایق بخشش' کامل، حصہ دوم، ص ۸۶ تا ۹۱

میلاد میں ادب و احترام سے کھڑے ہوکر سلام پڑھنا اس مقدس محفل کا ایک جزو لاینفک بن گیا ہے۔ میلاد نگاروں اور باکمال شعرا نے سلام لکھتے وقت اظہارِ عقیدت و محبت کی صحیح ترجمانی کرنے کی بھرپور کوششیں کی ہیں اور ان سلاموں میں بعض تو اس قدر زبان زدِ خاص و عام ہو گئے ہیں کہ قریباً ہر ذی شعور ان سے بخوبی واقف ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کا سلام اُردو زبان کا سب سے زیادہ مقبول سلام ہے۔ یہ سلام ۱۶۷ اشعار پر مشتمل ہے اور اس کو اتنی شہرت ملی ہے کہ میلاد کی محفلوں، نعت خوانی کے علاوہ بریلوی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والی مساجد میں تمام اہم تقریبات پر بالخصوص اور ہر جمعہ کی نماز کے بعد بالعموم اجتماعی شکل میں پڑھا جاتا ہے۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں کے مشتمل بر سراپائے اطہر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت اور شیفتگی و وابستگی کی شدت کا اظہار، زورِ بیاں میں علمی وجاہت، مثنوی کی سی روانی اور قصیدوں کا سا شکوہ، ان کی شعری استعداد اور فنی مہارت کا بین ثبوت ہیں۔ سلام کا ہر شعر موتیوں میں تولنے کے قابل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا اور عہدِ طفولیت سے لے کر عہدِ نبوت تک کا نقشہ ایسے دل پذیر انداز میں کھینچا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرتِ مقدسہ سامنے آجاتی ہے۔ سلام کے چند مشہور شعر ملاحظہ ہوں:

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام — شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا — اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی — ان بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا — اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پہ درود — اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام
فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود — ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام
صاحبِ رفعتِ شمس و شق القمر — نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

(۸) 'حدایق بخشش' (مرتبہ: شمس بریلوی) ص ۴۳۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴

پہلے شعر میں جانِ رحمت اور شمع بزمِ ہدایت کی ترکیبیں اسرار و معانی کے خزانے ہیں، چھٹے شعر میں فتح باب نبوت اور ختم دورِ رسالت کے الفاظ سے نبوت و رسالت کی پوری تاریخ واضح طور پر بیان کر دی ہے۔ ساتویں شعر میں نائب دست قدرت

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہونے کے ثبوت میں رجعت شمس اور شق القمر کے مشہور معجزات کی نشان دہی کر کے حجت تمام کر دی ہے۔ درج ذیل اشعار میں سراپائے مبارک کی چند جھلکیاں زورِ بیان کے ساتھ دیکھیے:

قدِ بے سایہ کے سایۂ مرحمت ظلِ ممدودِ رافت پہ لاکھوں سلام
(سایۂ رحمت)

طائرانِ قدس جس کی ہیں قمریاں اس سہی سرو قامت پہ لاکھوں سلام
(قدِ مبارک)

جس کے آگے سرِ سروراں خم رہیں اس سرِ تاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام
(فرق اقدس)

وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا لکۂ ابر رافت پہ لاکھوں سلام
(گیسوئے مبارک)

لخت لختِ دلِ ہر جگہ چاک سے شانہ کرنے کی عادت پہ لاکھوں سلام
(شانہ مبارک)

لیلۃ القدر میں مطلع الفجرِ حق مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
(مانگ)

(۹) 'حدایق بخشش' (مرتبہ: شمس بریلوی) متفرق صفحات ۴۳۲ تا ۴۴۶

مولانا کفایت علی کافی اور کئی دیگر میلاد نگاروں نے اس کی تقلید میں سلام لکھے ہیں۔ کافی کے سلام میں بھی مولانا احمد رضا خاں کے سلام کا رنگِ شاعری جھلکتا ہے۔ اُنھوں نے بھی نبی کریم ﷺ کا سراپا بیان کیا ہے۔ درج ذیل شعر ملاحظہ ہوں:

خاص محبوب خدا ختم رسالت پر سلام عین رحمت شافعِ روزِ قیامت پر سلام
مبتدا صلِ علیٰ چینِ جبینِ باصفا نور کی دریائے امواجِ لطافت پر سلام
چشم پر ابرو بعینہ مدہے سورہ صاد کا دونوں ابروئے مُبارک کی شہادت پر سلام
مصحفِ رخسار حضرت مظہرِ انوارِ غیب روئے قدسی مطلعِ صبحِ صداقت پر سلام

(۱۰) دیوان کافی (مولانا کفایت علی کافی) ص ۳۲

مولانا کافی کے سلام میں قافیہ و موضوع کی یک سانیت کے باوجود تقابلی جائزہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کا سلام فکری و فنی لحاظ سے کہیں زیادہ موثر ہے جس میں اسرارِ معرفت کے لاتعداد گہرے گراں مایہ بہے چلے آرہے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کے قصیدہ میلادیہ 'معراجیہ اور سلام کو پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کے نظم و نثر کے شاہ کاروں میں سوزِ عشق و محبت اوجِ کمال پر ہے جو ناموس رسالت کی حفاظت کے لیے اُنھوں نے پیش کیے ہیں۔ ان کے محرکات و عوامل خارجی شواہد نہیں بلکہ داخلی کیفیات و باطنی رجحانات پر مشتمل ہے۔ مولانا کے اس جذبہ صادق کے بارے میں نیاز فتح پوری

www.muftiakhtarrazakhan.com

لکھتے ہیں:

احمد رضا خاں بریلوی کے کلام سے پہلا تاثر جو پڑھنے والے پر قائم ہوتا ہے، وہ مولانا کی بے پناہ وابستگی رسول عربی کا ہے۔ ان کے کلام سے ان کے بے کراں علم کا اظہار ہوتا ہے۔ مولانا کا اپنے کلام میں انفرادیت کا دعویٰ ان کے کلام کی خصوصیات سے ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلّی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل برحق ہیں۔

(ماہنامہ 'ترجمانِ اہلِ سنت'، کراچی، نومبر۔ دسمبر ۱۹۷۵ء، ص ۲۸)

حافظ احسان الحق نے اپنے حج وزیارت کے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''مدینہ منورہ میں مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کا سلام وہاں کی محافل میلاد میں بڑی عقیدت سے پڑھا اور سنا جاتا ہے۔'' (ماہ نامہ 'رضائے مصطفیٰ ﷺ' گوجرانوالہ، اپریل ۱۹۱۷ء، ص ۳)

''مولانا احمد رضا خاں کی میلادیہ و نعتیہ توصیف رسول ﷺ کا ہمیشہ زندہ رہنے والا مجموعہ ہے۔'' (ماہ نامہ 'کنز الایمان' لاہور، دسمبر ۱۹۹۱ء، ص ۴)

ان کے اشعار میں شوکت الفاظ، معنی آفرینی، ندرتِ بیان، عجز و فروتنی اور وفور عقیدت کی جگمگاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ انھوں نے واردات قلبی کو شعر کی زبان بخشی ہے اور ان جذبات کے اظہار کی بے ساختگی بھی جا بجا نظر آتی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کی ایک تقریر جو میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر ہے، 'المیلاد النبویہ فی الالفاظ الرضویہ' کے نام سے دوبار چھپی ہے۔ اس میں مولانا نے نبی کریم ﷺ کے میلاد کے حالات وواقعات مدلل اور مفصل انداز سے بیان کیے ہیں۔ آخر میں سلام دیا گیا ہے۔ اس تقریر کی اشاعت سیّد ایوب علی رضوی کی فرمائش پر ہوئی۔ اس کی ضخامت ۳۲ صفحات ہے۔

'المیلاد النبویہ فی الالفاظ الرضویہ' (احمد رضا خاں بریلوی) مرکزی رضوی کتب خانہ، تاج پورہ، لاہور

www.muftiakhtarrazakhan.com

کلامِ رضا میں

مناقب صحابۂ کرام اور اُمہات المومنین

از : ڈاکٹر عزیز احسن

سید المرسلین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانا شروع کیا تو شرک معاشرے میں مخالفتوں کا ایک طوفان اٹھ گیا۔ لیکن ایسے کڑے وقت میں بھی اللہ کے نیک بندوں نے نہ صرف اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو قبول کیا بلکہ ہر قسم کی قربانی دے کر دینِ اسلام کی تبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے یہاں تک کے پورے حجاز میں دینِ اسلام غالب آ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام ساتھی صحابۂ کرام کے لقب سے ملقب ہوئے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی یہ مقدس جماعت ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی تحفیظ، تدوین اور تبلیغ کی ذمہ دار ٹھہری اور اللہ کی اس منتخب جماعت نے اسلام کی اس نہج پر تبلیغ واشاعت کا کام شروع کر دیا جس نہج پر اللہ ربّ العزت اور اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا تھا۔ آج دنیا میں تقریباً ڈیڑھ ارب مسلمان آباد ہیں اور سب کے سب صحابۂ کرامؓ کی محنت سے مسلمان ہوئے ہیں اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کرنے والے تمام مسلمان صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا احترام کرتے ہیں۔ اور اسی لیے شعرائے کرام بھی اپنی شاعری کو اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے وقیع بناتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے اپنی شعری کائنات میں روشنی پیدا کی۔ اس لیے انھوں نے اللہ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کا ذکر بھی اپنے شعری عمل میں شامل کیا۔ سنت اللہ کا ذکر میں نے سورۂ فتح کی آیت کی روشنی میں کیا ہے جس میں اللہ ربّ العزت نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے ساتھیوں کا ذکر بھی فرمایا ہے۔

محمد رسول اللّٰہ والذین معہ۔۔۔ الخ۔ ’’محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں۔۔۔ (فتح:۲۹)

اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذکر پر براہِ راست گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مختصراً صحابۂ کرام کی اہمیت، ان کی عظمت اور ان کی فضیلتوں کے چند حوالے قرآنِ کریم سے نقل کر دیں تاکہ امامِ اہلِ سنت کے اشعار میں آنے والے تلمیحاتی اشاروں کی تفہیم میں کوئی دشواری نہ رہے۔

سورۂ یوسف کی آیت:۱۰۸ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللّٰہ، قف علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔‘‘ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجیے کہ یہ (توحید اور آخرت کی تیاری کی دعوت) میرا راستہ ہے میں (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں بھی دلیل پر قائم ہوں اور وہ لوگ بھی جو

www.muftiakhtarrazakhan.com

میرے پیرو ہیں)۔"

اس آیتِ مقدسہ میں "من اتبعنی" سے مراد صحابۂ کرام کی مقدس جماعت ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: "صحابہ راہِ ہدایت پر تھے، معدنِ علم تھے، کنزِ ایمان تھے اور اللہ کا لشکر تھے۔" حضرت ابن مسعود نے فرمایا، "جو سنت پر چلنا چاہے وہ مردوں کے طریقے پر چلے۔ صحابہ کا گروہ اس امت میں سب سے زیادہ پاک باطن گروہ تھا، جن کا علم گہرا تھا اور بناوٹ بالکل نہ تھی۔ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی رفاقت اور اپنے دین کی اشاعت کے لیے ان کا انتخاب کیا تھا۔ وہ راہِ مستقیم پر گامزن تھے۔ تم لوگ انھیں کے اخلاق اور زندگی کے طریقوں کو اختیار کرو اور انھیں سے مشابہت پیدا کرو۔" ☆۱

سورۂ توبہ کی آیت: ۱۰۰ میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعدلھم جنت تجری تحتھا الانھر خٰلدین فیھا ابدا، ذلک الفوز العظیم۔ اور مہاجرین و انصار (ایمان لانے میں) سب سے آگے اور مقدم ہیں (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہوا یعنی ان کی اطاعت کو اللہ نے قبول کر لیا اور ان کے اعمال کو پسند فرما لیا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے یعنی اللہ کا رب اور مالک ہونا اور اسلام کا ان کے لیے دین ہونا اور محمد ﷺ کا رسول و نبی ہونا انھوں نے اپنے دلوں سے پسند کر لیا۔ اللہ نے ان کے دلوں میں اپنی اور اسلام کی اور محمد ﷺ کی محبت ڈال دی اور جو دنیوی و اخروی نعمتیں اللہ نے ان کو عطا فرمائیں ان پر وہ راضی ہو گئے۔ اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ ☆۲

درجِ بالا آیت میں اللہ رب العزت نے اپنے پیارے رسول ﷺ کی پیروی کرنے میں سبقت لے جانے والے لوگوں سے اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتے ہوئے قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے ان نفوسِ قدسیہ کی پُرخلوص اتباع کو اپنی رضامندی کی سند عطا فرما دی۔ تفسیرِ مظہری میں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی نے اسی آیت کی تفسیر میں وہ مشہور حدیث بھی نقل کی ہے جس میں رسول ﷺ نے فرمایا (اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھدیتم) ہے کہ میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح ہیں جس کی پیروی کرو گے، ہدایت یاب ہو گے۔ مصنف علام نے آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۰۷ کا ترجمہ کرتے ہوئے روشن چہرے والے لوگوں کو اہلِ سنت فرمایا ہے۔ ☆۳ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ روئے زمین پر یہی طبقہ ایسا ہے جو اپنے نبی ﷺ کی اتباع کرنے میں عملِ صحابۂ کرامؓ، تابعینِ کرام اور اتباعِ تابعین کرام رحمھم اللہ کا عملی نمونہ پیشِ نظر رکھتا ہے۔ اور بعد کی کسی بھی تحریک کے زیرِ اثر ان نفوسِ قدسیہ پر زبانِ طعن دراز کرنے کی جسارت نہیں کرتا۔ کیوں کہ اس طبقے کے سامنے قرآن و سنت کا مکمل معیار ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت: اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون۔ رسول اللہ ﷺ اور مومن ان آیات پر ایمان رکھتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے رب کی طرف سے ان پر اتاری گئی ہیں) میں المومنون سے مراد وہی مومن ہیں جو اس زمانے میں موجود تھے یعنی صحابہؓ۔ باقی وہ اہل السنۃ والجماعت جن کا ایمان صحابہؓ کے ایمان کی طرح ہو ان کا شمول صحابہ کے ساتھ (ذیلی طور پر) ہو جائے گا۔ صاحبِ تفسیر مظہری حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ترمذی کی وہ معروف حدیث نقل فرمائی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اُمتِ مسلمہ کے تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جانے کی پیش

www.muftiakhtarrazakhan.com

گوئی فرمائی تھی اور ایک فرقے کے سواسب کوناری فرمایا تھا۔ پھر صحابۂ کرامؓ کے استفسار پر ناجی (نجات پانے والا) فرقے کی نشان دہی اس طرح فرمائی تھی، ''جو اس طریقے پر ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) ہیں۔'' ☆۴ علامہ کوکب نورانی نے اپنی تصنیف 'نعت اور آدابِ نعت' میں لکھا ہے، مسلکِ حق صرف اہل سنت و جماعت ہی ہے اور 'اہلِ سنت و جماعت' اصحاب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب تھا۔'' سیدنا علی اوسط امام زین العابدینؓ کا قول بھی علامہ کوکب نے امام سخاوی اور جناب زکریا کاندھلوی کی کتب کے حوالے سے نقل فرمایا ہے جس کی رو سے اہلِ سنت کی نشانی ہے 'بہت درود پڑھنے والے۔' ☆۵

مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی چوں کہ درود شریف ہی کی ایک صورت ہے اس لیے اصنافِ شاعری میں اس متبرک صنف کو اپنانے والے شعرا کی اکثریت اہل سنت والجماعت کے مسلک ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ امام اہل سنت حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی شعری کائنات میں صرف اور صرف مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی گونج پیدا کی ہے، اس لیے ہر صحیح العقیدہ مسلمان کی طرح سنت اللہ کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے صحابۂ کرامؓ کا ذکر بھی جا بجا کیا ہے تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ اطہر، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ مبارک اور تعلیمات پر اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل پسندیدگی کے لیے جو عملی نمونہ درکار ہے، وہ بھی صحابۂ کرام کی جماعت کے ذکر سے اجاگر کیا جاسکے اور اسلام پر عمل کرنے والوں کی جلائی ہوئی مشعل دست بدست قیامت تک روشن ہوتی چلی جائے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرتؒ اپنے مسلک کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں:

اہل سنت کا ہے بیڑا پار، اصحابِ حضور　　　نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

ایک موقع پر سنی مسلمان کے وصال کے حوالے سے ایک نیک تمنا دعا بن کر زبانِ قلم پر آئی:

واسطہ پیارے کا! ایسا ہو کہ جو سنی مرے　　　یوں نہ فرمائیں ترے شاہد کہ وہ فاجر گیا

عرش پر دھومیں مچیں وہ مومنِ صالح ملا　　　فرش سے ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا

ایک جگہ فرماتے ہیں:

بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب　　　تا ابد اہل سنت پہ لاکھوں سلام

چوں کہ اہلِ تسنن ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرتے ہیں اس لیے حضراتِ ائمہ کو بھی خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

شافعیؒ، مالکؒ، احمدؒ، امام حنیفؒ　　　چار باغِ امامت پہ لاکھوں سلام

اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو امام اہلِ سنت نے چشمِ تصور سے دیکھا اور حدیثِ انجم (اصحابی کالنجوم) یاد کر کے آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس محفل کا نقشہ کھینچا تو انھیں ہر طرف نور ہی نور نظر آیا، فرماتے ہیں:

انجمن والے ہیں انجم، بزمِ حلقہ نور کا　　　چاند پر تاروں کے جھرمٹ سے ہے ہالہ نور کا

نعت نگاری میں اسوۂ صحابہ کا دھیان آئے تو حضرت حسان بن ثابتؓ کا ذکر لازمی ہو جاتا ہے کہ انھیں ہی یہ فضیلت حاصل رہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی شاعری سننے کے لیے ان کو منبر پر بیٹھنے کی ہدایت فرمائی اور ان کے لیے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا بھی فرمائی۔ اس لیے تمام نعت گو شعرا بالعموم اور امام اہلِ سنت بالخصوص حضرت حسانؓ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

www.muftiakhtarrazakhan.com

کرمِ نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں　　　کہ رضائے عجمی ہو سگِ حسانؓ عرب

اسی زمین میں خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب شعر کہا ہے۔ اس شعر میں عجمی مسلمانوں اور عہدِ صحابۂ کرامؓ سے اب تک کے عرب مسلمانوں کا جذبۂ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی منعکس ہوتا ہے اور علمِ بدیع کی کچھ صنعتیں بھی آ گئی ہیں:

تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عجم　　　تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزارانِ عرب

اس شعر کی خوبی یہ ہے کہ اس میں علمِ بدیع کی صنعتیں مثلاً تجنیسِ تام، صنعتِ شبہِ اشتقاق اور صنعتِ تضاد بھی یک جا ہیں اور شعر میں روانی اور فصاحتِ بیان بھی قائم ہے۔۔۔۔ صنعتِ تجنیسِ تام دونوں جگہ 'بے دام' کے الفاظ کی وجہ سے پیدا ہوئی کہ 'بے دام' ایک جگہ 'بن مول' کے معنی دے رہا ہے اور دوسری جگہ ''بغیر جال'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح 'بندے' اور 'بندی' میں شبہِ اشتقاق ہے کیوں کہ یہ دونوں الفاظ بظاہر ایک ہی مادے سے مشتق معلوم ہوتے ہیں لیکن اصلاً ایسا ہے نہیں۔ بندے بندہ عبد) 'غلام' اور بندی (قید و بند) 'قیدی'۔ عجم اور عرب میں صنعتِ تضاد کا ظہور ہوا ہے۔ ☆٦

اس شعر کی معنوی خوبی یہ ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے جذبے کو زمان و مکان کی قید سے آزاد، ہر عہد کا جذبۂ محرکہ بتایا گیا ہے اور اب یہ سچائی ابدالآباد تک اپنی قوت آپ منواتی رہے گی۔

اہلِ سنت و جماعت صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عظمتوں کے قائل ہیں اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد سے بھی تولائی تعلقِ خاطر رکھتے ہیں اس لیے ان کے اشعار میں برجستہ ان مقدس ہستیوں کا ذکر بھی آ جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے اشعار ملاحظہ فرمائیے:

مولیٰ گلبن رحمت زہرا سبطین اس کی کلیاں پھول
صدیق و فاروق و عثماں حیدر ہر اک اس کی شاخ

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا　　　تو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانہ نور کا
نور کی سرکار سے پایا دوشالہ نور کا　　　ہو مبارک! تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا

ان اشعار میں اعلیٰ حضرت نے ریاضِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کھلنے والے غنچوں اور پھولوں کے ساتھ ساتھ پودوں اور شاخوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرما کر قرآنِ کریم کی آیت 'قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین' (مائدہ: ۱۵)] بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم) اور روشن اور واضح کتاب (قرآنِ کریم) آ چکی ہے [۔ کی طرف تلمیحاتی اشارہ بھی کر دیا ہے۔ پھر نورِ ہدایت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسلِ پاک میں بھی منعکس دکھایا ہے اور حضرت عثمان غنیؓ کے 'ذالنورین' ہونے کا شرف بھی واضح طور پر مذکور فرمایا ہے کہ آپؓ کے حبالۂ عقد میں یکے بعد دیگرے سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحب زادیاں آئی تھیں۔ حضرت سیدہ رقیہؓ کی علالت کی وجہ سے حضرت عثمان غنیؓ، غزوۂ بدر میں شرکت نہیں فرما سکے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر سیدہ رقیہؓ کی تیمارداری کے لیے انھیں مدینے میں رہنے کی تاکید فرماتے ہوئے یہ بھی فرما دیا تھا کہ ''تمھارے لیے اس آدمی کا اجر و ثواب اور مالِ غنیمت میں حصہ ہے جس نے اس غزوہ میں شرکت کی۔'' ☆٧

حضرت سیّدہ رقیہؓ کی رحلت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحب زادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح بھی

www.muftiakhtarrazakhan.com

حضرت عثمانؓ سے کر دیا اور فرمایا، ''اگر میرے سو (۱۰۰) بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کو عثمان (رضی اللہ عنہ) کے حبالۂ عقد میں دے دیتا۔ ☆۸

فرماتے ہیں یہ دونوں ہیں سردارِ دو جہاں　　　اے مرتضیٰؓ! عتیقؓ! و عمر! کو خبر نہ ہو

اس شعر کی تفہیم میں مجھے دقت کا سامنا تھا کہ میری رہنمائی کے لیے حضرت علامہ کوکب نورانی نے کراچی سے مجھے 'جامع الاحادیث' کے متعلقہ صفحے کی فوٹو نقل ارسال فرمادی۔ اللہ انھیں جزائے خیر دے۔ (آمین)۔ حدیث شریف: ''امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ابوبکر اور عمر سب اگلوں پچھلوں سے افضل ہیں، تمام آسمان والوں اور زمین والوں سے بہتر ہیں، سوا انبیاو مرسلین کے۔ اے علی! تم ان دونوں کو اس کی خبر نہ دینا۔''

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: علامہ مناوی نے ''تیسیر'' میں فرمایا، ''اس کے معنی یہ ہیں کہ اے علی (رضی اللہ عنہ)! تم ان سے نہ کہنا بلکہ ہم خود فرمائیں گے تا کہ ان کی مسرت زیادہ ہو'' ☆۹

حضرت رضاؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شاعری میں مسلکِ اہلِ سنت کی اس طرح وضاحت فرمائی کہ ان کی شاعری کا مطالعہ کرنے والا ہر قاری با آسانی اعدائے اسلام کی پھیلائی ہوئی غلط باتوں سے آگاہ ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح اس کی آگہی اس کو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے بدگمان نہیں ہونے دیتی اور اس کے ایمان کی حفاظت کا سامان ہو جاتا ہے:

ترے چاروں ہمدم ہیں یک جان و یک دل　　　ابوبکر، فاروق، عثماں، علی ہے

اس شعر میں تلمیحی اشارہ قرآنِ کریم کی آیت کی طرف ہے جس میں اللہ ربّ العزت نے اصحاب النبی ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے: رحماء بینھم۔ (فتح: ۲۹) آپس میں مہربان ہیں۔

اس آیت کے ہوتے کسی مزید دلیل کی ضرورت تو رہتی نہیں ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کے شعر کی صداقت کی گواہی ہمیں تاریخ کی معروضی (Objective) ورق گردانی سے بھی مل جاتی ہے، ان گروہوں سے متعلق اعلیٰ حضرت کے اشعار درج کرتا ہوں جن کی حضرت علی کی کاذب محبت یا صریحاً بغض کی وجہ سے خود حضرت علی نے انھیں رد فرمادیا تھا۔

پہلے یہ دیکھتے چلیے کہ حضرت رضاؔ بریلوی کی حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم سے الفت کس درجے کی ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

دُرِّ نجف ہوں گوہرِ پاکِ خوشاب ہوں　　　یعنی ترابِ رہ گزرِ بوترابؓ ہوں

دُرِّ درجِ نجف، مہرِ برجِ شرف　　　رنگ روئی شہادت پہ لاکھوں سلام

مرتضیٰؓ شیرِ حق اشجع الاشجعین　　　ساقیِ شیر و شربت پہ لاکھوں سلام

اصلِ نسلِ صفا، وجہِ وصلِ خدا　　　بابِ فصلِ ولایت پہ لاکھوں سلام

ان اشعار سے رضاؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حبِ علیؓ کا بھرپور اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ امامِ اہلِ سنت کی حبِ علی میں نہ تو روافض کی سی افراط ہے، نہ ناصبیوں اور خارجیوں والی تفریط یعنی اعلیٰ حضرت کی محبتِ علی عین اس مسلک کے مطابق ہے جو مسلکِ حقِ اہلِ سنت والجماعت ہے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

اب وہ اشعار ملاحظہ فرمائیے جن میں ان فرقوں کا ذکر ہے جو غیر معتدل حب علی یا خلافِ حقیقت علی کی مخالفت کا شکار ہوئے:

اوّلیں دافعِ اہلِ رفض و خروج　　چار می رکنِ ملت پہ لاکھوں سلام
شیرِ شمشیر زن، شاہِ خیبر شکن　　پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
ماحیِ رفض و تفضیل و نصب و خروج　　حامیِ دین و سنت پہ لاکھوں سلام
ناصبی را بغضِ تو سوئے جہنم رہ نمود　　رافضی از حبِ کاذب در سقر درآمدہ
اے عدوئے کفر و نصب و رفض و تفضیل و خروج　　اے علوے سنت و دینِ ہدیٰ امداد کن!

(حضرت علی)

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ امام اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصب (عداوت علی) رفض (کاذب حب علی اور بغض صحابۂ کرام) تفضیل (حضرت علی کو تین خلفاے راشدین پر فضیلت دینا) خروج (حضرت علی سے واقعۂ تحکیم میں مخالفت کرنے والے) سب کے سب حدِ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہونے کے باعث ناقابل قبول ہیں، کیوں کہ ان تمام رویوں کو خود حضرت علی نے رد فرما دیا تھا۔ حضرت علی نے خوارج سے جنگ کی اور ان کا صفایا کر دیا اور روافض کے لیے فرمایا:

''میری محبت میں حد سے گزرنے والا، زیادتی کرنے والا ہلاک ہو جائے گا۔''

آقائے نامدارِ محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''علی کی محبت اور ابوبکر و عمر کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہو سکتا۔'' تفسیر مظہری میں سورۂ حشر کی آیت نمبر ۱۰ (بعد کو آنے والے ان اگلوں کے لیے (دعا کرتے ہیں اور) کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ان ایمان والوں کے لیے کینہ نہ پیدا کر دینا۔ اے ہمارے رب! آپ بڑے شفیق، رحیم ہیں) کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ مہاجرین و انصار کے بعد والوں سے مراد فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے اور قیامت تک آنے والے مومن مراد ہیں پھر ابن ابی لیلیٰ کا قول لکھا ہے کہ اگر کسی کے دل میں کسی صحابی کی طرف سے کسی طرح کا بغض ہو تو وہ ان لوگوں میں شمار نہیں ہوگا جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ پھر ایک واقعہ فصول (اثنا عشری فرقے کی کتاب) سے نقل کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ خلفاے ثلاثہ پر نکتہ چینی کر رہے تھے تو حضرت جعفر محمد بن علی باقر نے فرمایا: میں شہادت دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں شامل نہیں ہو جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے والذین ۔۔۔ (الایہ)، (سورۂ حشر آیت: ۱۰)۔ اس کے بعد صحیفۂ کاملہ سے حضرت امام زین العابدین کی ایک طویل دعا درج کی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں، ''اے اللہ! اور رحمت نازل فرما ان لوگوں پر بھی جو بخوبی صحابہ کی پیروی کرتے والے ہوں اور کہتے ہوں، ربنا اغفر لنا ۔۔۔ (الایہ) (اے ہمارے رب! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے ۔۔۔ الخ) ☆۱۰

اسی تناظر میں حضرت علی کو ان تمام مسالک کا دشمن بتایا ہے، چراغِ مصطفوی ﷺ سے شرارِ بولہبی کی ستیزہ کاری ازل سے جاری ہے۔ اس لیے اعداے اسلام اپنی سازشوں میں کسی حد تک ان مقدس ہستیوں کے درمیان اختلاف کی داستانیں

www.muftiakhtarrazakhan.com

گھڑنے اوران کو ہوا دینے میں کامیاب ہو گئے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ وہ آپس میں مہربان ہیں۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: جو شخص میرے بعد زندہ رہا، وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا سو تم پر لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفاے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں، مضبوطی سے پکڑے رکھو اور اپنی داڑھیوں اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو میں رکھو اور تم نئی نئی چیزوں سے بچو، کیوں کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گم راہی ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، مستدرک حاکم، مسند دارمی اور مسند احمد) ☆۱۱

یہی وجہ ہے کہ اہلِ سنت کے علما اور مفکرین و دانشور، نیز شعرا جہاں اصحاب کرام کا ذکرِ جمیل کرتے ہیں انھیں آئینۂ تاریخ پر دشمنانِ اسلام کی ڈالی ہوئی گرد صاف کرنے کے لیے یہ بھی بتانا پڑتا ہے کہ صحابۂ کرام آپس میں شیر و شکر تھے۔ رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی پس منظر میں یہ کہا تھا:

ترے چاروں ہمدم ہیں یک جان و یک دل

اس ضمن میں خلفاے ثلاثہ کے بارے میں صرف حضرت علی کی رائے ملاحظہ فرمالیجیے، مؤلف کتاب، امیر المومنین سیّدنا علی نے شرح نہج البلاغہ لابن میثم جلد چہارم، مطبوعہ تہران کے حوالے سے سیّدنا علی کے مکتوب کے چند جملے نقل کیے ہیں جو شیخین کی عظمت کی گواہی کے لیے کافی ہیں۔ سیّدنا علی سیّدنا امیر معاویہ کو لکھتے ہیں اور اسلام میں سب لوگوں سے افضل جیسا کہ تو نے کہا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ اخلاص رکھنے والے خلیفہ ابوبکر صدیق تھے اور پھر اس خلیفہ کے بعد عمر الفاروق تھے۔ مجھے اپنی عمر کی قسم! ان دونوں کا اسلام میں بہت بڑا مقام ہے اور ان کی موت اسلام کے لیے ایک بہت بڑا زخم تھا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر اپنی رحمتیں فرمائے اور ان کے اعمال کی ان کو بہترین جزا عطا فرمائے۔'' ☆۱۲

اسی مصنف نے اپنی دوسری تصنیف سیرت عثمان میں قیس بن عباد کی روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں، میں نے جنگِ جمل کے روز سیّدنا علی کو یہ فرماتے سنا کہ۔۔۔ ''لوگ میرے پاس میری بیعت کرنے کے لیے آئے لیکن میرا نفس ابا کرتا تھا، بخدا مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں اس قوم سے بیعت لوں جو ایک ایسے شخص کے قتل کی مرتکب ہوئی ہے جس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں اس سے حیا کرتا ہوں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں اور مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں اس حالت میں بیعت لوں جب کہ عثمان زمین میں دفن ہوئے بغیر شہید ہوئے پڑے ہوں۔'' ☆۱۳

سب سے زیادہ جس مسئلے کو ہوا دی گئی ہے، وہ خلافتِ علی بلا فصل والا مسئلہ ہے جس کے جمہور علما، صلحا اور صحابۂ کرام بشمول حضرت علی کبھی قائل نہیں رہے۔ کیوں کہ خلافت کا مسئلہ تو آں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدودِ یثرب (جسے ہجرت نبوی علی صاحبہا کے طفیل مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہلانے کا شرف ملا) میں پہلی مسجد کی بنیاد رکھتے ہوئے ہی اپنے طرزِ عمل سے طے فرما دیا تھا۔ طبرانی نے مسجد قبا کی تعمیر کے حوالے سے جو روایت کی ہے الحمدللہ اس پر کسی نے کوئی اختلاف نہیں کیا ہے۔ مسجدِ قبا کی تعمیر کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قبا سے فرمایا:

''یا اہلِ قبا۔۔۔ اے قبا کے لوگو! ائتونی باجحر من ھذا الحرۃ۔ پتھروں کے اس ڈھیر سے پتھر اٹھا کر لاؤ۔''
فجمعت عندہ احجار کثیرۃ۔ سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سے پتھر جمع کر دیئے۔ و معہ غنزلہ لہ۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

اس وقت آپ کے پاس (نیزہ نما) لکڑی تھی۔ فخط قبلتھم۔ آپ نے سمتِ قبلہ کی نشان دہی فرمائی۔ فاخذ حجرا فوضعہ۔ پھر سب سے پہلے خود ایک پتھر اٹھایا اور اسے تعمیر کے لیے رکھا۔"

"ثم قال یا ابوبکر رضی اللہ عنہ خذ حجرا فضعہ حجری۔۔۔ پھر ابوبکر سے فرمایا ایک پتھر اٹھا کر میرے پتھر کے برابر رکھو! ثم قال یا عمر خذ حج افضعہ الیٰ جانب حجر ابوبکر رضی اللہ عنہ۔۔۔ پھر عمر سے فرمایا: ایک پتھر اٹھاؤ اور اسے ابوبکر کے پتھر کے ساتھ رکھ دو۔"

"ثم قال یا عثمان رضی اللہ عنہ خذ حجرا فضعہ الیٰ جنب حجر عمر رضی اللہ عنہ۔۔۔ پھر عثمان سے کہا: اے عثمان تم پتھر اٹھاؤ اور عمر کے پہلو میں رکھ دو۔ ثم قال یا علی رضی اللہ عنہ خذ حجر افضعہ الیٰ جنب عمر رضی اللہ عنہ۔ پھر فرمایا علی! تم بھی پتھر اٹھاؤ اور اسے عمر کے پتھر کے برابر رکھ دو۔ ثم التفت الی الناس لیضع کل رجل حجرۃ حیث احب علیٰ ذلک الخط۔ پھر تمام لوگوں سے متوجہ ہو کر فرمایا تم سب ان خطوط پر جہاں چاہے پتھر رکھ دو۔" ☆۱۴

یہ واقعہ ہے اسلام میں سب سے پہلے تعمیر ہونے والی مسجد، مسجد قبا کا، جس کی تعمیر پہلے ہی دن سے مقبولِ بارگاہِ ربّ العزت ہو چکی تھی اور جس کے بارے میں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا تھا: "المسجد اسس علی التقوی من اول یوم۔۔۔ (الایہ) بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے۔ (سورۂ توبہ، آیت نمبر ۱۰۸)

دراصل، مسجد کی تعمیر کے ضمن میں اُمتِ مسلمہ کی تعلیم کے لیے حضراتِ صحابۂ کرام کی فضیلتوں کا ادراک کروانا بھی مقصود تھا۔ اسی لیے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ دنیاوی میں وصال سے صرف چار روز قبل عشا کی نماز پڑھانے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق کا انتخاب فرمایا جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے تک سترہ نمازیں پڑھائیں۔ ان نمازوں میں حضرت علیؓ بھی مقتدی تھے۔ ☆۱۵

اس سے ایک سال قبل ۹ رہجری میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی فرضیت کے پہلے سال حضرت ابوبکر صدیق کو امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا تھا اور سورۂ برأت کی ابتدائی آیات کے ابلاغ کے لیے حضرت علی کو مکہ مکرمہ کی طرف بھجوایا تو حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت علی سے دریافت فرمایا: امیر ہو یا مامور؟ اس پر حضرت علی نے جواب دیا تھا، 'مامور ہوں۔' ☆۱۶

حضرت علی نے ایک لمحے کو بھی خود کو خلافت کا حق دار نہیں سمجھا تھا اور نہ وہ حضرت عباس عمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصرار پر یہ نہ فرماتے، "بخدا! اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بابت (خلافت کے) دریافت کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیں لوگ کبھی خلیفہ نہ بنائیں گے۔ بخدا! میں تو یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پوچھتا۔" ☆۱۷

پیر طریقت حضرت مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف میں 'نہج البلاغہ' کا ایک طویل اقتباس نقل فرمایا ہے جو حضرت عمر کے جنگِ عراق میں بنفسِ نفیس شرکت کرنے کے سوال پر حضرت علی کے خطبے پر مبنی ہے۔ اس موقع پر حضرت علی نے امیر المومنین حضرت عمر کو چکی کے قطب کی طرح مرکز پر رہنے کا مشورہ دیا اور فرمایا "ہم (مہاجرینِ اوّلین) منجانب اللہ وعدۂ نصرت دیئے گئے ہیں۔"

سیّد پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ارشاد کی روشنی میں سورۂ نور کی آیت، "وعد اللہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

الذین آمنوا منکم۔۔۔الی الآخرہ۔۔۔(نور: ۵۵) ''اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہے تم میں سے ان لوگوں کو جو باایمان ہیں اور اعمالِ صالح کرتے ہیں کہ البتہ وہ ان کو زمین پر خلیفہ کرے گا۔'' کا حوالہ دیا ہے۔ مہر علی شاہ صاحب لکھتے ہیں، ''استخلاف، یعنی خلیفہ بنانے کو حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ **یستخلفن** کی نسبت ضمیر ھم کی جانب یعنی جملہ مہاجرین اوّلین کی طرف۔ ☆۱۸

پیر صاحب آگے فرماتے ہیں، ''تو آیۂ استخلاف کا مطلب یہ ہوا کہ میں حاضرین سورۂ نور میں سے بعض کو زمین میں دین مرتضیٰ عند اللہ کے قائم کرنے کی قدرت عطا کروں گا کہ وہ لوگ خداداد تصرف و سلطنت، عدالت و تہذیب کی رو سے ادیانِ باطلہ اور شرکِ مطلق کو جس کے من جملہ اقسام ہوا پرستی بھی ہے، بیخ و بن سے اکھاڑ دیں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ جن کو میں خلافت اور تمکین دینِ اسلام اور بے غمی اور توحید عطا کروں گا، یہ لوگ ہوا پرست نہ ہوں گے اور کسی شے کو میرا شریک نہ بنائیں گے۔ حق سبحانہ تعالیٰ احکم الحاکمین و اصدق الصادقین، خلفاے اربعہ کو ہوا پرستی کے دھبے سے پاک اور بری فرماتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ ایسے لوگ جن کا مزکی اور بری کنندہ خود علام الغیوب ہو، کیا وہ اس درجے کے متعصب، ظالم اور ہوا پرست ہوسکتے ہیں؟۔۔۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ ☆۱۹

یہ ہیں چند تاریخی حقائق جن کی روشنی میں اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ کلام کے تلمیحاتی اشاروں اور احوالِ اصحاب النبی المحترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اب درجِ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے:

اوّلیں دافعِ اہلِ رفض و خروج — چارمی رکن ملت پہ لاکھوں سلام

یہاں اعلیٰ حضرت نے دوسرے خلفاے راشدین کے ذکر کے علی الرغم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لیے بالخصوص ''چارمی رکنِ ملت'' (خلافت کے چوتھے ستون) محض فاسد عقاید کے ابطال کی غرض سے ہی کہا ہے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ وحیدرؓ جس کی بلبل ہیں۔ ترا سروِ سہی اس گلبن خوبی کی ڈالی ہے:

کلیم و نجی، مسیح و صفی، خلیل و رضی، رسول و نبی — عتیق و وصی، غنی و علی ثنا کی زباں تمہارے لیے

شیخین ادھر نثارِ غنی و علی ادھر — غنچہ ہے بلبلوں کا یمین و شمال میں

اعلیٰ حضرت کی شاعری میں جو مقام ان کے سلام کو حاصل ہے، وہ ان کے دوسرے کلام کو حاصل نہیں۔ ہر شاعر کے کلام میں شاہکار شعری مرقعے کم کم ہی ہوتے ہیں۔ نعت کی دنیا میں کسی کلام کی مقبولیت کا معیار عمومی شاعری کے معیارِ قبول عام سے مختلف ہوتا ہے۔ نعت کی قبولیت کی ہوائیں مدینے کی طرف سے چلتی ہیں۔ رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلام کی قبولیت محتاجِ تعارف نہیں۔ اس سلام میں بھی اعلیٰ حضرت نے اصحابِ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔ اس شعری شاہ کار میں انھوں نے خروج، رفض، نصب اور تفضیلی رویوں سے برأت کا اعلان فرماتے ہوئے، اہل سنت والجماعت کا یہ مسلک اجاگر کیا ہے، ''الصحابة کلهم عدول'' (صحابہ سب کے سب عادل ہیں)۔ ☆۲۰

ان کے آگے وہ حمزہ کی جاں بازیاں — شیر غران سطوت پہ لاکھوں سلام

پارہ ہائے صحف غنچہ ہائے قدس — اہلِ بیت نبوت پہ لاکھوں سلام

www.muftiakhtarrazakhan.com

وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا		اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام
اُن کے مولا کی اُن پر کروڑوں درود		ان کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام

ان اشعار میں سیّد الشہدا حضرت امیر حمزہ، تمام اصحاب کرام، اہلِ بیت نبوت، بدر کے تین سو تیرہ شریک اصحاب، احد میں شامل جاں نثارانِ رسول ﷺ کے ساتھ ان تمام اصحاب پر بھی لاکھوں سلام بھیجے گئے ہیں جن کی بیعت کرنے کی ادا خود خالقِ کائنات کو پسند آئی، اسی لیے اس بیعت کو بیعتِ رضوان کا نام دیا گیا، "لقد رضی الله عن المؤمنین اذ یبایعونك تحت الشجرة۔ (الایہ) (بے شک اللہ خوش ہوا ان مسلمانوں سے جب کہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے)۔ آخری شعر میں ان خوش نصیب اصحاب کا ذکر ہے جن کو دنیا میں جنت کی بشارت ملی تھی۔ ان اصحاب میں چاروں خلفائے راشدین کے علاوہ حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعید، حضرت سعد، حضرت ابوعبیدہ اور حضرت عبدالرحمن ابن عوف کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

حضرت رضا نے خلفائے راشدین کا تذکرہ بالخصوص ایک سے زیادہ اشعار میں کیا ہے:

خاص اس سابق سیر قرب خدا		اوحد کاملیت پہ لاکھوں سلام
سایۂ مصطفیٰ مایۂ اصطفیٰ		عز و شانِ خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل		ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
اصدق الصادقیں، سیّد المتقیں		چشم و گوش وزارت پہ لاکھوں سلام

امامِ اہلِ سنت نے اہلِ اسلام کی ماؤں کو بھی بھرپور خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، میں یہاں رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے اشعار کا حوالہ دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں، اس لیے کہ امت کی تمام مائیں حضور ﷺ کی صحابیات کا درجہ بھی رکھتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اہلِ اسلام کی مادرانِ شفیق		بانوانِ طہارت پہ لاکھوں سلام

اس شعر میں آیۂ قرآنی کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ "انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهر کم تطهیرا۔ "اے اہلِ بیت نبی ﷺ! اللہ تعالیٰ نے تم سے ناپاکی دور کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور تم کو پاک صاف ستھرا کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔" یہ آیہ کریمہ امہات المومنین کے حق میں وارد ہوئی ہے۔ اس لیے امامِ اہلِ سنت نے یہاں اس آیت کی طرف تلمیحی اشارہ کیا ہے۔ لیکن حدیث کی رو سے بھی کچھ لوگ اہلِ بیت میں شمار کیے گئے ہیں، مثلاً (۱) جن پر زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ بنی ہاشم، بنی عباس، اولادِ علی، جعفر، عقیل، حارث کی اولاد۔ (۲) آپ ﷺ کے گھر میں پیدا ہونے والے۔ (۳) آپ ﷺ کے گھر میں آنے جانے والے جیسے زید بن حارثہ، اسامہ بن زید وغیرہم۔ ☆۲۱

جلوہ گیانِ بیت الشرف پر درود		پردگیانِ عفت پہ لاکھوں سلام

اس شرف والے گھر میں جلوہ آرا پاک دامن طاہر و مطہر پردہ دار خواتین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی پردہ داری پر لاکھوں سلام ہوں۔ واضح رہے کہ امت کی عام مستورات حجاب اور چادر اوڑھ کر اجنبی مردوں کے سامنے آ سکتی ہیں لیکن امت کی

www.muftiakhtarrazakhan.com

مائیں اس حالت میں بھی مردوں کے سامنے نہیں آسکتی تھیں۔☆۲۲

سیّما پہلی ماں کہف امن و اماں　　حق گزارِ رفاقت پہ لاکھوں سلام
عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی　　اس سرائے سلامت پہ لاکھوں سلام
منزل من قصب لانصب لاصخب　　ایسے کوشک کی زینت پہ لاکھوں سلام

ان اشعار میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا ذکرِ جمیل ہے۔ جو پہلی ماں ہیں اور جن کے بطن سے حضور ﷺ کی اولادیں ہوئیں۔ چار صاحب زادیاں حضرت زینب (زوجہ حضرت ابوالعاص بن ربیع)، حضرت رقیہ و حضرت ام کلثوم، (ازواج حضرت عثمان غنی اور حضرت فاطمہ (زوجہ حضرت علی) اور صاحب زادے حضرت قاسم، عبداللہ، طاہر وغیرہم۔ ان پر اللہ کی طرف سے سلام آیا اور جن کے لیے جنت میں ایک موتی کا گھر ہے جس میں شور ہے نہ کوئی تکلیف۔☆۲۳

بنتِ صدیق آرام جانِ نبی　　اس حریم برأت پہ لاکھوں سلام
یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ　　ان کی پُرنور صورت پہ لاکھوں سلام
جس میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں　　اس سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام

حضرت عائشہ صدیقہ کے اوپر تہمت لگی اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں آپ کی برأت کا اعلان فرمادیا اور آپ کے دولت کدے میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی بغیر اجازت داخل نہیں ہوتے تھے:

شمع تابان کاشانۂ اجتہاد　　مفتیِ چار ملت پہ لاکھوں سلام

اس شعر میں خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے اجتہادی نظائر کی طرف اشارہ ہے:

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر　　اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
فارق حق و باطل امام الہدیٰ　　تیغ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام
ترجمانِ نبی ہم زبانِ نبی　　جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

حضرت ابوسعید خدری نے روایت کی کہ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: ''جس نے عمر سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا جس نے عمر کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا۔'' اس حدیث کی روشنی میں ہی اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے کہ عمر کے دشمن پر 'سقر' (جہنم) عاشق ہے۔

زاہدِ مسجدِ احمدی پر درود　　دولت جیش عسرت پہ لاکھوں سلام
درِ منثور قرآن کی سلک بھی　　زوج دو نورِ عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحب قمیص ہدیٰ　　حلہ پوشِ شہادت پہ لاکھوں سلام

یہ تمام اشعار حضرت عثمان غنی ذوالنورین کی منقبت میں ہیں۔ آپ کے مثل زہد و تقویٰ، فیاضی اور سخاوت و دریادلی کا ذکر ہے کہ اسلام پر اپنی دولت نچھاور کرنے میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ حضرت عثمان غنی نے ہی قرآنِ کریم کی ایک قرأت اور ایک طرزِ کتابت پر امت کو جمع کیا اور جامع القرآن کہلائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو قمیص ہدایت اور خلافت کی پہنائی تھی،

www.muftiakhtarrazakhan.com

اس کو آپ نے مفسدین کے جبر کے باوجود نہیں اتارا اور شہادت قبول فرمائی، آپ نے جنت کا لباس زیبِ تن کیا اور اس طرح اپنے آقا و مولیٰ رسولِ اکرم ﷺ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ حضرت عائشہ صدیقہ روایت فرماتی ہیں کہ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے عثمان! ممکن ہے اللہ تعالیٰ تم کو ایک قمیص (قمیص، جبہ خلافت) پہنائے تو اگر لوگ تم سے اس کے اتارنے کا مطالبہ کریں تو تم ان کی وجہ سے اس کو مت اتارنا۔'' (ترمذی) اور ابن ماجہ۔ ☆۲۴

سلام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی منقبت کے اشعار اسی مضمون میں پہلے درج کیے جا چکے ہیں۔

اس سلام کے ذریعے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم ﷺ کے سراپا مبارک اور آپ ﷺ کی تعلیماتِ مقدسہ کو شعری متن بنایا اور اہتماماً صحابۂ کرام، ازواجِ مطہرات، اولاد و امجاد و عترتِ رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ اہلِ سنت والجماعت کے ہر مکتبۂ فکر اور فقہی مذہب کے بانی حضرات اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ساتھ اولیاے امت کی خدمت میں عقیدت کے پھول نچھاور کیے ہیں، نیز فرمایا:

ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں　　شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

اس طرح امام اہلِ سنت نے اپنی شاعری کا canvas قرآنی تعلیمات اور سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا کے زمانی اور مکانی پھیلاؤ سے ہم کنار کر دیا ہے اور حب رسالت کے دائرۂ نور کو عہدِ نبوی سے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے قلوب تک وسعت دے دی ہے، یوں ماہِ اسوۂ رسولِ گرامی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہِ راست روشنی حاصل کرنے والے ستاروں سے صراطِ ہدایت دیکھنے والی جماعت کی ہر عہد میں موجودگی کا احساس دلا کر دینِ متین کی ابدیت اور عشقِ سرکارِ ابد قرار ﷺ کا استمرار ادبی سطح پر روشن تر کر دیا ہے۔

کیوں، جنابِ بوہریرہ! تھا وہ کیسا جامِ شیر　　جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منھ پھر گیا

اس شعر میں نبی اکرم ﷺ کے معجزے کی طرف اشارہ ہے کہ اصحابِ صفہ کے لیے حضور ﷺ کے گھر کا ایک پیالہ دودھ ۷۰ آدمیوں کے لیے نہ صرف کافی ہو گیا تھا بلکہ بھوک کی شدت کے باوجود وہ اتنے سیر ہو گئے تھے کہ ان میں سے کسی نے بھی مزید ایک گھونٹ کی گنجائش اپنے شکم میں نہیں پائی۔ اصحابِ صفہ کی ناز برداریوں کا بھی یہ عجیب پہلو ہے۔

طوالت سے بچنے کے لیے چند اشعار بلا تبصرہ نقل کرتا ہوں:

شیخین ادھر نثار غنی و علی ادھر　　غنچہ ہے بلبلوں کا یمین و شمالِ گل

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز　　اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

صدیق بلکہ غار میں جاں اس پہ دے چکے　　اور حفظ جاں تو جان فروضِ غرر کی ہے

ہاں تو نے ان کو جان انھیں پھیر دی نماز　　پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

سعدین کا قران ہے پہلوے ماہ میں　　جھرمٹ کیے ہیں تارے تجلی قمر کی ہے

میں نے اختصار کے خیال سے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے صرف چند الماس چن کی معنوی لمعات سے استفادہ کیا ہے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

نعت حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات اور آپ ﷺ کی تعلیمات سے قلبی لگاؤ کا اشاریہ بھی ہے اور آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے مخصلین ملت سے عقیدت کا ملفوظی اظہار بھی (ہمارے عہد تک آتے آتے اظہار عقیدت بیشتر ملفوظی ہی رہ گیا ہے)۔ شاعری کی دنیا میں لفظ کی حرمت اپنی جگہ لیکن نبی المحترم ﷺ کے تمام اصحاب نے حضور ﷺ کی سچی اور پکی پیروی کو ہی معیارِ مدحت بنایا تھا۔ امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے عہد صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی ملفوظی مدحِ رسول ﷺ کے نمونے بھی سامنے رکھے اور ان نفوسِ قدسیہ کی اتباع سیّد الکونین ﷺ کے نقوش بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شعری عمل (Poetic Work) میں قلبِ مومن کی دھڑکن بھی سنائی دیتی ہے اور ایمانی حرارت بھی محسوس ہوتی ہے۔ جذبے کی صداقت بھی ضوریز ہے اور عقیدے اور عقیدت کے امتزاج کی جاوداں درخشندگی بھی۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مدح رسول ﷺ میں اتباعِ رسول ﷺ کا ذکر قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو صراطِ عمل دکھانے کے لیے سلسبیل نور کا حکم رکھتا ہے۔ فیضی نے اس خوش بختی پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کیا ہے کہ وہ (فیضی) پیرو اصحابِ رسول ﷺ ہے۔ میں اپنی بات فیضی کے اسی شعر پر ختم کرنا چاہتا ہوں:

صد شکر کہ ما پیروِ اصحابِ رسولیم
در شرع دگر راہنما را نشناسیم

حوالے اور حواشی

☆۱۔ تفسیر مظہری، جلد ششم، صفحہ ۱۴۹، ناشر خزینۂ علم و ادب، لاہور
☆۲۔ ایضاً، جلد پنجم، ص ۲۷۲۔ ۲۷۴
☆۳۔ ایضاً، جلد دوم، ص ۲۳۲
☆۴۔ ایضاً جلد۔۔۔ص ۱۰۹
☆۵۔ نعت اور آدابِ نعت، کوکب نورانی اوکاڑوی، مہر منیر اکیڈمی (انٹرنیشنل)، کراچی، ص ۹۸، نعت رنگ شمارہ: ۱۱
☆۶۔ علم بدیع سے میری واقفیت واجبی سی ہے، اس ضمن میں حدائقِ بخشش کا مقدمہ ترقیمہ شمس بریلوی اور ڈاکٹر خورشید خاور امروہوی کی کتاب "مقدمۃ الکلام عروض و قافیہ" ملاحظہ فرمائیے......(عزیز احسن)
☆۷۔ سیر عثمان غنیؓ، حکیم محمود احمد ظفر، تخلیقات، لاہور، ص ۱۱۷۔ ۱۱۸ (بحوالہ صحیح بخاری)۔
☆۸۔ ایضاً ص ۱۱۷
☆۹۔ "جامع الاحادیث" مع افاداتِ مجددِ اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ، جلد رابع، مرکز اہلِ سنت برکاتِ رضا، پور بندر (گجرات)۔
☆۱۰۔ تفسیر مظہری، جلد گیارہ، ص ۲۵۱
☆۱۱۔ امیر المومنین سیّدنا علیؓ، حکیم محمد احمد ظفر، تخلیقات، لاہور، ص ۲۵۷
☆۱۲۔ ایضاً ۱۸۲

www.muftiakhtarrazakhan.com

☆۱۳۔ سیرتِ عثمان غنیؓ، محولہ ۷، ص ۴۹۴

☆۱۴۔ بحوالہ نقوش ''رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمبر''، ص ۳۳۴، (ہشتم)

☆۱۵۔ الرحیق المختوم، مولانا صفی الرحمن مبارک پوری، المکتبۃ السّلفیہ، لاہور، ۶۲۷

☆۱۶۔ ایضاً، ۵۹۲

☆۱۷۔ تجرید بخاری شریف، قرآن محل، کراچی، جلد دوم، ص ۳۳۵

☆۱۸۔ تصفیہ مابین سنی وشیعہ، ص ۲، ۳، سیّد مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ، بار دوم، گولڑہ شریف، ضلع اسلام آباد، ۱۹۹۳ء

☆۱۹۔ ایضاً، ص ۶، ۷

☆۲۰۔ امیر المومنین سیّدنا علی، ص ۳۱۴

☆۲۱۔ آیۂ تطہیر کے حوالے سے تفسیر مظہری، جلد نہم، ص ۲۵۶، ۲۵۷ نیز کتاب مطالب ہائے سخنِ رضا، ۳۵۷، ملاحظہ ہوں۔

☆۲۲۔ سخن رضا مطلب ہائے حدائقِ بخشش، مولانا صوفی محمد اول قادری رضوی سنبھلی، ص ۳۵۸

☆۲۳۔ ایضاً، ۳۶۰

☆۲۴۔ ایضاً، ص ۳۷۳

❖❖❖

www.muftiakhtarrazakhan.com

کلامِ رضا! کچھ لسانی گوشے

از: ڈاکٹر احمد بدر

شاعری انسانی جذبات و احساسات، کیفیات و واردات، افکار و خیالات اور تجربات و مشاہدات کا منظوم پیرایۂ اظہار ہے۔ مذکورہ بالا عوامل و عناصر ہی کسی شاعر کے کلام میں موضوعات، اصناف، لب و لہجہ اور طرز ادا کا تعین کرتے ہیں جو کیفیت، احساس، فکر، خیال یا تجربہ، شعری پیکر میں ڈھلتا ہے اسی کی مطابقت و مناسبت سے الفاظ کا ڈھانچا تشکیل پاتا ہے اور اسی کی موزونیت پر معنوی گہرائی و گیرائی کا بھی انحصار ہے۔

شاعری کے لئے موضوعات کی کمی کبھی بھی نہیں رہی۔ کوئی موضوع انسان کے کسی جذبے یا کسی احساس کو چھو جاتا ہے۔ کوئی موضوع کسی خاص ذہنی و قلبی کیفیت کی عکاسی کرتا ہے۔ کوئی موضوع کسی شاعر کے فکر و خیال کو تحریک دیتا ہے۔ کوئی اس کے ذاتی مشاہدے اور تجربے پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ ان موضوعات کا تنوع بھی ہے اور ان کی حد بھی۔ کوئی موضوع ایسا نہیں دکھائی دیتا جو بیک وقت سب کا احاطہ کر سکے۔ شاید شاعری اپنے موضوعات کی اسی تہی دامنی پر خجل رہتی اگر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات والا صفات دنیائے آب و گل میں تشریف نہ لاتی اور نعت گوئی کا آغاز نہ ہوا ہوتا۔ آپ کی ذاتِ گرامی ایک ایسا موضوع ہے جس سے ایمان کا ہر دعوے دار اپنے جذبوں کی شدت، احساس کی گہرائی، کیفیت کی انتہا، وارداتِ قلبی کی رسائی، فکر کی پرواز، خیال کی بلندی، تجربوں کی وسعت اور مشاہدوں کی ہمہ جہتی کے مطابق جڑا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر شعراء نے نعت گوئی کے دامن سے اپنا رشتہ استوار رکھا تاکہ تخلیقی جبلت کی تسکین کے ساتھ ساتھ آخرت میں سرخ روئی کا سامان بھی ہو سکے۔

اس وقت جب اردو میں نعت گوئی عربی اور فارسی کے وسیلے سے آئی، دنیائے ادب میں نعت گو شعرا کے جھنڈے گڑ چکے تھے اور بیشتر اردو شعراء، عربی نہ سہی فارسی شعرا اور ان کے نعتیہ سرمائے سے بخوبی واقف تھے۔ خود ہندوستان میں فارسی نعتیہ ادب کافی وقیع تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نعت گوئی یہاں اردو کے اولین دور سے ہی رائج و مقبول ہو گئی۔ اردو کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں خالص نعت گو شعرا اور جز وقتی نعت گو شعرا کی اچھی خاصی تعداد دکھائی دیتی ہے۔ اور اس میں ہر روز اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ لیکن اس مجمع کثیر میں بھی ایک شاعر اپنے حسن اسلوب، طرز ادا، زور بیان، اظہار عقیدت، وفور عشق اور ندرت زبان کی وجہ سے نمایاں اور ممتاز دکھائی دیتے ہیں۔

امام احمد رضا خان رضا بریلوی

اردو نعت کے تین نمایاں رنگ ہیں: عقیدہ، عقیدت اور فن۔ کچھ نعتوں میں صرف عقیدۂ رسالت اور حضور کی ذات بابرکات کی جلوہ آرائی ہے۔ کچھ نعتوں میں صرف اور صرف اظہارِ عقیدت ہے۔ کچھ نعتیں محض اظہارِ فن کی مثالیں ہیں۔ اردو کے نعتیہ سرمائے کو کھنگال جائیے آپ کو ایسی مثالیں خال خال ہی ملیں گی جہاں عقیدہ، عقیدت اور فن تینوں ہم آہنگ ہوں۔ حضرت

www.muftiakhtarrazakhan.com

رضا اس معاملے میں استثنائی حیثیت کے حامل ہیں جن کی نعتوں میں ان تینوں رنگوں کی ہم آہنگی ایک عام سی بات ہے، یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

پل سے گزارو راہ گزر کو خبر نہ ہو — جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو
کانٹا مرے جگر سے غم روزگار کا — یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو
واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا — نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
فیض ہے یا شہ تسنیم نرالا تیرا — آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا
میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب — یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا
آسماں خوان، زمین خوان، زمانہ مہمان — صاحب خانہ لقب کس کا ہے، تیرا تیرا

یہ اور ایسے سیکڑوں اشعار اس ہم آہنگی کی بہترین مثال ہیں، لیکن صرف اسی معاملے میں نہیں ایک اور سطح پر کلام رضا میں ہم آہنگی اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ یہ ہے لسانی ہم آہنگی۔ عربی وفارسی زبانوں پر ان کی قدرت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ان کا بڑے سے بڑا مخالف بھی نہیں کرسکتا۔ عربی وفارسی کلام سے قطع نظر ان کا اردو کلام بھی بے تکلفی کے ساتھ استعمال ہوئے عربی وفارسی الفاظ کی تفہیم کے لئے لغت دیکھنے پر مجبور کردیتا ہے۔ اور یہ ان کی علمیت کا تقاضا بھی ہے۔ حیرت تب ہوتی ہے جب بریلی کے اطراف میں رائج روہیل کھنڈ کی مقامی زبان بھی عربی وفارسی سے ہم آہنگ دکھائی دیتی ہے۔ اس کی بہترین مثال ان کی چار زبانوں والی مشہور زمانہ نعت ہے جس کے یہ ٹکڑے ایک وجد آفریں تاثر پیدا کرتے ہیں۔

جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے — توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی
تورے چندن چندر پرو کنڈل — برسن ہارے رم جھم، رجھم جھم
مورا جیرا لرجے درک درک — جب یاد آوت موہے کر نہ پڑت
پت اپنی بپت میں کا سے کہوں — مورا تن من دھن سب پھونک دیا

مقامی زبان، رنگ اور آہنگ کی فنکارانہ آمیزش کی ایک اور مؤثر مثال ملاحظہ ہو ؎

سونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے — سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرالیں، یاں وہ چور بلا کے ہیں — تیری گٹھڑی تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے
یہ جو تجھ کو بلاتا ہے، یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا — ہائے مسافر دم میں نہ آنا، مت کیسی متوالی ہے
جگنو چمکے، پتہ کھڑکے، مجھ تنہا کا دل دھڑکے — ڈر سمجھائے کون پون ہے یا اگیا بیتالی ہے
بادل گرجے، بجلی تڑپے، دھک سے کلیجہ ہو جائے — بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے
دنیا کو تو کیا جانے یہ بس کی گانٹھ ہے حرافہ — صورت دیکھو ظالم کی تو کیسی بھولی بھالی ہے

مولیٰ میرے عفو و کرم ہوں میرے گواہ صفائی کے
ورنہ رضا سے چور پہ تیری ڈگری تو اقبالی ہے

www.muftiakhtarrazakhan.com

ایک ہی نظم سے لئے گئے یہ چند اشعار کلام رضا کے لسانی رویہ کی وضاحت کر جاتے ہیں۔ بدلی، رکھوالی، کاجل، گھڑی، ٹھگ، مت، متوالی، پون، اگیا، بیتالی، بھیا نک بن، بس کی گانٹھ وغیرہ کے استعمال کے ساتھ ساتھ چوروں کی رکھوالی ہونا، آنکھ سے کاجل چرانا، گھڑی تاکنا، نیند نکالنا، دم میں آنا، پتہ کھڑکنا وغیرہ محاورے جس بے تکلفی اور روانی سے نظم ہوئے ہیں ان کی مثال ملنی مشکل ہے۔ مقطع میں گواہ صفائی اور اقبالی ڈگری کو بھی اسی تناظر میں دیکھنا چاہئے۔

ایک اور نعت کے چند اشعار خط کشیدہ الفاظ کے ساتھ دیکھیں تو ہم آہنگی کی خوب صورت مثالیں دکھائی دیں گی۔ ؎

شمس و قمر سلام کو حاضر ہیں السلام — خوبی انہی کی جوت سے شمس و قمر کی ہے
آنسو بہا کے بہہ گئے کالے گنہ کے ڈھیر — ہاتھی ڈوباؤ جھیل یہاں چشم تر کی ہے
دنداں کا نعت خواں ہوں نہ پایاب ہوگی آب — ندی گلے گلے مرے آب گہر کی ہے
ڈوبا ہوا ہے شوق میں زمزم اور آنکھ سے — جھالے برس رہے ہیں یہ حسرت کدھر کی ہے
گھڑیاں گنی ہیں برسوں کی یہ سبگھڑی پھری — مر مر کے پھر یہ سل مرے سینے سے سر کی ہے
کعبہ دلہن ہے تربت اطہر نئی دلہن — یہ رشک آفتاب وہ غیرت قمر کی ہے
دونوں بنیں سجیلی انیلی بنی مگر — جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے
باب عطا تو یہ ہے، جو بہکا ادھر ادھر — کیسی خرابی اس نگھرے در بدر کی ہے

ان اشعار میں ہاتھی ڈوباؤ، سبگھڑی، سجیلی، انیلی، پی، سہاگن، کنور وغیرہ الفاظ کا برجستہ اور برمحل استعمال دیدنی ہے او بے گھر، بے راہ، خانہ وخراب وغیرہ کے مفہوم میں 'نگھرے' کی تو داد دینی مشکل ہے، بحولہ بالا اشعار میں 'جھالا برسنا' بھی استعمال ہوا ہے، یہ کلام رضا میں اس کے علاوہ بھی موجود ہے ؎

مزرع چشت و بخارا و عراق و اجمیر — کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

اسی سے ملتا جلتا ایک اور محاورہ "حدائق بخشش" کے صفحات پر موجود ہے، وہ ہے بھرن پڑنا ؎

پڑتی ہے نوری بھرن امڈا ہے دریا نور کا — سر جھکا اے کشت کفر آتا ہے ریلا نور کا

ان دونوں محاوروں سے محظوظ ہونے کے لئے دونوں کے معانی کا فرق ضرور سمجھنا چاہئے۔ جھالا یعنی وہ زور کا چلتا ہوا مینہ جو زمین کے کسی قطعہ پر برسے اور کسی قطعہ پر نہیں۔ اور بھرن 'وہ زور کی بارش جو دم بھر میں جل تھل بھر دے۔' اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شاعر نے یہ الفاظ یوں ہی نہیں نظم کر دیئے ہیں وہ ان کی معنوی تہہ داریوں سے بخوبی واقف ہیں۔ برسبیل تذکرہ بارش کی ایک اور قسم ملاحظہ ہو ؎

خود بجھا جائے کلیجہ مرا چھینٹا تیرا

کہنے کی ضرورت نہیں اس 'چھینٹے' کا 'چھینٹا' بھی اردو کے بہت سے بڑے بڑے غزل گو شعرا کو نصیب نہیں ہوا۔ بارش کی ایک اور قسم چھینٹے سے بھی ہلکی ہے۔ کلام رضا میں اس کی جھلک دیکھئے ؎

یہ جھوما میزاب زر کا جھومر کہ آ رہا کان پر ڈھلک کر

www.muftiakhtarrazakhan.com

پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے

عموماً کسی کی زبان دانی اور زبان پر گرفت کے لئے محاوروں کے استعمال کو ہی پیمانہ بنایا جاتا ہے۔ رضا بریلوی کی بامحاورہ زبان کے چند نمونے پیش ہیں۔

منہ دیکھنا، نظروں پہ چڑھنا : تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوار تیرا

دل میلا کرنا : تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کی دھلیں
کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

منہ تکنا : کس کا منہ تکیے، کہاں جائیے، کس سے کہئے
تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا

راج کرنا، باج لینا : راج کس شہر میں کرتے نہیں تیرے خدام
باج کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا

نمک چھڑکنا : دل اعدا کو رضاؔ تیز نمک کی دھن ہے
اک ذرا اور چھڑکتا رہے خامہ تیرا

بول بالا ہونا : ورفعنا لک ذکر کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا، ذکر ہے اونچا تیرا

الٹے پاوں پھرنا : دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزد رجیم
الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

کھیل بگڑنا، کھیل سنوارنا : بگڑا جاتا ہے کھیل مرا
آقا آقا، سنوار آقا

پلہ ہلکا ہونا : ہلکا ہے اگر ہمارا پلہ
بھاری ہے ترا وقار آقا

ہوا بتانا : نام مدینہ لے دیا، چلنے لگی نسیم خلد
سوزش غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی، کیوں!

طوطا اڑ جانا : باز اشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرتی
دیکھ اُڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا

دُھونی رَمانا : اے دل یہ سلگنا کیا، جلنا ہے تو جل بھی اٹھ
دم گھٹنے لگا ظالم کیا دھونی رمائی ہے

www.muftiakhtarrazakhan.com

چھاؤنی چھانا: دیکھ کے حضرت غنی پھیل پڑے فقیر بھی
چھائی ہے اب تو چھاؤنی حشر ہی آ نہ جائے کیوں

محاورہ دانی ایک چیز ہے لیکن اصل کمال تو محاورہ سازی ہے عام شاعر یا اہل زبان اس کی ہمت نہیں کرتا۔ یہ حق بھی کسی مجدد کو ہی پہنچتا ہے کہ وہ اپنی فکر رسا، قادر الکلامی اور صناعی سے نئے نئے محاورے ایجاد کرے۔ کلام رضا کے مطالعہ کے دوران مجھے محاورہ سازی کی بھی بیسیوں مثالیں دکھائی دیں۔ چند ملاحظہ فرمائیں:

بائیں رستے جانا (غلط راہ یا پرخطر راہ پر جانا):
بائیں رستے نہ جا مسافر سن مال ہے راہ مار پھرتے ہیں

گٹھڑیاں کسنا (سفر کی تیاری کرنا):
ہم بھی چلتے ہیں ذرا قافلے والو ٹھہرو گٹھڑیاں توشہ امید کی کس جانے دو

گٹھری باندھنا کا استعمال اردو شاعری میں ہے اور یہ محاورہ لغات میں بھی موجود ہے لیکن گٹھڑیاں کسنا کہیں میری نگاہ سے اس سے قبل نہیں گذرا۔

گما دینا (بے خبر کردینا): ایسا گما دے کہ ان کی ولا میں خدا ہمیں
ڈھونڈا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

ایک جگہ انہوں نے گم ہونے کے معنیٰ میں ''گمنا'' بھی استعمال کیا ہے
بندہ ملنے کو قریب حضرت قادر گیا لمعہ باطن میں گمنے جلوۂ ظاہر گیا

من مانتی مانگنا: مانگ من مانتی منہ مانگی مرادیں لے گا
نہ یہاں نا ہے، نہ منگتا سے یہ کہنا، کیا ہے

نیند نکالنا: نہ چونکا دن ہے ڈھلنے پر، تری منزل ہوئی کھوٹی
ارے او جانے والے نیند یہ کب کی نکالی ہے

یہ بھی توجہ طلب ہے کہ راہ کھوٹی کرنا یا ہونا تو رائج ہے لیکن منزل کھوٹی ہونا بھی ایک ندرت ہے۔

باڑا بٹنا (خیرات بٹنا): صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

کچا کرنا: نسخ ادیاں کر کے خود قبضہ بٹھایا نور کا
تاجور نے کر لیا کچا علاقہ نور کا

صاحب فرہنگ آصفیہ'' نے حالاں کہ 'کچا' کے ذیل میں ''غیر سرکاری کاغذ، اسٹامپ کا نقیض جیسے کچا کاغذ'' لکھا ہے لیکن کچا کرنا کے چار معانی لکھنے کے باوجود وہ معنی نہیں لکھا جو اس شعر سے برآمد ہوتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ محاورہ ان کی نظر

www.muftiakhtarrazakhan.com

سے نہیں گزرا تھا۔

ٹھوکر پہ ڈالنا : تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

فرہنگ آصفیہ میں ہی ٹھوکر کے ذیل میں گیارہ محاورے درج ہیں لیکن ٹھوکر پہ ڈالنا نہیں ہے۔

دھارے چلنا : دھارے چلتے ہیں عطا کے، وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے، وہ ہے ذرہ تیرا

واضح ہو کہ تارے کھلنا لغات میں ہے لیکن دھارے چلنا کہیں دکھائی نہیں دیا۔

دعویٰ پہنچنا : بحر و بر، شہر و قری، سہل و حزن، دشت و چمن
کون سے چک پہ پہنچتا نہیں دعویٰ تیرا

دعویٰ باندھنا اور دعویٰ جمانا وغیرہ لغات میں دستیاب ہے۔ دعویٰ پہنچنا بول چال میں رائج ہے ہر شخص اس کا مفہوم سمجھ سکتا ہے لیکن لغات اس سے خالی ہیں۔

نور چھننا : حرم، طیبہ و بغداد، جدھر کیجئے نگاہ
جوت پڑتی ہے تری، نور ہے چھنتا تیرا

نور جھلکنا لغات میں موجود ہے نور چھننا نہیں ہے۔

گردن میں ڈورا ہونا (رشتہ ہونا، تعلق ہونا) :

تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

دام کھرے کرنا یا ہونا لغات میں مل جائے گا مگر دام نقد ہونا ایجاد رضاؔ ہے۔

کلیجہ چرنا اور مرضی پانا : تیری مرضی پا گیا، سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی، مہ کا کلیجہ چر گیا

یہ دونوں ہی محاورے لغات میں موجود نہیں۔

چہرا لکھانا: فخر آقا میں رضا اور بھی اک نظم رفیع
چل لکھا لائیں ثنا خوانوں میں چہرا تیرا

چہرا لکھانا تو کہیں نظر نہیں آیا لیکن چہرہ کا ایک معنی یہ بھی ملا۔ ''حلیہ، ملازموں کے خال وخط جو دفتر ملازمت میں لکھے جائیں۔'' یہ معنی اس محاورے کا مفہوم واضح کرتا ہے اور شعر کا حسن عیاں ہو جاتا ہے۔

یہ اشعار رضاؔ بریلوی کے لسانی رویہ کی بھرپور وضاحت کے لئے کافی ہیں پھر بھی کچھ الفاظ اور ان کا، شعر میں فنکارانہ استعمال ایسا ہے کہ ان کا ذکر کئے بغیر تشفی نہیں ہوتی۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

باعلانات: صدقہ پیارے کی حیا کا، کہ نہ لے مجھ سے حساب
بخش بے پوچھے، لجائے کو لجانا کیا ہے

بورا (دیوانہ، باؤلا): عاقلو ان کی نظر سیدھی رہے
بوروں کا بھی کام ہو ہی جائے گا

چہچہا (خوش الحانی، خوش آوازی): ایک دن آواز بدلیں گے یہ ساز
چہچہا کہرام ہو ہی جائے گا

دھان پان: بار جلال اٹھا لیا گرچہ کلیجہ شق ہوا
یوں تو یہ ماہ سبز رنگ نظروں میں دھان پان ہے

کڑوڑا (وہ شخص جو عاملوں اور محصلوں پر خیانت کی نگرانی کے واسطے کوئی حاکم مقرر کرے۔ افسروں کا افسر، حاکموں کا حاکم۔ بڑا عہدیدار، جس کے ماتحت عہدیدار بھی ہوں۔ فرہنگ آصفیہ۔

میری تقدیر بری ہو تو بھلی کر دے، کہ ہے
محو و اثبات کے دفتر پہ کڑوڑا تیرا

غرض یہ کہ اپنی عالمانہ شان اور تبحر کے باوجود ان کا رشتہ دیس کی مٹی کے ساتھ استوار ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ 'دیس' کا لفظ بھی کلام رضا میں بار بار آتا ہے ؎

ذبح ہوتے ہیں وطن سے بچھڑے　دیس کیوں گاتے ہیں گانے والے
ارے بدفال بری ہوتی ہے　دیس کا جنگلا سنانے والے

ملحوظ رہے کہ دیس ایک ہندی راگ کا بھی نام ہے اور جنگا بھی گانے کا ایک مقامی طرز ہے۔ اسے ذہن میں رکھ کر یہ شعر پڑھئے تو میری باتوں کو مزید تقویت ملے گی ؎

حور جناں ستم کیا، طیبہ نظر میں پھر گیا
چھیڑ کے پردہ حجاز دیس کی چیز گائی کیوں

یہ قانون فطرت ہے کہ جس درخت کی جڑیں جتنی گہرائی تک جاتی ہیں اس کی شاخوں کو اتنی ہی بلندی حاصل ہوتی ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ کلام رضا کی عظمت و اہمیت اور بلند معیاری کی بڑی وجہ شاعر کا اپنی مٹی کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور یہ تعلق اردو کے کم شاعروں کو نصیب ہوا ہے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

سلامِ رضاؔ کے دو باغوں کی سیر

از: ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

سارے سال اور خاص طور پر ماہِ ربیع الاوّل میں برِ عظیم جنوبی ایشیا کی مسلمان بستیاں 'مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام' کی صداؤں سے گونجتی رہتی ہیں۔ یہ صدائیں مسجد و محراب سے ابھرتی ہیں، گھروں کے آنگنوں میں، آوازوں کے غنچوں میں یہی نغمہ سنائی دیتا ہے، ذکرِ رسولِ کریم ﷺ کی محفلوں میں اسی سلام کے الفاظ سے چراغاں ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ ہماری زبان کا مقبول ترین سلام ہے اور عام طور پر اس سلام کی ادائیگی کے وقت کسی قسم کی کوئی فقہی قباحت یا اختلاف ذہنوں میں نہیں ہوتا۔ اس قبولِ عام کو شاعر کے کلام کے محاسن سے نہیں بلکہ اُس کے خلوص اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وابستگی کا نتیجہ قرار دینے کو جی چاہتا ہے اور اسی سلام کے اثرات کی جھلک حفیظ جالندھری، مولانا ماہر القادری، جگن ناتھ آزاد، منور بدایونی، وحیدہ نسیم اور حنیف اسعدی وغیرہ کے سلاموں میں نظر آتی ہے۔ آواز کے یہ دائرے وقت کے سمندر میں پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ بیس ویں صدی عیسوی کی بڑی مدت اس سلام کی مقبولیت کی شاہد ہے اور اب اکیس ویں صدی عیسوی میں اردو دنیا کی حدود کی توسیع کے ساتھ اس سلام کی صداؤں نے نئے علاقوں کو مسخر کرلیا ہے۔ اردو بولنے والوں کی کاہلی، علم بے زاری اور مختلف وجوہ کی بنا پر دشمنی کے باوصف اردو کے اس قبولِ عام کے اسباب میں سب سے قوی سبب اس زبان میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا ذکرِ مسلسل ہے۔

سلامِ اردو نعت اور اردو مرثیہ کی ذیلی صنف کا درجہ رکھتا ہے۔ ان دونوں اصناف کا گہرا رشتہ ہمارے معاشرے، ثقافت اور اندازِ زیست سے رہا ہے۔ اردو میں حمدیہ اور نعتیہ رُباعیوں کا سلسلہ مجالسِ محرم سے وابستہ ہے۔ انیس اور دبیر اپنی مرثیہ خوانی کا آغاز انھیں رُباعیوں سے کرتے تھے۔ اردو مرثیے میں واقعاتِ کربلا بیان کیے جاتے تھے۔ محرم کی تاریخوں کا خیال رکھا جاتا اور مختلف تاریخوں میں اُن کی مناسبت سے واقعات پیش کیے جاتے۔ مرثیے بالعموم خاصے طویل ہوتے تھے۔ اس لیے جذبات کے ارتکاز کے لیے سلام سے کام لیا جاتا۔ کربلا سے متعلقہ جذبات کے بیان میں غزل کی اشاریت کی مدد سے آفاقیت پیدا ہوجاتی اور کربلا کا رشتہ ہر دور کی تاریخ سے جڑ جاتا۔ سلام کے چند اشعار سے میری بات کی وضاحت ہوسکے گی:

جوش ہم ادنیٰ غلامانِ علیِ مرتضیٰ
تمکنت سے پیش آتے ہیں جہاں بانی کے ساتھ

(جوش ملیح آبادی)

کچھ بریدہ بازوؤں والے نے لکھی ریت پر
کچھ کہانی کہہ گیا اک بے زبانِ کربلا

(افتخار عارف)

www.muftiakhtarrazakhan.com

نعت گو شعرا نے نعت کے آداب اور قرینے ، قرآن حکیم، احادیثِ نبوی اور صحابۂ کرام کی نعتیہ شاعری سے سیکھے ہیں۔
قرآن حکیم بہ عنوانِ جلی اور بہ عنوانِ خفی ذکرِ مصطفی ﷺ سے عبارت ہے۔ احادیث میں مرتبۂ مصطفی ﷺ کے مختلف پہلو پیش کیے گئے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو منبرِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نعت پڑھنے کا شرف حاصل ہوا اور صدیوں سے حسان رضی اللہ عنہ کا نام دبستانِ نعت کا درجہ رکھتا ہے:

میں نے خاکِ درِ حسان کو سرمہ جانا　　اور ایک ایک سبق نعت کا ازبر رکھا

(افتخار عارف)

قرآن حکیم میں نعت کے جو اسالیب ہیں سلام بھی اُن میں سے ایک ہے۔ س ل م کے مادّے سے جو الفاظ وجود میں آئے اُن میں بڑا تنوع ، ہمہ گیری اور وسعت ہے۔ سلیم جو شخص اور ذات ہے جو ہر نقص سے پاک ہو۔ اسی طرح ہر آفت سے سلامتی بھی اُس کے معانی میں شامل ہے۔ سلمہ اللہ تعالیٰ کا استعمال تو ہماری زبان میں بھی عام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماے مبارکہ میں سلام بھی شامل ہے یعنی وہ ذات جو تمام نفوس اور اشیا کو سلامتی عطا کرے۔ امن، سلامتی، اطاعت، سپردگی یہ سب سلام کے مفہوم میں شامل ہیں۔

قرآن حکیم نے سرورِ کونین علیہ السلام پر اللہ اور اُس کے فرشتوں کے درود بھیجنے کا ذکر کیا ہے اور اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ تم بھی نبی اعظم ﷺ پر درود اور سلام بھیجو۔ یوں آپ پر سلام بھیجنا حکمِ قرآنی ہے اور اس کی تعمیل کی ایک صورت نعت میں سلام پیش کرنا ہے۔

"ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی۔ یایھا الذین امنوا صلو علیہ وسلموا تسلیما۔ (سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶) اللہ اور اُس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود و صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اے اہلِ ایمان! تم بھی آپ ﷺ پر سلام و صلوٰۃ بھیجو۔"

سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاے کرام پر بھی سلام کا ذکر ہے اور انھیں کی زبان سے کہ مجھ پر سلام اُس دن کے حوالے سے جب میں پیدا ہوا اور جس دن میں وفات پاؤں گا جو جس دن مجھے اٹھایا جائے گا اور الصافات میں حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ، ہارون، الیاسین پر سلام بھیجے گئے ہیں، مگر اہلِ ایمان کو حضرت محمدِ عربی پر سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا اور یہ آپ کو خصوصی اعزاز ہے۔

اس پس منظر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نعت گو شعرا نے اپنی نعتوں میں حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سلام کیوں اس اہتمام کے ساتھ پیش کیے ہیں اور سلام کو اس کے صنفِ سخن کا سا مرتبہ کیوں حاصل ہو گیا ہے۔

امام احمد رضا خان کے سلام کا ذکر اپنی کئی تحریروں میں کر چکا ہوں۔ یہ مضمون انھیں نکات کی تفصیل ہے اور بعض مزید خصوصیات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

اس سلام کی اہم ترین بات اس کی ترتیب اور تعمیری حسن ہے۔ جذبہ دل کی اپنی تعبیر اور اظہار ہوتا ہے۔ جذباتی شاعری میں فکری شاعری کی سی ترتیب کم نظر آتی ہے۔ شاید اسی لیے ہمارے نظم گو شعرا کے یہاں بھی ترتیب، ربط اور تنظیم نہیں ملتی۔ امام

www.muftiakhtarrazakhan.com

احمد رضا خان میں جذباتی رنگ کے ساتھ فکری گہرائی بھی ہے اور ان دونوں عناصر کو حسنِ ترتیب نے اس طرح ایک دوسرے سے مربوط کیا ہے کہ ایک شعری شہ پارہ وجود میں آ گیا ہے۔

زندگی اور ریاضی کی دنیا میں ۲ + ۲ (دو جمع دو) ہمیشہ چار ہوتے ہیں لیکن فن کی دنیا کی ریاضی اس سے مختلف ہوتی ہے۔ یہاں کُل اپنے اجزا سے بڑا ہوتا ہے۔ تاج محل محض سنگِ مرمر، نقش و نگار، خطاطی کے حسن اور طرزِ تعمیر کے حسن کا نام نہیں بلکہ اس میں جذبۂ عشق کی قوت کا وہ عنصر بھی شامل ہے جس کا کوئی نام نہیں۔ ہماری حسین ترین عمارتیں مربع یا مستطیل ہیں۔ اُن میں فنی زاویے، خطوط نہیں ــــ لیکن اُن کے معماروں کے جذبے اور ہمارے جذبات اور ذوقِ نظر ایک دوسرے کے ساتھ یوں وابستہ ہو گئے ہیں کہ تاثر اور حسن کی ایک نئی دنیا آباد ہوتی نظر آتی ہے۔

یہ تعمیری حسن اور وحدت شعر میں بھی نظر آتی ہے۔ اس کی بہت نمایاں مثال اقبال کی نظم مسجدِ قرطبہ ہے جو ایک مسجد کے جلال و جمال کی تصویر ہی نہیں بلکہ اسلام کے ذوقِ جمال کی تفسیر ہے اور یوں کہ:

اے حرمِ قرطبہ حسن میں تیری نظیر قلبِ مسلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں

حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کی (کہی) ایک نعت کو میں نے کئی منزلوں کے وسیع اور کشادہ مکان بلکہ محل سے تشبیہ دی ہے۔ رضا بریلوی کا سلام بھی یہی تعمیری حسن رکھتا ہے بلکہ اس کے رنگ و بو کی مناسبت سے ایسا وسیع باغ کہہ لیجیے جس کے کئی حصے یا پھولوں کے کئی تختے ہوں۔ سلامِ رضا کے ان مختلف حصوں کی تاثیر اور تناسب کی بنا پر یہ کہنا بھی مبالغہ ہوگا بلکہ حقیقت کا اظہار ہوگا کہ حدائقِ نعت و ثنا ہے۔ ہر حدیقہ کا رنگ دوسرے سے مختلف مگر ہم آہنگ ہے۔

پہلے حدیقے میں نبوت و رسالت کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ رحمت، ہدایت، شفاعت، عرش و فرش پر جلوہ گری، لطافت و نظافت، حکم و فضیلت بعض مسخرات کی طرف اشارے، ریاست و سرِ غیب، میرے شمار اور تقسیم کے مطابق اس حصے میں اکتیس شعر ہیں۔ ان شعروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ فاضل بریلوی نے کس کس پہلو سے کمالاتِ نبوت کو سمجھا ہے اور اُن کا احاطہ کیا ہے۔ اس حدیقہ میں رضا بریلوی کی زبان و بیان نے اُن کی عقیدت کی گیرائی اور گہرائی کا ساتھ دیا ہے اور ایسی ایسی تراکیب اور صفات ہمارے سامنے آتی ہیں جن سے ہماری زبان زیادہ نوری، قدسی صفت اور نئے احکامات کی امین بن گئی ہے۔

سلام کا آغاز 'رحمت' اور 'ہدایت' کے نغموں سے ہوتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے اشعار میں 'رسالت' اور 'شفاعت' کے ذکر سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کے چار بنیادی عناصر کا ذکر مکمل ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے بھیجنے والے نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور انسانوں کی ابدی ہدایت کا ابدی نقطہ آپ ہی کی ذات ہے۔ تمام انبیاے کرام کی تعلیمات کا مہیمن اور محافظ قرآن حکیم ہے اور آپ کے اسوۂ حسنہ میں تمام انبیاے کرام کی صفات نقطۂ کمال پر نظر آتی ہے۔ اس کائنات کی تاریخ میں کوئی لمحہ ایسا نہیں آیا جو بزمِ ہدایت سے خالی رہی ہو اور آخر میں اس بزم کو ابدالآباد تک روشن رہنے والی شمع مل گئی۔ اُس شمع پہ لاکھوں سلام اور لاکھوں درود۔ حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی ہدایت بھی ہے اور ہدایت کی برہانِ عظیم بھی۔

"قل فلله الحجة البالغه (سورۃ الانعام، آیت ۱۴۹) آپ کہہ دیجیے کہ بس مکمل حجت تو اللہ کی ہی ہے۔"

اس سطحِ بلند کی شاعری میں چوتھا شعر بے جوڑ لگتا ہے جس کا اس حدیقۂ اوّل کے اُن تمام اشعار سے کوئی علاقہ نہیں جو

www.muftiakhtarrazakhan.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وذات کو ہمارے وجدان کا حصہ بنادیتے ہیں۔

شبِ اسریٰ کے دولھا پہ دائم درود — نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

دولھا، برات، نوشہ، شادی، نوشہ کے تلازمے نہ جانے حضرت احمد رضا خاں صاحب اور اُن کے دبستان کے بہت سے شاعروں اور مقرروں کو کیوں اس درجہ پسند تھے۔ 'نوشۂ بزمِ جنت' کو 'مرکزِ بزمِ جنت'، 'شانِ بزمِ جنت'، 'رونقِ بزمِ جنت'، 'کعبۂ بزمِ جنت' کچھ بھی کہا جاسکتا تھا۔ پورا سلام اپنے شاعر کی قادرالکلامی کا گواہ ہے بلکہ یہ تلازمہ شاعر کی نفسیات کا ایک حصہ ہے۔ اس تلازمہ کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ایسے عالمانہ سلام میں جو حدیث وقرآن کی آیات کی ترجمانی کرتا ہے عام سننے والوں کی دل چسپی کے کچھ اشعار شعری ضروریات کا تقاضا تھے۔

اس حدیقۂ اوّل میں: عرش کی زیب وزینت پہ عرشی درود

پیش کیا گیا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس خاک دانِ ارض کی روشنی تھے تو عرش کی زیب وزینت بھی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزوں کی طرف اس اشارے کی باریکیوں پر نظر ڈالیے اور پھر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لیے نائبِ دستِ قدرت کی بلاغت اور پھیلاؤ کا جائزہ لیجیے:

صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر — نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

وہ نائبِ دستِ قدرت کے دستِ قدرت ہی کی بات قرآن حکیم نے یوں پیش فرمائی ہے:

''وما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی (سورۃ الانفال: آیت ۱۷) اور (اے رسول) آپ نے مٹی کی مٹھی کافروں کی طرف نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔''

یہ جنگِ بدر کے اُس واقعے کی طرف اشارہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنکریوں کی مٹھی کافروں کی طرف پھینکی اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے کوئی کافر ایسا نہیں تھا جس کی آنکھوں کو اُس مٹھی بھر مٹی نے متاثر نہ کیا ہو اور اس واقعے کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ وہ مٹھی بھر خاک آپ نے نہیں بلکہ ہم نے پھینکی تھی۔

اقبال کے ہاں شاید اسی تلمیح نے اس طرح شعر کا قالب اختیار کیا ہے کہ:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ — غالب و کار آفریں، کارکشا کارساز

یہ دنیا دارالاسباب ہے اور یہ اُسی مسبب الاسباب کا کام ہے کہ وہ اپنے رسول کے ہاتھ کو دستِ قدرت کی تاثیر عطا کرتا ہے، اس سلام کے ابتدائی حصے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جو مرتبۂ نبوت کی شناسائی کی روشنی سے منور اور عطر سے معطر ہیں:

نقطۂ سرِّ وحدت پہ یکتا درود — مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام
فتح یابِ نبوت پہ بے حد درود — ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام
سرِّ غیبِ ہدایت پہ غیبی درود — عطرِ جیبِ نہایت پہ لاکھوں سلام
مطلعِ ہر سعادت پہ اسعد درود — مقطعِ ہر سیادت پہ لاکھوں سلام
ربِ اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود — حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

www.muftiakhtarrazakhan.com

اس اشعار کے سلسلے میں اجمالاً عرض ہے کہ:

(۱) ان شعروں میں درود کی صفات (جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا ہے) اردو زبان اُن معنوی اور لسانی وسعتوں سے آشنا کرتی ہیں جو اردو کی نعتیہ شاعری اور عام شاعری میں بھی ناپید تھیں۔

(۲) مرتبہ رسالت سے متعلق نہایت دقیق نکات دل کو چھونے والی شاعری بن گئے ہیں۔ خیال اور جذبہ کا ایسا امتزاج غالب اور اقبال کی شاعری کے علاوہ کہیں اور مشکل سے ملے گا۔ اس سطح کی نعتیہ شاعری صرف محسن کاکوروی کی دو مثنویوں میں ملتی ہے۔

(۳) تضادات اور انتہائیں مطلعِ نبوت پر ایک دوسرے سے ہم آغوش ہوگئی ہیں۔ فتحِ بابِ نبوت اور ختمِ دورِ رسالت، مطلعِ ہر سعادت اور مقطعِ ہر سیادت۔

(۴) ان اشعار کے جسم میں آیاتِ قرآنی کے مفاہیم اور کنایے روح کی طرح دوڑ رہے ہیں:

حق تعالٰی کی منت پہ لاکھوں سلام

ہم سے ہر انسان کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالٰی کے کرم اور احسان کی دستاویز ہے، شیخ سعدی کی یہ بات کتنی سچی ہے کہ ہر سانس پر انسان پر دو شکر واجب ہیں۔ ہر سانس جو اندر جاتی ہے وہ ممدِ حیات ہے اور باہر نکلنے والی ہر سانس مفرحِ ذات ہے، جس طرح زمین اور آسمان کی بے شمار مخلوق کو انسان کی خدمت اور زندگی کو سہل بنانے کے لیے مقرر فرمایا گیا ہے اُس کو احاطہ کون کر سکتا ہے۔

تم بھلا اپنے رب کی کس کس نعمت سے انکار کرو گے، لیکن ہمارے رب نے کسی نعمت کو اپنے احسان کے طور پر نہیں پیش فرمایا، ہاں اُس کا ایک احسان ایسا ہے جس کا اُس منعمِ حقیقی نے اظہار فرمایا ہے اور وہ احسان ہے بعثتِ محمدی۔

"لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ ویز کیھم و یعلمھم الکتب والحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔ (سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۶۴) بے شک یہ اللہ تعالٰی کا مسلمانوں پر بڑا احسان ہے کہ انھیں میں سے اُن میں ایک رسول مبعوث فرمایا جو انھیں اللہ کی آیات سناتا ہے اور اُن کا تزکیۂ نفس فرماتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ یقیناً یہ سب لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔"

اور ہم اس قولِ رب کی تصدیق یوں کرتے ہیں کہ: حق تعالٰی کی منت پہ لاکھوں سلام

اس آیتِ قرآنی میں بعثتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو تین عظیم اور انسان و انسانیت ساز مقاصد بیان فرمائے گئے ہیں جو سلامِ رضا کے ابتدائی حصے میں مختلف عنوانات اور اسالیب میں پیش کیے گئے ہیں۔

اس سلام (جس کو اس عاجز نے 'حدائقِ نعت' قرار دیا ہے) کا دوسرا حدیقہ شمائل و خد و خال رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت ہے، شمائل کا باب احادیث کے ذخیروں میں بہت نمایاں ہے۔ صحابۂ کرام کو حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رخساروں میں سورج تیرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ ہر دن سرکارِ دو عالم کے محفلِ روحانی میں ان بیٹھنے والوں نے کبھی شاید پوری طرح اُس چہرۂ پُرنور کو نہیں دیکھا۔ اُس چہرے کے اندازِ حسن کے ہر رنگ کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے تھے۔ وہ چہرہ کبھی طلوع ہوتے ہوتے سورج کی مانند دکھائی دیتا تو کبھی بدرِ کامل کی طرح۔ کبھی وہ رخسار گلستاں میں بدل جاتے۔ اُس لامحدود حسن کی لامحدودیت

www.muftiakhtarrazakhan.com

کا اندازہ شمائل کی احادیث سے ہوسکتا ہے۔ ہر صحابی نے اپنے ظرف کے مطابق سرکارِ دوعالم ﷺ کو دیکھا اور اپنے مشاہدے کو الفاظ کا پیراہن عطا کیا۔ اس مرحلے پر اپنی ایک تحریر کا چھوٹا سا اقتباس پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں:

ایک مرتبہ ایک امریکی نے مجھ سے کہا کہ تم لوگ اپنے نبی (ﷺ) کی تصویر سے بھی محروم ہو۔ آخر کیوں؟ میں نے جواب دیا کہ تمھارے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کے خد وخال اور حسن محدود ہیں اُن کی تصویروں تک۔۔۔ اور ہمارے نبی ﷺ اتنا حسین ہے جتنا انسانی تخیل اور تصور ہوسکتا ہے۔ ہم پوری کائنات کے حسن میں اپنے رسول ﷺ کا حسن دیکھتے ہیں اور بات صرف دید تک محدود نہیں۔ ہم تو اُس حسن اور خد وخال کو سوچتے بھی ہیں۔ ('نعت اور تنقیدِ نعت'، ص ۱۷۳)

سلامِ رضا کے حدیقۂ دوم میں احادیث شمائل، عشقِ مصطفوی، قدرتِ کلام، شاعرانہ تخیل کی یک جائی نے اردو نعت کے دامن کو ایسے پھولوں سے بھر دیا ہے جن کی تازگی کو وقت کے گزران کا کوئی خطرہ نہیں۔

ان اشعار میں اعضاے جسمانی اور اُن کے وظائف (کام) کو احمد رضا خاں صاحب نے عجب انداز سے یک جا کیا ہے، مثلاً: 'شکم' کے حسن اور صفت کو کس طرح بیان کیا ہے:

کُل جہاں مِلک اور جو کی روٹی غذا — اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

رضا بریلوی کی علمیت، شاعرانہ تخیل، قرآن وحدیث سے اُن کے تعلق نے بعض شاعرانہ علامات کے سیاق وسباق کو بدل دیا ہے اور وسیع منظر وپس منظر نئے معانی ہمارے ذہن کے مطلع پر طلوع ہوتے ہیں، مثلاً:

معنیِ قد رایٰ مقصدِ ما طغیٰ — نرگسِ باغِ قدرت پہ لاکھوں سلام

معانی کا یہ جہانِ نو ان اشعار میں ملاحظہ ہو:

نور کے چشمے لہرائیں، دریا بہیں — انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام
عیدِ مشکل کشائی کے چمکے ہلال — ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام

نئی نئی ترکیبیں کس آسانی سے مسلسل سلام میں آتی چلی گئی ہیں کہ پڑھنے والے کو ایسے مقامات نئے اور اجنبی نہیں محسوس ہوتے اور شعری تراکیب دو یا زیادہ الفاظ کو جوڑنے سے وجود میں نہیں آتیں بلکہ وہ دو یا دو سے زیادہ تجربات کو ایک معنوی رشتے میں منسلک کر دیتی ہیں۔ عیدِ مشکل کشائی، پر غور فرمائیے اور اس سے بڑھ کر ناخنوں کی نسبت سے 'ہلال' کو جمع کے طور پر استعمال کرنا۔ نبی اکرم ﷺ کی مشکل کشائیوں کی نہ حد ہے نہ شمار۔ ہر لمحے آپ کے ناخنوں نے انسانی مسائل کی گرہ کھولی ہے۔

ازواجِ مطہرات، اہلِ بیت، صحابۂ کرام اور صالحینِ اُمت نبی کریم ﷺ کی نبوت اور صداقت کے شواہد ہیں اور رسولِ کریم ﷺ کی نبوت کے مفاہیم ان کے مرتبہ وسیرت کو سمجھے بغیر پوری طرح روشن نہیں ہوسکتے اور سرِ دست ان انھیں دو باغوں کی سیر پر اکتفا کرتے ہیں۔

❖❖❖

www.muftiakhtarrazakhan.com

اعلیٰ حضرت زندہ باد

از: علامہ سید اولاد رسول قدسی مصباحی، نیویارک، امریکہ

نعرہ ہم مل کر لگائیں ،اعلیٰ حضرت زندہ باد
جلنے والوں کو جلائیں،اعلیٰ حضرت زندہ باد
کٹ گئے باطل سبھی ان کے قلم کی تیغ سے
برملا سب کو بتائیں،اعلیٰ حضرت زندہ باد
وہ ہمارے ایسے ہیں محسن نہیں ان کی مثال
فخر سے گن ان کا گائیں،اعلیٰ حضرت زندہ باد
دین و ایماں کے لٹیروں سے بچایا ہے ہمیں
دل میں ہم ان کو بسائیں،اعلیٰ حضرت زندہ باد
ان کے مسلک پر جو عین دین ہے اس دور میں
خود چلیں سب کو چلائیں،اعلیٰ حضرت زندہ باد
شمع عشق مصطفےٰ،روشن ہو ہر اک قلب میں
ان کی نعتیں ہم سنائیں ،اعلیٰ حضرت زندہ باد
ہم عمل ان کی وصیت پر کریں تا زندگی
پائدار ایماں بنائیں ،اعلیٰ حضرت زندہ باد
کر کے نفرت سرور عالم کے ہر گستاخ سے
عاقبت روشن بنائیں ،اعلیٰ حضرت زندہ باد
جو نہیں آقا کا وہ ہر گز نہیں رحمان کا
یہ سبق سب کو پڑھائیں،اعلیٰ حضرت زندہ باد
مان کر مرکز بریلی کو صمیم قلب سے
متحد ہوکر دکھائیں،اعلیٰ حضرت زندہ باد
ان کی ہر تخلیق تھی ھے اور رہے گی بے بدل
سب کو یہ باور کرائیں،اعلیٰ حضرت زندہ باد
ان کے ارشادات کے آگے جھکا کر اپنا سر
ہم قدم آگے بڑھائیں،اعلیٰ حضرت زندہ باد

کر کے پسپا باطلوں کو ان کے استدلال سے
جشن خوشیوں کا منائیں،اعلیٰ حضرت زندہ باد
کر کے ترویج و اشاعت ان کی تصنیفات کی
حق کا ہم سکہ جمائیں،اعلیٰ حضرت زندہ باد
دامن ان کا تھا کر اور ان کو رہبر مان کر
آگ نفرت کی بجھائیں،اعلیٰ حضرت زندہ باد
یہ فتاویٰ رضویہ ہے چرخ تاباں فقہ کا
ہے یہی حق مان جائیں،اعلیٰ حضرت زندہ باد
ان کی تحقیقات پر ہم لب کشا ہونے سے قبل
اک بدل ان کا تو لائیں،اعلیٰ حضرت زندہ باد
رب اکبر کے کرم سے ہر طرف ہر بزم میں
گونجتی ہیں یہ صدائیں،اعلیٰ حضرت زندہ باد
مسکراتی ہیں دردوں کی زباں پر ڈالیاں
درد کی ہیں یہ دوائیں ،اعلیٰ حضرت زندہ باد
ہے یقین میرا بروز حشر رب ان کے طفیل
بخش دے گا سب خطائیں،اعلیٰ حضرت زندہ باد
دل کو رکھ کے با وضو آنکھوں کو کر کے اشکبار
فکر کو طاہر بنائیں ،اعلیٰ حضرت زندہ باد
داعی خیر ان کو ہم تسلیم کر کے بے جھجک
شر کی آلائش ہٹائیں ،اعلیٰ حضرت زندہ باد
سوئیں تو لفظ محمد کی بنیں تفسیر نور
کتنی پیاری ہیں ادائیں ،اعلیٰ حضرت زندہ باد
قدسی دنیا کے ہر اک گوشے میں ان کے نام کا
بے خطر ڈنکا بجائیں ،اعلیٰ حضرت زندہ باد

www.muftiakhtarrazakhan.com

ترانۂ عرس رضوی

از: محمد سلمان رضا فریدی، بارہ بنکوی مسقط عمان

آیا ہے عطاؤں کا موسم، کیا خوب سماں متوالا ہے
انداز نیا اور جوش نیا، ہر رنگ ہی اِسکا نرالا ہے
یہ عرس رضا صد سالہ ہے

آئی ہے بریلی سے خوشبو، جھوم اٹھے غلاموں کے تن من
ہے ساری فضا مہکی مہکی اور ابر کرم کا جھالا ہے
یہ عرس رضا صد سالہ ہے

ہر سال سے بڑھ کر آرائش، ہر سال سے بڑھ کر تیاری
سب لوگ چلیں چل کر دیکھیں، یہ جشن تو دیکھنے والا ہے
یہ عرس رضا صد سالہ ہے

نغمہ ہے مبارکبادی کا، عشاقِ رضا کی ہے بارات
ہیں دولھا بنے اعلیٰ حضرت، اختر ان کا شہ بالا ہے
یہ عرس رضا صد سالہ ہے

ہے خواجہ پیا کی خاص نظر اور دست کرم مارہرہ کا
بغداد سے آئی ہے بخشش، اشرف کی عطا کا اجالا ہے
یہ عرس رضا صد سالہ ہے

سرکار کی بزم اقدس میں، مقبول زبان و فکر و قلم
ہر قول رضا کا ہے اونچا، ہر بول رضا کا بالا ہے
یہ عرس رضا صد سالہ ہے

ہے نوری و حامد، جیلانی، اور حسنین و سبطین کا فیض
نسبت انکی ہم سب کے لیے، فردوس بریں کا حوالہ ہے
یہ عرس رضا صد سالہ ہے

پورب پچھم اتر دکھن، پیغام رضا اور نام رضا
تسبیح اخوت میں جس نے سب اہل سنن کو ڈھالا ہے
یہ عرس رضا صد سالہ ہے

اے کاش مرے مرشد ہوتے، رونق ہی دوبالا ہوجاتی
پر رب کی رضا پر سرخم ہے، ہر غم کا اِسی سے ازالہ ہے
یہ عرس رضا صد سالہ ہے

افکار رضا سے چاروں طرف، ہیں عشق رسالت کے جلوے
باغی کو جلن، حاسد کو چبھن، سرشار محبت والا ہے
یہ عرس رضا صد سالہ ہے

ہٹ جائیں گے نفرت کے پردے، چھٹ جائیگی گمراہی کی دھول
سرمہ وہ بریلی کا ڈالے، جس کی بھی نظر میں جالا ہے
یہ عرس رضا صد سالہ ہے

ہے عہد نیا، اقرار نیا، دستورِ رضا پر چلنے کا
سب اہل وفا کی گردن میں پیغام رضا کی مالا ہے
یہ عرس رضا صد سالہ ہے

شاداب رہے گلزارِ رضا، ہر پھول میں ہو کردارِ رضا
اس گلشن علم و حکمت سے، ملت کی شان دوبالا ہے
یہ عرس رضا صد سالہ ہے

پھیلے ہیں وہاں دل کے دامن، بٹتے ہیں عنایت کے گوہر
چل تو بھی فریدی اُس کے در، ایمان کا جو رکھوالا ہے
یہ عرس رضا صد سالہ ہے

www.muftiakhtarrazakhan.com

صد سالہ امام احمد رضا

از: محبوب گوہر اسلام پوری، مظفر پور

حوصلے کی جان صدسالہ امام احمد رضا
ہے عظیم الشان صدسالہ امام احمد رضا
اپنی جلوہ ریزیوں سے ہے تروتازہ کئے
گلشن ایمان صدسالہ امام احمد رضا
باغیان دین احمد کے لئے ہے بالیقیں
باعث نقصان صدسالہ امام احمد رضا
ہر طرف ہے دھوم تصنیفات و تالیفات کی
سب کا ہے عنوان صدسالہ امام احمد رضا
سنیت میں تجھ سے آیا تازہ جوش و ولولہ
تجھ پہ میں قربان صد سالہ امام احمد رضا
ایسی بیداری جماعت میں نظر آتی نہ تھی
ہے نیا وجدان صدسالہ امام احمد رضا
بستی بستی قریہ قریہ ہے مچی آمد کی دھوم
جیسے ہو مہمان صدسالہ امام احمد رضا
ختم کرنے کا ارادہ اپنے اندر ہے لئے
فکریہ بحران صدسالہ امام احمد رضا
درجنوں نمبر، جریدے، ماہنامے نذر ہیں
اک سے اک دیوان صدسالہ امام احمد رضا
میں سمجھتا ہوں کہ پندرہویں صدی کی بن گیا
اک حسیں پہچان صد سالہ امام احمد رضا
عالم اسلام میں تقسیم ہے کرنے لگا
غوث کا فیضان صدسالہ امام احمد رضا
اہل سنت میں بڑھا ڈالا ہے گوہر قادری
قوت عرفان صدسالہ امام احمد رضا
سب حریفان امام احمد رضا ہیں آج کل
دیکھ کر حیران صدسالہ امام احمد رضا

ہیں علم وفن کے سمندر رضا بریلی کے

نبی کے عشق کا پیکر رضا بریلی کے
دل ونظر میں منور رضا بریلی کے
زمانہ ناپ سکا آج تک نہ گہرائی
ہیں علم وفن کے سمندر رضا بریلی کے
فروغ عشق رسالت کا یہ نتیجہ ہے
ہیں چھائے آج جو گھر گھر رضا بریلی کے
ہراک کلام ہے آفاقیت کا رنگ لئے
ہیں کتنے اعلی سخنور رضا بریلی کے
علوم فقہ کی وسعت کا پوچھنا کیا ہے
ہیں بوحنیفہ کے مظہر رضا بریلی کے
بڑے بڑوں کی جہاں تک پہونچ نہیں ہوتی
ہیں ان علوم کے مصدر رضا بریلی کے
سند ہو کوئی بھی ان کا مہر ضروری ہے
ہیں دین حق کے گورنر رضا بریلی کے
مقام ان کا تعین نہ کرسکا کوئی
بہت ہی اعلی ہیں گوہر رضا بریلی کے

www.muftiakhtarrazakhan.com